اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

کتابِ تحقیق المذاہب کا پہلا حصّہ

موسُوم بہ

حُجّۃ الاسلام

مصنّفہٗ

مولنا اکبر شاہ خان نجیب آبادی

(پبلشر)

محمد مجید حسن پرنٹر نے اپنے مدینہ پریس بجنور میں طبع کیا

تعداد ۵۰۰ بار اول فی جلد عہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَمَّا بَعْدُ

تمہید

۱۔ ہندوستان کے سوا دنیا میں شاید کوئی دوسرا ملک ایسا نہیں بتایا جا سکتا جہاں اس قدر زیادہ تعداد میں دنیا کے مختلف مذاہب پائے جاتے ہوں۔ لہٰذا کسی سچے اور اچھے مذہب کے انتخاب اور تمام مذاہب کی جانچ پڑتال کا جیسا اچھا موقع ہم کو ہندوستان میں میسر آسکتا ہے کسی دوسرے ملک میں تلاش نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ مذہبی مباحثے (خواہ تحریری ہوں یا تقریری) تردیدی کتابیں، مذہبی رسائل و اخبارات مذہبی درسگاہیں۔ مذہبی انجمنیں وغیرہ سامان ہندوستان میں باعتبار کمیت تو اس قدر موجود نظر آتا ہے کہ تحقیق مذاہب کے لئے کافی کہا جا سکتا ہے مگر باعتبار کیفیت اب تک وہ ناکافی ثابت ہوا ہے۔ اس کا سبب میں ابھی آگے چل کر بیان کرونگا۔

۳۔ سب سے پہلی سرسری نگاہ میں مذاہب دو حصوں میں منقسم نظر آتے ہیں۔ اول وہ جن میں خدائے تعالیٰ کی ذات کا اعتقاد نہیں۔ ایسے مذاہب کو دہری یا فلسفی مذاہب کہنا چاہئے۔ ان فلسفی مذاہب میں مرنے کے بعد جزا و سزا کا اعتقاد بھی نہیں پایا جاتا مگر تہذیب نفس اور تکمیل اخلاق کی ضرورت کو وہ تسلیم کرتے اور ضروری جانتے ہیں۔ دوسرے وہ مذاہب جن میں خدائے تعالیٰ، بانی مذہب، مرنے

کے بعد دوسری زندگی اور جزا و سزا، تہذیب اخلاق، الہام وغیرہ کا ماننا ضروری ہے۔ اِس قسم کے مذاہب کو الہامی یا الٰہی مذاہب کہہ سکتے ہیں۔

۴۔ پہلی قسم کے مذاہب ہندوستان میں موجود تو ہیں مگر اُن کا اثر اور طاقت ابھی تک قابلِ ذکر اور قابل التفات نہیں۔ ہاں! انگریزی مدرسوں اور کالجوں میں دہریت کی زمین ضرور تیار ہو رہی ہے دوسری قسم کے مذاہب کی مشترکہ باتیں جو اوپر مذکور ہوئیں بطور اصول اور بطریق تخم سب میں پائی جاتی ہیں مگر ہر ایک مذہب میں اُن کی شکل و صورت تھوڑا یا بہت فرق اور اختلاف ضرور رکھتی ہے۔ اسی فرق و اختلاف کا نتیجہ ہے کہ آئے دن مذہبی مباحثے اور مناظرے منعقد اور تردیدی کتب و رسائل شائع ہوتے رہتے ہیں۔

۵۔ جبکہ تمام مذاہب میں خواہ وہ فلسفی ہوں یا الہامی یہ عقیدہ مشترک ہے کہ انسان کو تہذیبِ نفس اور تکمیلِ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر پہنچنا چاہیئے تو حیرت ہوتی ہے کہ مذہبی مباحث اور مذہبی مسابقت نے ایسی مکروہ اور گھنونی شکل ہندوستان میں کیوں اختیار کر لی جیسی کہ ہم اپنی آنکھوں سے آج کل دیکھ رہے ہیں۔ اِس کا سبب بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ جو لوگ مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لئے نکلتے اور اپنے مذہب کی وکالت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اُن میں اکثر اپنے مذہب سے خود بھی کما حقہٗ واقف نہیں ہوتے۔ یا مذہبی مباحثوں اور تصنیفوں کو اپنی مادی اغراض اور نفسانی خواہشات کا ماتحت اور آلۂ کار بنا لیتے ہیں۔

۶۔ مذہب کی ضرورت اور مذہب کی غرض و غایت مختلف الہامی مذاہب کے ماننے والے مشہور و محقق حضرات نے اپنے اپنے طرز و انداز میں بیان کی ہے۔ اُن سب کے بیان و اظہار کا خلاصہ جو جامع و مانع خلاصہ کہا جا سکتا ہے یہ ہے کہ

"مذہب ہم کو رضائے الٰہی کے حصول کی راہیں بتاتا اور حیات بعد الموت میں اذیت کے مقام سے بچا کر راحت و آرام کے بہترین مقام (جنت، سورگ، مکتی وغیرہ) تک پہنچاتا اور سعادت انسانی سے ہمکنار بنا دیتا ہے"

پس معلوم ہوا کہ الہامی مذاہب کی غرض و غایت ہماری مادی خواہشات اور نفسانی جذبات سے بہت بلند و برتر ہے۔

۷۔ الٰہی مذاہب میں قابل تذکرہ اور مشہور مذاہب یہ ہیں۔ اسلام، ہندو دھرم، بودھ مت عیسائی ملت، مجوسیت، یہودی مذہب۔

اِن مذاہب میں اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ عرصۂ دراز سے مسلسل جاری ہے۔ ہندو مذہب کے ایک جدید فرقہ آریہ سماج نے قریبًا پچاس سال سے پیدا ہو کر اسلام کے مقابلہ میں زور آزمائی جاری کر رکھی ہے۔ لہٰذا ہندوستان میں آج کل سب سے زیادہ جاذبِ توجہ انہی تین مذاہب یعنی اسلام عیسائیت اور آریہ سماج کی معرکہ آرائیاں ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اِس پچاس سال میں ہندوستان کے اندر روحانیت، خداشناسی، محبت، تہذیبِ اخلاق وغیرہ فضائل کی ترقی نظر آتی اور وحشت و درندگی، پست ہمتی و تنگ خیالی، بدتمیزی و بدکلامی شرارت و خباثت وغیرہ رذائل کو تنزل ہوتا مگر حسرت و افسوس کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ اِن مذہبی معرکہ آرائیوں یعنی مباحثوں مناظروں، رسالوں، اخباروں اور کتابوں نے برعکس نتائج پیدا کئے ہیں۔ محبت کی جگہ عداوت نے، روحانیت کی جگہ مادیت نے، خوش اخلاقی اور تہذیب کی جگہ دروغ گوئی اور روباہ بازی نے حیرت انگیز طور پر ترقی کی ہے۔ اِسی لئے زیادہ تر مذہبی مبلغین کو اس معاملہ میں ملزم ٹھہرانا پڑتا ہے۔

۸۔ اس سلسلۂ خیالات میں مَیں اِس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ آج کل ہندوستان کو سخت ضرورت ہے کہ مذہبی تحقیقات اور مذہبی تبلیغ و اشاعت کے لئے کوئی نیا اسلوب اور نیا انداز اختیار کیا جائے جس سے بہترین نتائج کے مرتب ہونے کی توقع ہو سکے۔ عرصۂ دراز سے میری حالت یہ ہے کہ کسی مذہبی مباحثہ کا تماشا دیکھنے سے متنفر اور کسی مذہبی مباحثہ کی روداد یا کسی مذہب کی تردید میں لکھی ہوئی کوئی کتاب پڑھنے کی اپنے دل میں مطلق آمادگی نہیں پاتا۔ اس کتاب کی تصنیف کے لئے میرا آمادہ ہو جانا خود میرے لئے تعجب خیز ہے کیونکہ چند مہینے پیشتر وہم و گمان بھی اس طرف نہیں جا سکتا تھا کہ میں اپنے تاریخی مطالعہ اور رسالہ عبرت کے شغل کو چھوڑ کر کسی دوسری طرف متوجہ ہو سکونگا۔ میں نہیں جانتا کہ میری اس کوشش کے نتائج کیا اور کس حیثیت کے ہونگے۔ ہاں یہ جانتا ہوں کہ قدرتی طور پر اسباب و علل کی ایک ایسی زبردست لہر پیدا ہوئی ہے جو مجھ کو کسی طرف بہا لئے ہوئے لیجا رہی ہے۔

سرِ دست میں اپنے دوستوں کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ وہ میری اس کتاب کو بغور ملاحظہ فرما کر بہت کچھ اُن مصائب اور رذایل سے محفوظ رہ سکتے ہیں جن میں آج کل کے مذہبی مبلغین نے اپنی غلط کاری و بے راہ روی سے ملک کو مبتلا کر دینا چاہا ہے۔

تقریب و تعارف

اِس کتاب کے مطالعہ کرنے والوں کی خدمت میں التماس ہے کہ آپ انشاء اللہ تعالیٰ اِس میں نہ کوئی بدزبانی دیکھیں گے نہ کسی مذہب کے مقابلہ میں

بدتہذیبی معائنہ کرینگے۔ ہندوستان کے مروجہ مذاہب کے متعلق صحیح واقفیت بہم پہنچانے کا ایک مناسب ذریعہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ کتاب بھی ہو سکیگی۔ میں نے کسی مذہب پر کوئی نامناسب حملہ نہیں کیا اور نہ کسی مذہب کی کسی خوبی کو ارادتاً مسخ کر کے کوئی بدنما قالب پہنانا چاہا ہے۔ میں اس بات سے واقف ہوں کہ بعض دوسرے مذاہب کے ماننے والوں نے اسلام یعنی میرے محبوب مذہب کے خلاف خصوصی طور پر بدزبانی اور دریدہ دہنی سے کام لیا ہے لیکن میں اُن کی بدزبانی و دریدہ دہنی کا کوئی جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔ اس شریفانہ طرز ادا اور منصفانہ طرز تحقیق کی طرف مجھ کو میرے مذہب ہی نے متوجہ کیا ہے۔ قرآن کریم میں حکم ہے کہ۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝ (سورہ حم سجدہ رکوع ۵)

تو بری بات کو نیک بات کے عوض میں ٹال دے تب جلد تیرا دشمن بھی دلی دوست ہو جائیگا۔ اس کام کا ذمہ اُٹھانا بڑی برداشت والوں کا کام ہے اور اسے بڑے نصیب والے اختیار کرتے ہیں۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۝ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ ۝ (سورہ انعام رکوع ۱۳)

مشرکوں کے ساتھ بدزبانی کا برتاؤ مت کرو ورنہ پھر وہ ضد اور نادانی سے اللہ کو برا کہیں گے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۝ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ ۝ (سورہ النحل رکوع ۱۶)

لوگوں کو اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلاؤ اور اُن سے مباحثہ بھی کرو تو بہت پسندیدہ طور پر کرو تیرا رب اُن لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اُس کے راستہ سے بھٹک گئے اور وہ راہ پانے والوں سے بھی بخوبی واقف ہے۔ دین کی بحث میں مخالفین کے ساتھ سختی بھی کرو تو ویسی ہی کرو جیسی سختی تمہارے ساتھ کی گئی ہو اور اگر ایذا دہی پر صبر کرو تو بہرحال صبر کرنے والوں کے حق میں صبر کرنا بہتر ہے۔

پس ضرورت ہے کہ مذہبی مباحثوں کی رذیلانہ بدتمیزیوں اور پلیدیوں کو دور کرنے کی سب سے زیادہ کوشش متفقہ طور پر مسلمان ہی بجا لائیں اور قرآن کریم کی مندرجہ بالا تعلیم کو ہرگز فراموش نہ کریں۔ اس کتاب کے ابتدائی مسودہ کی تقسیم ابواب میں ایک مقدمہ، پندرہ باب اور ایک خاتمہ ہے

مقدمہ میں دہریہ عقائد کو زیر تحقیق لایا گیا اور ہستی باریتعالی، الہام، روح، جزا و سزا، انبیاء و رسل وغیرہ بنیادی اور اہم مسائل پر اجمالی نظر ڈالی گئی ہے۔ مفصل ذکر ان مسائل کا آیندہ ابواب میں آیا ہے جہاں الہامی مذاہب زیر بحث آئے ہیں۔ ابواب کتاب میں الہامی کتابوں نیز مذاہب کے بانیوں پر محققانہ اور تنقیدی نظر ڈالنے کے علاوہ مذاہب کی تعلیمات کا مقابلہ اور نہایت تفصیلی موازنہ کیا گیا ہے مابہ النزاع اور مختلف فیہ مسائل کو حتی الامکان عام فہم اور مدلل طریقہ سے جانچا گیا ہے۔ علمی اصطلاحوں کو جو عام لوگوں کی فہم سے بالاتر تھیں چھوڑ دیا گیا ہے۔ مگر علمی مباحث کو عام فہم طریق استدلال سے پورے طور پر حل کر دیا گیا ہے۔ اسی لئے کہیں کہیں اطناب و طوالت سے بھی مجبوراً کام لینا پڑا ہے تاہم وہ اطناب و تفصیل ناگوار اور گراں کسی جگہ نہیں ہونے پائی ہے۔ خاتمہ میں اسلام کی مجمل تاریخ اور اُن نتائج کو پیش کیا گیا ہے جو تعلیم اسلامی کے سبب پیروان اسلام میں خصوصی طور پر مشاہدہ کئے جاتے ہیں۔ نیز مسلمانوں اور غیر مذاہب کے ماننے والوں کی اخلاقی خصوصیات تاریخی روشنی میں مطالعہ کرائی گئی ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے ادبار و تنزل کا اصل سبب کیا ہے اور اُن کی عظمت و شوکتِ رفتہ کس طرح واپس آسکتی ہے۔

اِس کتاب کا نام میں نے **تحقیق المذاہب** تجویز کیا ہے ابتداءً یہی خیال تھا کہ کل کتاب ایک ہی جلد میں شائع ہو سکیگی لیکن جب ابتدائی مسودہ کی دوسری صاف نقل کاپی نویس کو سپرد کرنے کے لئے شروع کی گئی تو اس بات کا خیال آیا کہ اتنی بڑی کتاب (جس کی ضخامت ایک ہزار صفحات سے یقیناً زیادہ ہوگی) کی اشاعت ملک میں زیادہ نہ ہو سکیگی بنابریں میں نے مناسب یہی سمجھا کہ اِس کتاب کو کئی چھوٹے چھوٹے حصّوں میں تقسیم کرکے یکے بادیگرے شائع کروں تاکہ جس طرح شائع کرنے میں آسانی ہو اُسی طرح خریداروں کو بھی سہولت رہے چنانچہ مقدمہ اور ابتدائی پانچ باب اِس پہلے حصّہ کے لئے کافی سمجھے گئے۔ یہ پہلا حصّہ جس کا نام حجۃ الاسلام تجویز کیا گیا ہے اپنے مضامین کے اعتبار سے ایک مستقل کتاب ہے اسی طرح باقی حصّے بھی جن میں سے ہر ایک قریباً اسی ضخامت کا ہوگا۔ مضامین کے اعتبار سے مستقل کتابیں ہونگی جو محتاج بالغیر نہ ہونگی۔ ہاں! اس پہلے حصّہ میں کئی جگہ بعض مضامین کے خاتمہ پر آیندہ ابواب کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو دوسرے حصّوں میں شائع ہونگے لہذا اُن موقعوں پر ابواب کتاب سے حصصِ کتاب مراد لینا چاہئے۔

چونکہ میں انسان ہوں اور سہو و خطا سے بکلّی محفوظ رہنے کا مجھ کو دعویٰ نہیں ہے لہذا یہ التجا ضرور قبول ہونی چاہئے کہ میری اِس کوشش اور میرے اِس کام پر بغرض اصلاح نیک نیتی سے ضرور

نکتہ چینی کیجائے مگر حسد اور عناد کے جذبہ کو شرافتِ انسانی پر غالب نہ ہونے دیا جائے۔

مسلمانوں کی خدمت میں التماس

چند پُرجوش ہندوؤں، ضدی مزاج آریوں اور نامنصف عیسائیوں کو دیکھ کر یہ قیاس کر لینا کہ یہ ساری کی ساری غیر مسلم قومیں ایسے ہی افراد پر مشتمل ہیں بڑی نادانی اور بیوقوفی کی دلیل ہے۔ ہندوؤں، آریوں اور عیسائیوں میں بڑی کثرت سے ایسے اشخاص مل سکتے ہیں جو سلامت روی، حق پسندی اور منصف مزاجی سے بے بہرہ نہیں ہیں۔ اس قسم کے لوگ ہماری ہر ایک معقول بات کو سُن سکتے اور اُس پر غور کرنے پر بھی آمادہ ہو سکتے ہیں۔ ہر ایک وہ شخص جو ہمارا ہمخیال و ہم عقیدہ نہیں ہے اور ہم اُس کو اپنا ہمخیال و ہم مذہب بنانا چاہتے ہیں حق رکھتا ہے کہ ہماری پیش کی ہوئی ہر ایک بات پر جرح اور جو اُس کی سمجھ میں نہ آئے اُس کے رد کرنے کی کوشش کرے۔ ایسی حالت میں یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی قدر درشتی یا بے احتیاطی کے ساتھ کلام کرے پس ہندوؤں یا آریوں اور عیسائیوں میں سے کسی کو اپنی مخالفت کرتے ہوئے دیکھ کر بددل ہونا اور مایوس ہو کر بیٹھ رہنا بڑی پست ہمتی کی دلیل اور تعلیم اسلامی کے سراسر خلاف ہے۔

اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (سورہ یوسف رکوع ١٠) خدائے تعالیٰ کی رحمت سے تو وہی لوگ نا اُمید ہوا کرتے ہیں جو کافر ہیں۔

خدائے تعالیٰ سے دعائیں مانگتے رہنا اور تبلیغ اسلام کی کوشش میں لگے رہنا چاہئے مجھ کو قوی اُمید ہے کہ بہت سے آریہ، ہندو اور عیسائی وغیرہ میری اِس کتاب کے مطالعہ کرنے پر آمادہ کئے جا سکیں گے اور اُن میں سے ایسے بھی نکل آئیں گے جو صحیح نتیجہ پر پہنچکر اور اپنے غلط اور نادرست عقائد سے بیزار ہو کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائیں گے۔ پس آپ کا فرض ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کو نہ صرف مسلمانوں بلکہ دوسری قوموں میں بھی وسیع کریں تاکہ دنیا میں تاریکی کم ہو کر روشنی زیادہ پھیلے۔ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (سورہ مائدہ رکوع ١)

اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

دہریہ، ناستک، مادہ پرست، ملحد، منکر خدا، لامذہب وغیرہ اُن لوگوں کے نام ہیں جو خُدا، انبیاء و رسل، کتب سماویہ یا الہام، یوم آخر، جزا و سزا، پابندی مذہب وغیرہ کا انکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو فلسفی کہتے اور عقل کا پیرو سمجھتے ہیں حالانکہ وہ سب سے زیادہ عقل کے دشمن اور فلسفہ سے ناآشنا ہوتے ہیں (جیسا کہ آیندہ چل کر ثابت ہو جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ) ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اصلی خدا یا دہر یا دنیا ہے۔ یعنی دنیا آپ سے آپ بن گئی ہے اس کا بنانے والا کوئی نہیں ہمیشہ سے خود بخود بنتی بگڑتی چلی آئی ہے اور ہمیشہ تک رہیگی۔

مَاهِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيٰ وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ (سورۃ الجاثیہ رکوع ۳)	ہماری تو یہی دنیا کی زندگی ہے اور بس۔ یہیں مرتے ہیں اور یہیں جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہم کو ایک وقت خاص تک زندہ رکھ کر مار دیتا ہے۔

مذہب اور مذہبی عقائد سے دہریے جو انکار کرتے ہیں ان تمام انکارات کا اصل الاصول صرف ایک ہی انکار ہے یعنی خدائے تعالیٰ کی ذات و صفات کا انکار۔ باقی تمام چیزیں اسی کی فردعات ہیں لہٰذا ہم کو سب سے پہلے ہستی باری تعالیٰ کے متعلق ہی دہریوں کی غلط فہمی یا نادانی کے ازالہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ ہمارے اور دہریوں کے درمیان جب کسی مابہ النزاع مسئلہ کے متعلق گفتگو ہوگی تو فیصلہ صرف علم و عقل کے ذریعہ ہو سکیگا۔ کیونکہ علم و عقل ہمارے اور دہریہ دونوں کے لئے حجت ہیں۔ علم و عقل سے نہ ہم کو انکار ہے نہ دہریوں کو۔ پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول علم و عقل ہی کی تعریف و حدود پر نظر کر لیجائے۔ تاکہ آیندہ ہمارا کام آسان ہو جائے۔

علم و عقل علم کے لغوی معنی دانستن اور عقل کے لغوی معنی بند بر پا بستن ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھنا چاہیئے کہ علم ہم کو اشیاء سے واقف کرتا اور عقل ہم کو غلط روی سے

روکتی ہے۔ یا یوں سمجھو کہ سنکھیے کا رنگ سفید اور طباشیر سے مشابہ ہوتا ہے اُس کے کھانے سے آدمی مرجاتا ہے یہ علم ہے۔ "چونکہ ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں لہذا ہم کو سنکھیا نہیں کھانا چاہیئے" یہ عقل کا تقاضا ہے بعض حکمار نے عقل کے معنی لکھے ہیں کہ وہ نفس انسانی کی ایک قوت ہے جس کے ذریعہ حقائق اشیار میں تمیز کیجاتی ہے۔ علم بلا عقل انسان کے لئے قطعاً غیر مفید اور عقل کا تصور بلا علم محال ہے۔ ہاں! علم کو عقل پر وہی تقدم حاصل ہے جو سبب کو نتیجہ پر حاصل ہوتا ہے۔ بنا بریں ہم کو سب سے پہلے یہ تحقیق کرنا ہے کہ انسانی علم کے ذرائع کیا ہیں۔ اِن ذرائع کی تعین میں ہمارا اور ایک دہریہ کا کسی قدر اختلاف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ انسانی علم کے ذرائع حواس خمسۂ ظاہری ہیں اور ان کے علاوہ ایک اور نہایت زبردست ذریعہ وحی والہام بھی ہے جو ان حواس خمسۂ ظاہری سے بالاتر ہے۔ لیکن دہریہ کہتا ہے کہ حواس خمسہ ظاہری کے علاوہ اور کوئی ذریعۂ علم نہیں۔ حقیقتاً یہی اختلاف ہے جو الہامی مذاہب اور دہریت کے درمیان مخالفت کی بنیاد ہے۔ چونکہ ہم کو دہریوں کے ساتھ مابہ النزاع مسئلہ کا فیصلہ کرنا ہے لہذا ہم اُسی علم سے بحث کرینگے جو حواس خمسہ ظاہری کے ذریعہ مرتب ہوسکتا ہے اور تھوڑی دیر کے لئے اپنے حریف کا مسلمہ تسلیم کئے لیتے ہیں کہ انسانی علم کے ذرائع حواس خمسۂ ظاہری کے سوا اور کچھ نہیں ہیں اندریں صورت ہم کو بجائے انسانی علم کے لفظ مشاہدہ استعمال کرنا چاہیئے کیونکہ مشاہدہ اُسی علم کو کہتے ہیں جو حواس ظاہری کے ذریعہ حاصل ہو

مشاہدہ اور حقایق اشیار

ایک اندھا مادرزاد رنگ کا تصور نہیں کرسکتا۔ دنیا بھر کے ماہر تعلیم تمام بڑے بڑے تجربہ کار ٹیچر اور پروفیسر مل کر ایک مادرزاد اندھے کو زرد، سبز، سُرخ، سفید، سیاہ وغیرہ الفاظ کے معانی سمجھائیں اور پورا زور لگائیں کہ اِن الفاظ کا صحیح مفہوم اُس مادرزاد اندھے کے ذہن میں آجائے اور وہ سفید و سیاہ کا فرق یا سبز و سُرخ کا صحیح مفہوم سمجھ جائے تو ہرگز اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے اور کوئی شخص تجویز نہیں کرسکتا کہ ایک اندھا مادرزاد رنگت کا تصور کرسکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اِن پانچ حواس ظاہری میں سے اگر ایک کم ہوجائے اور اُن کی تعداد صرف چار ہی رہ جائے تو ہمارا علم بمقابلہ موجودہ علم کے ضرور کم ہوجائیگا اور وہ کمی ایسی ہوگی جو ہم کو محسوس بھی نہ ہوسکیگی۔ کیونکہ مادرزاد اندھا جو طاقت بینائی سے بے بہرہ ہے رنگت کے معاملہ میں دوسروں کو بیوقوف سمجھتا اور اپنے علم کی کمی کا احساس بھی نہیں کرسکتا۔ وہ اشیار کی صفات سخت و نرم اور سرد و گرم کو تو سمجھتا اور ان صفات کے ذریعہ ایک چیز کو دوسری سے تمیز کرسکتا ہے لیکن زرد و سُرخ اور سبز و سیاہ وغیرہ صفات اُس کے لئے سراسر بے معنی اور اشیار کی تمیز میں مطلق کار آمد

نہیں ہیں نہ وہ رنگ کا تصور کر سکتا نہ اشیاء کی تمیز میں اپنے اِس نقص کو تسلیم اور محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح دوسرے حواس کی نسبت قیاس کیا جا سکتا ہے۔ لہذا قیاس الخلف کے طور پر اِس امر کے تسلیم کر لینے میں کسی شک و شبہ کی گنجایش باقی نہیں رہتی کہ اگر ہمارے حواس کی تعداد بجائے پانچ کے چھ ہوتی یعنی اِن پانچ طاقتوں (باصرہ، سامعہ، ذائقہ، شامہ، لامسہ) کے سوا ایک اور طاقت بھی ہم کو حاصل ہوتی تو ہمارا علم بمقابلہ اس موجودہ علم کے (جو صرف پانچ حواس کے ذریعہ مرتب ہوا ہے) ضرور زیادہ کامل ہوتا۔ اور اگر ہم کو حواس سبعہ یعنی سات طاقتیں حاصل ہوتیں تو پھر ہمارا علم حواس ستہ یعنی چھ طاقتوں والے علم سے بھی زیادہ وسیع ہوتا۔ اِسی طرح قیاس کرتے چلے جاؤ۔ اگر ہمارے حواس کی تعداد سو یا ہزار بھی ہو جائے پھر بھی اُس پر اضافہ ممکن ہے۔ غرض کہ جب تک حواس کا تعدد قائم رہیگا اور ہماری طاقتیں معدود ہونگی اُس وقت تک ہمارا علم محدود ہی ہوگا اور اُس میں ترقی کی گنجایش باقی رہیگی۔ لہذا ثابت ہوا کہ انسان کا علم جو بذریعہ حواس ظاہری (جن کا مرکز دماغ ہے) مرتب ہوتا ہے خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے ہمیشہ ناقص و ناتمام ہی رہیگا۔ اور حقایق اشیاء کے متعلق جو علم ہم کو حاصل ہو سکتا ہے اُس کو معرفت کامل اور علم تام ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (اور لوگ اُس کی معلومات سے کسی چیز پر دسترس نہیں رکھتے مگر جتنی کہ وہ چاہے)

روایت ہر ایک شخص اس بات کو جانتا اور مانتا ہے کہ اُس کا تمام علم جو حواس خمسہ ظاہری کے ذریعہ مرتب ہوا ہے وہ صرف اُسی کے حواس ظاہری اور اُسی کے تجربہ و مشاہدہ کا نتیجہ نہیں ہے مثلاً ایک کاشتکار اول زمین میں قلبہ رانی کرتا پھر بیج بکھیرتا اُس کے بعد پانی دیتا اور یہ سب کام خاص موسم اور خاص فصل میں بجا لاتا ہے تب کھیت طیار ہو کر غلہ حاصل ہوتا ہے لیکن اُس کاشتکار نے زمین جوتنے بیج بکھیرنے اور موسم و فصل کے متعین کرنے کا علم اپنے حواس ظاہری کے ذریعہ مرتب و حاصل نہیں کیا بلکہ اُس نے کسی دوسرے کے تجربہ و مشاہدہ سے فائدہ اُٹھایا۔ یا مثلاً آج ایک شخص کوئی مضمون لکھتا پھر آہار دادہ کاغذ پر کاپی کی روشنائی سے نقل کرتا۔ خاص قسم کے پتھر کو گرم کرتا کاپی اُس پر جماتا اور دوسری قسم کی روشنائی سے مخصوص طریقوں پر عامل ہو کر سیکڑوں ہزاروں کاغذ چھاپ لیتا ہے لیکن یہ تمام باتیں یہ تمام ترکیبیں خود اُس نے معلوم نہیں کیں بلکہ کسی دوسرے شخص یا اشخاص کی معلوم کی ہوئی باتوں کو مانا اور اُن پر عامل ہو کر کاغذ چھاپنے میں کامیاب ہوا۔ یا مثلاً گھوڑا گاڑی، ریل گاڑی، موٹر، ٹراموے، بائسکل وغیرہ جن

لوگوں نے ایجاد کی ہیں اُن سب نے اُس ابتدائی زمانہ کے موجد کی کوشش و معلومات سے فائدہ اٹھایا جس نے پہلی مرتبہ مرکز پر گھومنے والا پہیہ اپنی بیل گاڑی کے لئے بنایا تھا۔ یا مثلاً ہم نے خود سنکھیا کھا کر اور مر کر اس بات کا مشاہدہ نہیں کیا کہ آدمی سنکھیا کھانے سے مر جاتا ہے لیکن ہم نے دوسروں کے حاصل کئے ہوئے علم پر اعتبار کیا اور آج ہم کو اِس بات کا کامل یقین ہے کہ آدمی سنکھیا کھانے سے مر جاتا ہے یا مثلاً ہم نے محمود غزنوی، شہاب الدین غوری اور عالمگیر کو خود اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا مگر دوسروں کے ذریعہ ہم کو جو علم حاصل ہوا ہے اُس کی بنا پر ہم یقین رکھتے ہیں کہ مذکورۂ بالا سلاطین ضرور ہو گذرے ہیں اور شہاب الدین غوری محمود غزنوی کے بعد اور عالمگیر شہاب الدین غوری کے بعد ہوا ہے۔ اِن سلاطین کے درمیان جس قدر برسوں کا فاصلہ ہے وہ بھی ہم کو معلوم ہے اور جن ملکوں پر ان کی حکومت تھی اُن کو بھی ہم جانتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ حواس خمسہ ظاہری کے ذریعہ جو انسانی علم حاصل ہو سکتا ہے وہ بھی کسی شخص کو اپنے حواس کے ذریعہ حاصل ہونا ممکن نہیں۔ اگر ہر شخص کو تمام علم اپنے ہی حواس کی کارگذاریوں کے ذریعہ حاصل کرنا ہوتا تو انسان آج دنیا میں بندروں اور کتوں سے بھی زیادہ ذلیل نظر آتا۔ لہذا ہم کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ حقائق اشیاء کی نسبت ہم جو کچھ علم رکھتے ہیں اُس کا بڑا حصہ مشاہدہ کے ذریعہ حاصل نہیں ہوا۔ بلکہ دوسروں کے سمجھانے اور بتانے سے حاصل ہوا ہے۔ اس کو ثابت ہوا کہ ہمارے مشاہدہ کا میدان تو یقیناً بہت ہی ناکافی ہے۔ ہاں! اس کے مقابلہ میں وسعت اگر نظر آتی ہے تو اُسی ذریعۂ علم میں نظر آتی ہے جس کو اخبار غیب یا علم غیب کے نام سے تعبیر کرنا چاہئے یعنی دوسروں کی بتائی اور سمجھائی ہوئی باتوں کو بلا مشاہدہ تسلیم کر لینا۔ علم غیب کے اس حصہ کو ایک دہری بھی مانتا ہے مگر وہ اِس کا نام علم غیب نہیں رکھتا کیونکہ یہ علم اس کے نہ سہی کسی دوسرے کے مشاہدہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس شخص نے اُس کے حاصل کرنے یا ماننے میں اپنے مشاہدہ سے کام نہیں لیا بلکہ محض غیب کی خبر سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ تاہم دہریہ کی خاطر ہم اس کو علم غیب کے نام سے نہیں بلکہ روایت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اب تک کی تمام تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ مشاہدہ کے ذریعہ حقائقِ اشیاء سے ہم پوری اور کامل واقفیت حاصل نہیں کر سکتے انفرادی طور پر ہم اور ہمارے حواسِ ظاہری اس قدر کمزور ہیں کہ ہم کو معمولی اور ادنیٰ درجہ کی واقفیت بھی بغیر روایت کی امداد کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ حقائق اشیاء کے متعلق وہ واقفیت بھی جو مشاہدہ کے ذریعہ حاصل ہونی ممکن تھی روایت ہی کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں مگر مشاہدہ اور روایت دونوں کے ذریعہ جو علم ہم کو حاصل ہوتا ہے اُس کا بھی غلطی اور سقم سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے۔ کسی نہ ماننہ

میں انسان پانی کو مفرد اور عنصر سمجھتا تھا لیکن آج کل وہ مرکب سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی زمانہ میں بلا گھوڑے اور بیل وغیرہ کے گاڑی کا چلنا اور ہزاروں میل کے فاصلہ پر منٹوں میں خبر پہنچا دینا تمام عالموں اور عقلمندوں کے نزدیک غیر ممکن سمجھا جاتا تھا لیکن آج موٹر، ریل گاڑی، تار برقی بے تار کی تار برقی سے بچہ بچہ واقف ہے۔ یعنی کسی زمانہ میں انسانی علوم نے جن حقائق سے قطعی انکار کر دیا تھا اور یہ انکار ہی ثابت شدہ حقیقت اور صحیح فیصلہ سمجھا جاتا تھا آج اُن ثابت شدہ فیصلوں اور ناقابل تردید عقیدوں کو سب سے زیادہ غلط اور سب سے زیادہ نادرست باتیں سمجھا جاتا ہے۔ پس ہرگز یہ دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آج کی ثابت شدہ حقیقتیں کل لائق انکار و تردید اور قابل مضحکہ باتیں نہ ہو جائیں گی۔ تمام وہ علوم اور تمام وہ حقائق جن کی بنیاد انسان کے حواس ظاہری پر قائم ہے اُن کا بھی مرتبہ ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ حواس ظاہری جیسا کہ ابتداءً بیان ہو چکا ہے علم کے نہایت ناقص ذرائع ہیں۔ اسی طرح دوسروں کی تحقیق کی ہوئی باتیں جن کی بنیاد تحقیق بھی حواس ظاہری ہوں یقینی طور پر صحیح نہیں کہی جا سکتیں سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (اے خدا تو پاک اور بے عیب ہے جو تو نے ہم کو بتا دیا ہے اُس کے سوا ہم کو کچھ معلوم نہیں تحقیق تو ہی جاننے والا مصلحت کا پہچاننے والا ہے)

وسعتِ علم کی فطری خواہش

ایک چھوٹا بچہ چیزوں کے نام معلوم کرنے اور اُن کے افعال و خواص یاد رکھنے کی طرف فطرۃً مائل ہے جب اُس کو الفاظ کا اس قدر ذخیرہ یاد ہو جاتا ہے کہ اظہار مافی الضمیر کر سکے تو اُس کی اُن ابتدائی میٹھی میٹھی باتوں میں اشیاء کے متعلق سوالات کا بھی ایک بڑا حصہ شامل ہوتا ہے اور آخر عمر تک اشیاء کے اسماء و افعال و خواص کی نسبت واقفیت حاصل کرنے میں انسان برابر مصروف رہتا ہے علم کا ایک حصہ تو انسان کو ابتداءً بلا کوشش و خواہش بھی خود بخود حاصل ہو جاتا ہے لیکن ایک بڑا حصہ اُس کو اپنی کوشش اور سعی کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔ چھوٹے بچے اپنے بہت سے محبوب اور قیمتی کھلونوں کو صرف اس لئے توڑ ڈالتے اور بیکار کر دیتے ہیں کہ وہ اُن کی حقیقت سے آگاہ ہونا اور اُن کے متعلق اپنے علم کو وسیع کرنا چاہتے ہیں۔ مٹی کے گھڑے کو دیکھ کر جو خواہش ہمارے دل میں پیدا ہوئی تھی اُس کے سلسلہ کی ایک کڑی یہ تھی کہ ہم نے کمہار کو چاک پر برتن بناتے ہوئے دیکھ کر مسرت حاصل کی تھی۔ اپنے مکان کی چارپائیاں، کواڑ، چوکھٹ، کرسیاں وغیرہ چیزیں آنکھیں کھولتے ہی ہماری نظر کے سامنے تھیں لیکن یہ چیزیں نجار کو بناتے ہوئے دیکھ کر جو خوشی ہم

کو حاصل ہوئی تھی وہ اسی خواہش کا نتیجہ تھی جو اِن چیزوں کے دیکھنے سے فطرۃً ہمارے دل میں موجود تھی۔ پھر بھی نہیں کہ اِس خواہش کا سلسلہ ختم ہو گیا ہو بلکہ کمہار کو برتن بناتے ہوئے دیکھ کر اُس کے چاک کی گردش کا سبب معلوم کرنے اور نجار کے اوزاروں کی مخصوص ساخت کی حکمت سے واقف ہونے کی خواہش پیدا ہوئی یہ سلسلہ آج تک ممتد ہو کر موجود ہے اور ہم ابھی بہت کچھ معلوم کرنے کے خواہشمند ہیں حصولِ علم اور حقائق و اسرار سے واقف ہونے کی اِسی فطری خواہش کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا میں ہیئت، سائنس، طب، تاریخ وغیرہ علوم مدون پائے جاتے ہیں۔ بطلیموس، فیثاغورث محمد بن جابر، نیوٹن، نصیر الدین طوسی، ٹائکو براہے۔ کیپلر وغیرہ کی جانکاہیاں اور علم ہیئت کی تدوین کسی انسانی ضرورت کا نتیجہ نہیں بلکہ محض انسان کے اُس فطری تقاضے کا نتیجہ ہے جو اُس کے اندر حقائق اشیاء کے معلوم اور علم کے وسیع کرنے کے متعلق موجود ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس علم سے انسان بعض فوائد بھی حاصل کر لے اور بعض اپنی ضرورتوں کو بھی پورا کر سکے لیکن علم ہیئت کی تدوین و تحقیق انسان کی اُس فطری خواہش کے سوا اور کسی سبب سے نہ تھی۔ بلکہ دنیا میں جس قدر بڑے بڑے انکشافات ہوئے اور انسان نے اُن سے بڑے بڑے فوائد حاصل کئے وہ عموماً اُنہی تجربوں کے نتائج ہیں جو انسان اپنی فطری خواہش کے تقاضے سے بلا ضرورت بھی کیا کرتا ہے۔ غرض اِس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اپنے علم کو وسیع کرنے اور نئی نئی معلومات کی طرف ہمیشہ متوجہ رہنے کا مادہ انسانی فطرت میں ضرور شامل ہے اور یہی وجہ ہے کہ نوع انسان کی ترقیات اور ایجادات کا سلسلہ آج تک ختم نہیں ہوا اور آئندہ بھی ختم ہو جانے کو فرض اور تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ ایک طرف تو ہمارے علم کا وہ نقص اور ہمارے ذرائع علم کی وہ ناری جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ دوسری طرف ہماری فطرت میں وسعت علم کی یہ خواہش جس کا ابھی ذکر ہوا اِن دونوں متضاد چیزوں میں تطابق و توافق پیدا کرنے کے لئے ہم مجبور ہیں کہ کسی اور ذریعۂ علم کو تلاش کریں۔ یہ بحث آئندہ الہام کے بیان میں آنیوالی ہے۔ اس جگہ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ فانتظروا

ہستی باری تعالیٰ

(۱)

لکڑی کی ایک کرسی دیکھ کر ہمارے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو کسی بڑھئی دنجار نے بنایا ہے اگر اُس کرسی کے پائے اونچے نیچے یعنی چھوٹے بڑے ہوتے ہیں اور ہم اُس پر آرام سے نہیں

بیٹھ سکتے تو اُس کے بنانے والے پر بیوقوفی و نالائقی کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ ایک خوبصورت اور کار آمد تلوار کو دیکھ کر اُس کے بنانے والے لوہار کی تعریف کرتے ہیں۔ اگر مصنوع سے صانع کی طرف انسان کی توجہ منعطف نہ ہوا کرتی تو آج یورپ والوں کو اس دروغ بیانی کی ضرورت پیش نہ آتی کہ تاج محل کی خوبصورت عمارت اٹلی کے معماروں کی بنائی ہوئی ہے۔ مصنوع سے چونکہ صانع کی خبر ملتی ہے لہذا انسان جو اپنے بقائے نام کا خواہاں ہے بڑی بڑی مضبوط اور خوبصورت عمارتیں۔ بڑے بڑے قلعے اونچے اونچے مینار بنوا کر چھوڑ جاتا اور یقین رکھتا ہے کہ جب تک یہ عمارتیں دنیا میں باقی رہینگی میرا نام بھی باقی رہیگا۔ کپڑے کا ایک تھان پارچہ باف کی، کپڑے کا سِلا ہوا ایک کوٹ درزی کی، دریا کا ایک پل انجنیر کی، ایک خوبصورت زیور سنار کی، مٹی کا برتن کمہار کی خبر دے رہا ہے اور دنیا میں جہاں جہاں کوئی چیز ایسی پائی جاتی ہے جس میں کاریگری، باقاعدگی اور موزونیت محسوس ہوتی ہے دیکھ کر ہم فوراً اُس کے بنانے اور ترتیب دینے والے کا یقین کر لیتے ہیں ہم کسی جنگل میں شیر کا شکار کھیلنے جاتے ہیں وہاں کسی درخت کی موٹی شاخ کلہاڑی سے کٹی ہوئی دیکھتے ہیں اور کٹی ہوئی شاخ کے پتوں کو مرجھایا ہوا نہیں بلکہ ترو تازہ پاتے ہیں تو یقین کر لیتے ہیں کہ آج ہی ہم سے تھوڑی دیر پیشتر کوئی آدمی اس طرف آیا ہے جس کے پاس ایک کلہاڑی بھی ضرور تھی۔ پھر آگے چل کر ایک اور درخت کی موٹی شاخ ٹوٹی ہوئی دیکھتے ہیں جو مسوس کر اور مروڑ کر توڑی گئی ہے جس کے ریشے مسواک کی طرح فشردہ واز ہم پاشیدہ نظر آتے ہیں اُس کو دیکھ کر ہم یقین کر لیتے ہیں کہ کوئی جنگلی ہاتھی اس جگہ ضرور آیا ہے۔ اسی طرح ہم کسی پتھریلے اور ریگستانی میدان میں سفر کرتے ہیں جہاں کسی انسان کا نام و نشان نہیں پایا جاتا، کوئی راستہ کا نشان، ٹپّا اور نقش قدم بھی کہیں نظر نہیں آتا اتفاقاً چلتے چلتے ایک جگہ ہم دیکھتے ہیں کہ دس بارہ گول گول چھوٹے چھوٹے پتھر بخط مستقیم ایک سیدھ میں رکھے ہوئے ہیں یا اِن پتھروں سے ایک مدور حلقہ بنا ہوا ہے یا ایک مثلث مستقیم الاضلاع کی شکل میں رکھے ہوئے ہیں تو فوراً ہم خوشی سے اُچھل پڑتے ہیں اور یقین کر لیتے ہیں کہ اس طرف ہم سے پہلے بھی کوئی آدمی ضرور گذرا ہے کیونکہ پتھروں کے اِس طرح پاس پاس منتظم طریقہ پر رکھے ہوئے ہونے میں ایک صنعت ہے اور اُن کا اِس طرح رکھنے والا ضرور کوئی انسان ہوگا۔ ہم دریاؤں اور ندیوں کو بہتا ہوا دیکھتے ہیں اور گذر جاتے ہیں لیکن نہر کے سیدھے اور ہموار کناروں کو دیکھ کر فوراً حکم لگا دیتے ہیں کہ یہ کوئی قدرتی دریا نہیں ہے بلکہ کسی انسان نے کھود کر نہر نکالی ہے۔ غرض جہاں جہاں صنعت پائی جائیگی صانع کا تصور اور اقرار کرنا پڑیگا۔ یہی مصنوع سے صانع کا تصور وہ چیز

ہے جس کے سبب ہم کو وسعتِ علم کی خواہش پیدا ہوتی اور ترقیات کا موقع میسر آتا ہے جس کے سبب ہم اشرف الحیوانات کہلائے جانے کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ پس اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہو سکتی ہے کہ ہم اس تمام نظامِ عالم کو دیکھیں اور اس کی اعلیٰ ترین صنعت اور باقاعدگی کو مشاہدہ کریں مگر کسی اعلیٰ ترین صانع کا اقرار نہ کریں۔ ایک دہریہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ دنیا بھر کی گھڑیاں اور گھنٹے وقت کے بتانے میں غلطی کر سکتے ہیں مگر سورج اپنے طلوع اور غروب میں غلطی نہیں کر سکتا۔ رات اور دن کا ایک مقررہ نظام کے موافق آنا جانا موسموں کا مقررہ نظام کے موافق تبدیل ہونا، چاند سورج اور ستاروں کا طلوع و غروب۔ زمین کی حرکت محوری اور حرکت دولابی یہ تمام چیزیں ایک مضبوط نظام اور باقاعدگی کی خبر دے رہی ہیں پھر بھی اس نظام کی قائم کرنیوالی اور چاند سورج، زمین وغیرہ کو اپنی حدود معینہ کے اندر رکھنے والی کسی ہستی کا اقرار نہ کرنا خود فطرت انسانی کو دھوکا دینا ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۝ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝

(سورہ یس رکوع ۳)

اور اُن کے سمجھنے کے لئے ہماری قدرت کی ایک نشانی رات ہے کہ ہم اُس میں سے دن کو کھینچ کر نکال لیتے ہیں تو بس یہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور آفتاب ہے کہ اپنے ایک ٹھکانے کی طرف کو چلا جا رہا ہے یہ اندازہ خدا کا باندھا ہوا ہے جو زبردست اور ہر چیز سے واقف ہے اور چاند کہ اسکے لئے ہم نے منزلیں ٹھہرا دیں یہاں تک کہ آخر ماہ میں گھٹتے گھٹتے ایسا ٹیڑھا اور پتلا رہجاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی نہ تو آفتاب ہی سے بن پڑتا ہے کہ چاند کو جا لے اور نہ رات ہی دن پورا ہونے سے پہلے آسکتی ہے اور کیا چاند اور کیا سورج سب اپنے اپنے مدار یعنی گھیرے میں پڑے تیر رہے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ ہی رات کے ایک جزو کو دن میں داخل کر دیتا ہے تو دن بڑا ہو جاتا ہے اور وہی دن کے ایک جزو کو رات میں داخل کرتا ہے تو رات بڑی ہو جاتی ہے اور اُسی نے سورج اور چاند کو مطیع کر رکھا ہے کہ ہر ایک

خَبِیْرٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ ۝ (سورۂ لقمان رکوع ۳)

وقت مقررہ تک اِسی طرح چلتا رہیگا۔ اور یہ کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اسکی سب خبر ہے یہ سب تصرفات اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ ہی قادر برحق ہے اور جن معبودوں کو لوگ اُس کے سوا پکارتے ہیں سب بے اصل ہیں اور اس بات پر تو نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ ہی سب پر بالا اور بڑی شان والا ہے۔

ایک شخص بازار میں بوٹ خریدنے جاتا ہے اور دوکاندار سے کہتا ہے کہ ڈاسن کے کارخانہ کا بوٹ دکھاؤ۔ وہ جانتا ہے کہ ڈاسن کے کارخانہ میں ہمیشہ مضبوط اور اچھے بوٹ ہی بنا کرتے ہیں لہٰذا وہ اپنے اطمینان اور بوٹ کی خوبی کا یقین کرلینے کے لئے اِسی قدر کافی سمجھتا ہے کہ بوٹ کی نسبت یہ ثابت ہو جائے کہ ڈاسن کے کارخانہ کا بنا ہوا ہے۔ اِسی طرح ایک نہایت خوشخط لکھا ہوا قطعہ ایک شاگرد اپنے اُستاد کے پاس لیجاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے لکھا ہے اُستاد اُس کے بیان کو صحیح نہ سمجھ کر کہتا ہے کہ یہ تو کسی اعلیٰ درجہ کے خوشنویس کا لکھا ہوا ہے تم ایسا اچھا ہرگز نہیں لکھ سکتے۔ اِسی طرح ایک نادرست اور ساقط از وزن شعر کوئی شخص سُناتا اور کہتا ہے کہ یہ مولانا جامی کا شعر ہے۔ ہم سُنتے ہی اُس کے بیان کی تردید کرتے اور کہتے ہیں کہ مولانا جامی کے شعر کا مضمون ایسا مبتذل نہیں ہو سکتا اور مضمون اگر مبتذل ہو بھی سکتا ہے تو بندش ایسی سست اور زبان ایسی نادرست ہرگز نہیں ہو سکتی۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ساقط از وزن تو کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا تھا لہٰذا تم غلط کہتے ہو کہ یہ جامیؒ کا شعر ہے۔ مذکورۂ بالا مثالوں سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے کہ مصنوع کو دیکھ کر نہ صرف صانع کا یقین ہوتا بلکہ صانع کا مرتبہ بھی معلوم ہو جاتا ہے یعنی اعلیٰ درجہ کی صنعت اعلیٰ درجہ کے صانع سے اور ادنیٰ درجہ کی صنعت ادنیٰ درجہ کے صانع سے ہم منسوب کیا کرتے ہیں۔ اب ہم اپنی حالت کو دیکھتے ہیں تو اپنے آپ کو اعلیٰ ترین صنعتوں کا مجموعہ پاتے ہیں۔ اگر ہم خود بخود مادہ سے بن گئے ہیں اور کوئی ہمارا بنانے والا نہیں ہے تو ہمارے اندر کوئی صنعت اور کوئی حکمت نہیں پائی جانی چاہیے۔ ہماری آنکھیں ہمارے شریں پر ہوتیں اور باقی تمام اعضا بدستور رہتے تو اس ایک ذراسی تبدیلی سے کس قدر دقتیں پیش آتیں۔ اگر ہمارا منہ ہماری کمر میں ہوتا تو ہم کو کس قدر مصائب پیش آتے۔ غرض ہمارا ایک ایک عضو اور ایک ایک جوڑ بند اپنے اندر لاتعداد حکمتیں رکھتا ہے۔ ہم اگر اپنی جسمانی ساخت

کی صنعتوں اور حکمتوں کو شمار کرنا چاہیں تو گن نہیں سکتے۔ پھر اپنی ظاہری و باطنی قوتوں کو دیکھتے ہیں تو حیران و ششدر رہ جاتے ہیں لہذا ہم اس اقرار کے لئے مجبور ہیں کہ ضرور ہم کسی بڑے کاریگر اور بڑے حکیم کی صنعت و حکمت کا نتیجہ ہیں۔ دہریہ کا یہ کہنا کہ ہم خود بخود پیدا ہوئے ہیں یعنی اپنے خالق آپ ہیں اِس لئے غلط ہے کہ ہمارا وجود ہمارے ارادہ پر مقدم ہے یعنی ہم پیدا پہلے ہو گئے تھے اُس کے بعد ہم میں ارادہ اور قوت پائی گئی ہے۔ خالق کا اپنے مخلوق سے اور صانع کا اپنے مصنوع سے کما حقہ واقف ہونا ضروری ہے اور انسان کا علم آج تک جسم انسانی کے متعلق کامل نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ دہریے یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ انسان کا خالق اور انسان کا صانع مادّہ ہے کیونکہ انسان مادہ سے بنا ہے۔ اُن کا یہ قول اس لئے غلط ہے کہ مادہ ایک بے ادراک، بے علم اور بے عقل شے ہے وہ ایک صاحب ادراک، باعلم اور باعقل وجود یعنی انسان کو کیسے پیدا کر سکتا ہے؟ انسان کا پیدا کرنیوالا کوئی علیم، حکیم اور صاحبِ قدرت وجود ہو سکتا ہے اُسی کا نام خدا ہے اور اُسی ذاتِ واحد کا ہم دہریہ سے اقرار کرانا چاہتے ہیں۔

اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ٥ (سورۂ رعد رکوع ۲)	کیا اِن لوگوں نے اللہ کے ایسے شریک ٹھہرا رکھے ہیں کہ اُسی کی سی مخلوقات اُنہوں نے بھی پیدا کر رکھی ہے اور اب ان کو مخلوقات کے بارے میں شبہ واقع ہو گیا ہے کہ کس کی پیدا کی ہوئی ہے ان سے کہدو کہ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے اور وہ اکیلا ہے کوئی اُس کا شریک نہیں اور وہ سب پر غالب ہے۔
وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥ (سورۂ نحل رکوع ۱۱)	اور اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا اُس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور اللہ ہی نے تم کو کان دیے اور آنکھیں دیں اور دل عطا کئے تاکہ تم اُس کا شکر کرو۔
اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ٥ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ٥ (سورۃ الطور رکوع ۲)	کیا بغیر کسی کے پیدا کئے یہ آپ ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہی مخلوقات کو پیدا کیا کرتے ہیں یا اُنہوں نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ یہ تو اُن کا کیا مقدور تھا مگر یوں کہو یہ لوگ خدائے تعالیٰ پر یقین ہی نہیں لانا چاہتے۔

(۲)

اِس دنیا کی ہر ایک چیز پکار پکار کر اس بات کا ثبوت پیش کر رہی ہے کہ کوئی بالاتر ہستی ضرور موجود ہے جو ہم سب کی خالق، آمر، حافظ اور صاحب قدرت و حکمت ہے حیوانات میں نہ صرف انسان بلکہ دوسرے جانور بھی اپنی اپنی پیدایش کے اندر بڑی بڑی حکمتیں اور صنعتیں پوشیدہ رکھتے ہیں۔ ہاتھی اپنے بڑے اور بھاری سر کو لمبی گردن پر نہیں سنبھال سکتا تھا لہٰذا اُس کی موٹی اور چھوٹی گردن نے اِس خطرہ کو دور کر دیا مگر اُس کا اونچا جسم اور بلند ٹانگیں اُس کے منہ کے زمین تک پہنچنے، چارہ کھانے اور پانی پینے میں حارج و مانع تھیں لہٰذا اُس کی سونڈ نے اس دقت کو رفع کر دیا۔ جن جانوروں کی غذا گوشت ہے اُن کے ناخن تیز اور پنجے مضبوط، دانت گوشت کے چیرنے پھاڑنے کے قابل پائے جاتے ہیں۔ پرندوں کی ہڈیاں چرندوں کی ہڈیوں سے زیادہ ہلکی قسم کی ہوتی ہیں لہٰذا ہوا میں اُڑنا اُن کے لئے آسان ہے۔ مچھلیوں کا جسم پانی میں تیرنے کے قابل نہایت موزوں ہے۔ اونٹ چونکہ ریگستان کا جانور ہے لہٰذا اُس کا جسم اور اُس کے تلوے اُسی کے حسب ضرورت پائے جاتے ہیں۔ آبی پرندوں کے پر پانی میں ڈوب کر بھی خشک اور اُڑنے کے قابل رہتے ہیں خشکی میں رہنے والے پرندوں کے پر پانی میں بھیگ کر بھاری اور مانع پرواز ہو جاتے ہیں

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى (سورۃ الاعلیٰ)	رب اعلیٰ کے نام کی تسبیح کر کہ جس نے سب کچھ پیدا کیا پھر درست کیا اور جس نے پرورش و بقا وغیرہ کے علٰحدہ علٰحدہ طریق مقرر کئے پھر وہ طریق تلا بھی دیے۔

اس قسم کی حکمتوں کو دیکھ کر بے اختیار تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کوئی مدبر بالارادہ حکیم و علیم ہستی ضرور ہے جو تمام مخلوقات کی خالق اور مربی ہے۔ نہ صرف حیوانات بلکہ نباتات میں بھی اِسی قسم کی حکمتیں اور صنعتیں نظر آتی ہیں جو روز روشن کی طرح ایک مدبر بالارادہ، بالاتر علیم و حکیم اور صاحب قدرت خالق کی ہستی کا اقرار کراتی ہیں۔ ہر ایک درخت اور ہر ایک جڑی بوٹی ایک فرمانبردار خادم کی طرح اپنے اپنے فرائض انجام دیتی ہوئی نظر آتی ہے۔

رَبُّنَا الَّذِىْ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (سورۂ طٰہٰ۔ رکوع ۲)	ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اُس کی خاص طرح کی بناوٹ عطا فرمائی پھر اُس کو اُن اغراض خاص کے پورا کرنے کی راہ دکھائی جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

کُلٌّ یَّعۡمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ (بنی اسرائیل رکوع ۹) ہر ایک عمل کرتا ہے اپنے مقررہ طریقہ کے موافق۔

نباتات کی ہر ایک نوع میں جُدا جُدا خاصیتیں پائی جاتی ہیں جو اُن سے جُدا نہیں ہوتیں اگر یہ انتظام ایک بالاتر ہستی کے ماتحت نہ ہوتا تو اس میں ضرور ردوبدل اور تغیر نظر آتا مثلاً گیہوں کے درخت سے جو غلہ حاصل ہوتا ہے وہ انسان کی غذا بننے کی صلاحیت رکھتا ہے ہم روزانہ گیہوں کے آٹے کی روٹیاں کھاتے اور تندرست رہتے ہیں۔ مگر جمالگوٹہ کے درخت سے جو تخم پیدا ہوتا ہے وہ تھوڑی سی مقدار میں کھالیا جائے تو موجب ہلاکت ہوسکتا ہے۔ اگر خاصیتیں تبدیل ہوتی رہتیں تو ہم کبھی جمالگوٹہ یا سنکھیا کھاکر تندرست رہا کرتے کبھی گیہوں کی روٹی کھاکر ہلاک ہوجایا کرتے اور اس طرح اپنے لئے مُضر اور مفید چیزوں میں کوئی تمیز نہ کرسکتے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ نظام اور یہ انتظام جس کو قانون قدرت کہا جاتا ہے اُسی بالاتر ہستی کا بنایا اور قائم کیا ہوا ہے جس کا نام خدائے تعالیٰ ہے۔

فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحۡوِیۡلًا ۝ (سورہ فاطر رکوع ۵)	پس نہ پائیگا تو خدائے تعالیٰ کے مقرر کردہ قاعدے یعنی قانون قدرت میں ادل بدل اور نہ پائے گا تو قانونِ قدرت میں اُلٹ پھیر۔
اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ (سورۃ القمر رکوع ۳)	ہم نے ہر چیز کو ایک اندازہ پر پیدا کیا ہے۔
اَلَاۤ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ (حم سجدہ رکوع ۶)	دیکھو! خدا کا علم اور اُس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے۔

(۳)

یہ تمام کارخانہ عالم علت و معلول اور سبب و نتیجہ کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے۔ اس علت و معلول کے سلسلہ سے دہریہ بھی منکر نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک نتیجہ کا کوئی سبب اور ہر ایک معلول کی کوئی علت ضرور ہوتی ہے پھر اُس علت پر غور کرتے ہیں تو وہ بھی کسی اور علت کی معلول نظر آتی ہو پھر وہ علت بھی کسی اور علت کی معلول ہوتی ہے۔ اِسی طرح علل کی تلاش میں سفر کرتے ہوئے ایک ایسی علت تک ہم پہنچ جاتے ہیں کہ اُس کے اوپر کوئی دوسری علت نظر نہیں آتی یعنی اس علت کو ہم کسی اور علت کا معلول نہیں پاتے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے یہ ہمارے حواس اور ذریعۂ علم کی کمزوری اور نقص ہے نہ یہ کہ حقیقتاً ہم علت العلل تک پہنچ گئے۔ یہاں تک بھی دہریہ کو ہم سے اختلاف نہیں لیکن اس سے آگے وہ مشاہدہ اور حواس ظاہری کی سرحد سے گذر کر محض قیاس اور اٹکل کی گھاٹیوں میں گامزن ہوتا اور مادہ کی حالت اصلیہ یعنی اجزائے لایتجزیٰ یا سالمات

یا پرمانو تک پہنچنا اور ان سالمات یا پرمانو کو علت العلل مان کر کہتا ہے کہ مادہ کی یہ حالتِ اصلیہ کسی کی معلول نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے پاس علم کا ایک اور ذریعہ ہے (جس کو ہم بعد میں ثابت کرینگے) اُس کی بموجب مادہ بھی جس کو تم علت العلل کہتے ہو معلول ہے اور علت العلل خدائے تعالیٰ ہے۔

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ط (سورۂ ص رکوع ۵) — نہیں کوئی معبود مگر وہی ایک اللہ جو غالب یعنی علت العلل اور موثر حقیقی ہے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (سورہ رعد رکوع ۲) — اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے اور وہ اکیلا علت العلل اور موثر حقیقی ہے۔

دہریہ ہمارے دعوے کو تو تسلیم نہیں کرتا لیکن اپنے دعوے کو زبردستی اور بلا دلیل منوانا چاہتا ہے۔ کیونکہ مادہ کی اُس حالت کو جو اُس کے عقیدہ کے موافق معلول نہیں ہو سکتی اُس نے مشاہدہ نہیں کیا اور نہ کسی دوسرے کے مشاہدہ کی روایت اُس تک پہنچی ہے۔ پس اُسکی یہ لاعلمی ہمارے لئے حجت کیسے ہو سکتی ہے کہ ہم اُس کے دعوے کو تسلیم کر لیں۔ دہریہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ مادہ میں ادراک و شعور نہیں وہ یہ بھی مانتا ہے کہ مادہ میں کسی تدبیر اور ارادہ کے ہونے کی صلاحیت بھی نہیں تھی۔ مادہ کی نسبت وہ کہتا ہے کہ وہ آپ ہی آپ موجود تھا۔ پس ہم اُس سے سوال کر سکتے ہیں کہ اُس بے ادراک و بے شعور مادہ میں یہ تغیرات کیسے پیدا ہوئے کہ کہیں وہ پہاڑ بن گیا کہیں دریا، کہیں وہ ہاتھی بن گیا اور کہیں چیونٹی، کہیں وہ آدمی بن گیا اور کہیں بناتات۔ اِن سالمات یا چھوٹے ذروں میں اگر اتصال کی خاصیت تھی تو یہ حکیمانہ ترتیب اور موزون ترکیب و صنعت کیوں پائی جاتی ہے کسی چھوٹے سے چھوٹے درخت کا ایک پتہ اپنے اندر اس قدر موزونیت اور صنعت رکھتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے عقلمند اور کاریگر دیکھ کر حیران رہجاتے ہیں۔ کیا یہ تمام صنعت و حکمت کی باتیں ایک بے شعور مادہ کی طرف منسوب ہو سکتی ہیں اور کیا ایک ذی شعور علت العلل خدائے حکیم کے ماننے پر مجبور نہیں کرتیں؟ پس معلوم ہوا کہ مادہ کو علت العلل کہنا بے وقوفی کی بات ہے حقیقت یہ ہے کہ مادہ یعنی اُس کی حالتِ اصلیہ بھی معلول ہے

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط (سورۂ لقمان رکوع ۳) — اگر تو اُن سے پوچھے کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔

اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (آلِ عمران رکوع ۲۰)	بیشک زمین و آسمان کی پیدایش اور رات دن کے بدلنے میں عقلمندوں کے واسطے نشانیاں ہیں۔

بلوح گر ہزاراں نقش پیداست
نیاید بے قلمزن یک الف راست

ہدایت دہریہ چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کا منکر اور مادّہ کو خدا کہتا تھا لہذا اُس کو سمجھانے اور بتانے کے لیئے اِسی قدر کافی ہے۔ صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق بحث دوسرے مذاہب کے تذکرہ میں مفصل آئیگی اور وہ بھی ایک دہریہ کے لئے حجت ہوگی اس موقع پر چونکہ کسی دوسرے مذہب کا تذکرہ مقصود نہیں ہے لہذا بہت احتیاط کے ساتھ مضمون کو اُس کی حدود کے اندر محصور رکھنا پڑا ہے۔ اب دہریہ کے دوسرے عقاید وخیالات پر بحث و نظر کیجاتی ہے

وحی والہام

اشرف المخلوقات جیساکہ پہلے بیان ہوچکا ہے انسان کے اندر پیدایشی اور فطری طور پر اپنے علم کو وسیع کرنے اور اپنی معرفت کے بڑھانے کی خواہش موجود ہے اِسی خواہشِ معرفت نے انسان کو اسباب وعلل کے سلسلہ کی خبر دی اور اسی علم و معرفت کی پیاس نے اس کو دوسروں سے امداد لینے اور دوسروں کے مشاہدات سے فائدہ اُٹھانے کا راستہ بتاکر ترقیات کے میدان سطے کرلائے اور اسی کے ذریعہ انسان اس کارخانہ عالم کے پُرحکمت نظام کو دیکھ کر ایک علت العلل اور ایک ذات واجب الوجود کا اقرار کرنے پر مجبور ہوا۔ اب اُس ذات واجب الوجود کی ہستی کا قائل ہوکر انسان مجبور تھا کہ اپنے اُسی فطری تقاضے کی بناپر اس سوال کا جواب حاصل کرے کہ یہ تمام کارخانۂ عالم خدائے تعالیٰ نے کیوں برپا کیا؟ اور اُس خدا نے جس کے ہر ایک کام اور جس کی ہر ایک مخلوق میں لاتعداد حکمتیں بھری ہوئی ہیں۔ اس تمام کارخانہ کے برپا کرنے یعنی اس عالم کے ایجاد کرنے میں کیا حکمت مرعی رکھی ہے؟ انسان اپنے وجود پر غور کرتا اور اردگرد کی چیزوں میں صنعت وحکمت کو دیکھتا ہوا جب صانع عالم کے وجود کا اقرار کرنے پر مجبور ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ ہی مذکورہ

سوال بھی لازماً پیدا ہو جاتا ہے۔

سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ ط (سورہ حم سجدہ رکوع ۶)	اپنی نشانیاں کارخانۂ عالم میں اور اُن کی ذاتوں میں ہم اُن کو دکھاتے ہیں تاکہ حق کی حقیقت اُنہیں ظاہر ہو۔
وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا لٰعِبِیْنَ مَا خَلَقْنٰھُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (سورہ دخان رکوع ۶)	اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں بلاوجہ بطور کھیل کے اور نہیں پیدا کیا ہم نے زمین و آسمان کو مگر تدبیر درست کے ساتھ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ط (سورہ عنکبوت رکوع ۷)	اور جنہوں نے ہمارے متعلق کوشش کی اُن کو ہم خود اپنی راہیں سمجھا دینگے۔

انسان نے جب کارخانۂ عالم پر غور کیا تو اُس نے دیکھا کہ زمین پر انسان چلتا پھرتا ہے مٹی اور پتھر سے گھر بناتا، دریاؤں کا پانی پیتا، نباتات سے غذا حاصل کرتا۔ درختوں کے پھل کھاتا اُن کے سایہ سے راحت پاتا اُن کی لکڑی سے آگ روشن کرتا۔ ضروری سامان اور مکان بناتا ہے۔ حیوانات سے بھی غذا حاصل کرتا۔ اُن کا دودھ پیتا، گوشت کھاتا، اُن کی کھال سے جوتیاں بناتا اور قسم قسم کے سامان تیار کرتا۔ اُن کی پشت پر سوار ہو کر سفر کرتا گاڑیاں کھچواتا ہل چلواتا ہو ہوا میں سانس لیتا۔ سورج کی روشنی سے دن میں فائدہ اُٹھاتا۔ چاند اور ستاروں کی روشنی سے رات کو لطف پاتا، ریگستانوں اور سمندروں کے سفر میں آسانیاں بہم پہنچاتا ہے غرض جو چیز بھی اُس کے مشاہدہ میں آئی اُس نے اپنے نفع سے خالی نہ پائی۔ اُس نے دیکھا کہ اگر سورج کو خدائے تعالیٰ پیدا نہ کرتا تو ہمیشہ رات ہی رہا کرتی اور سردی کی زیادتی سے زندگی دشوار ہوتی چاند اور ستارے نہ ہوتے تو راتیں بڑی ہیبت ناک اور تاریک ہوتیں۔ چاند سورج طلوع و غروب نہ ہوتے تو رات اور دن کا ایک دوسرے کے بعد آنا جانا نہ ہوتا اور محنت و راحت دونوں کے مواقع اس طرح میسر نہ آتے نباتات کا وجود نہ ہوتا تو پھل، پھول، لکڑی، سایہ، غلہ اور بہت سی ضروریاتِ زندگی میسر نہ ہوتیں۔ ہوا اور پانی نہ ہوتے تو زندگی دشوار تھی۔ غرض کہ انسان نے ہر چیز کو اپنے لئے ضروری اور مفید پایا لیکن بہت غور کیا اپنے آپ کو کسی چیز کے لئے ضروری اور مفید نہ دیکھا اُس نے سوچا کہ اگر آدمی نہ ہو تو سورج

کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ نباتات کو بھی کوئی نقصان نہ ہوگا۔ حیوانات کو بھی کوئی اذیت نہ ہوگی، ہوا، پانی زمین آسمان کسی چیز میں بھی انسان کی غیر موجودگی سے نقص اور سقم واقع نہیں ہوتا۔ اس تمام غور و خوض کے بعد انسان مجبور تھا کہ بے اختیار پکار اُٹھے کہ میں اشرف المخلوقات ہوں، میں مخدوم ہوں، سب سے خدمت لیتا ہوں۔ سب میرے خادم ہیں خدا نے سب کو میری خدمت کرنے مجھ کو فائدہ پہنچانے اور میری ضرورتیں پوری کرنے کے لئے کمربستہ کیا ہے۔ پھر انسان نے دیکھا کہ مخلوقات کی تین قسمیں نظر آتی ہیں جمادات، نباتات اور حیوانات ان تینوں قسموں میں جمادات کا مرتبہ سب سے ادنیٰ ہے۔ کیونکہ وہ سب سے زیادہ مجبور و محکوم اور مغلوب ہیں جمادات کے مقابلہ میں نباتات کا مرتبہ فائق ہے اور نباتات کے مقابلہ میں حیوانات کو فضیلت حاصل ہے۔ حیوانات میں انسان سب پر فوقیت و فضیلت رکھتا اور سب پر حکومت کرتا ہے۔ زمین پر رینگنے والے کیڑوں اور مکھیوں مچھروں تک سے لے کر ہاتھی، شیر مگرمچھ اور ویل مچھلی تک سب ہی انسان کے مغلوب و محکوم بن جاتے ہیں اور کسی میں اتنی طاقت و قدرت نہیں کہ انسان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ (سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۷)

اور البتہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور خشکی و تری میں اُن کو جانوروں اور کشتیوں پر سوار کیا عمدہ عمدہ چیزیں انہیں کھانے کو دیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَاۗىِٕـبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ

(سورۂ ابراہیم رکوع ۵)

اللہ ہی ایسا قادر مطلق ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر پانی کے ذریعہ سے درختوں کے پھل نکالے کہ وہ تم لوگوں کی روزی ہے اور کشتیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا تاکہ اُس کے حکم سے دریا میں چلیں اور ندیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا اور اسی طرح سورج اور چاند کو بھی تمہارے لئے مسخر کر دیا کہ بڑے چکر کھا رہے ہیں اور ایسا ہی رات اور دن کو بھی تمہارے لئے مسخر کر دیا۔ اور جو کچھ تم کو درکار تھا بقدر مناسب تم کو دیا اور اگر خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کو تم گننا چاہو تو اُن کو پورا پورا گن بھی نہ سکو گے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ط (سورہ بقرہ رکوع ۳)	وہ خدا ہی ہے جس نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے پیدا کی ہیں۔

اپنے اشرف المخلوقات ہونے کا یقین کر لینے کے ساتھ ہی انسان کے دل میں اس سوال کا پیدا ہونا ضروری تھا کہ میرے لئے جس خدا نے یہ تمام کارخانہ پیدا کیا اور سب کو میرا خادم بنا دیا تو آخر میری پیدائش کی کون سی غرض ہے؟ میں کس لئے پیدا کیا گیا ہوں وہ حکیم خدا جس نے اپنی ہر مخلوق کی پیدائش میں ہزارہا اور لاتعداد حکمتوں کا اظہار فرمایا ہے اور ہر ایک مخلوق کو کسی نہ کسی غرض اور کام پر مامور کر رکھا ہے انسان جیسی اشرف وعظیم الشان مخلوق کو جس کے لئے سب کو خادم و مسخر بنا دیا ہے۔ اگر بلا کسی اہم اور عظیم الشان غرض کے پیدا کیا ہے اور اُس کے فرائض صرف چند روز زندہ رہنا، چوپایوں کی طرح کھانا پینا اور مر کر مٹی میں ملجانا ہی ہیں تو اُس حکیم خدا سے اس لغو اور بے حکمت کام کی توقع ہرگز نہیں کیجا سکتی اِس ضروری اور مہتم بالشان سوال سے انسان کے اندر ایک کرب اور بے چینی کا پیدا ہو جانا لازمی اور ضروری تھا۔ چنانچہ وہ حالتِ اضطرار میں بے اختیار پکار اُٹھا کہ اے خدا میرے پیدا کرنے والے! اے میری پرورش کے تمام سامان مہیا کر دینے والے مجھ کو بتا کہ تو نے مجھے کس کام کے لئے پیدا کیا ہے؟۔

سعی و کوشش اور استمداد

مذکورہ بالا غور و تامل، فکر و تردد اور اندیشہ و تدبر میں انسان پر اس حقیقت کا منکشف ہو جانا بھی ضروری تھا کہ انسان کے سوا جس قدر حیوانات ہیں سب کے سب اپنی ضروریات زندگی کے پورا اور مہیا کرنے کے قابل علم و واقفیت پیدائشی اور فطری طور پر حاصل رکھتے ہیں لیکن انسان کو بلا سعی و کوشش اور بلا امدادِ غیر اپنی ضروریات زندگی پورا کرنے کے قابل بھی علم نہیں دیا گیا۔ ایک بکری کا بچہ جو پیدا ہونے کے بعد کبھی جنگل میں نہ گیا ہو اور ہمارے گھر کے اندر ہی اُس نے پرورش پائی ہو پہلی مرتبہ جب بھیڑیے کی صورت دیکھے گا اُس سے بھاگے گا اور ڈریگا کیونکہ وہ پیدائشی طور پر جانتا ہے کہ بھیڑیا میرے لئے موجب ہلاکت ہے۔ ایک کُتے کا بچہ جس نے کبھی دریا یا تالاب کی صورت نہ دیکھی ہو اگر پانی میں ڈال دیا جائیگا تو وہ اُسی طرح پانی میں تیرتا چلا جائیگا جس طرح بڑا کُتا تیرتا ہے۔ حالانکہ اُس کو کسی آدمی یا کسی دوسرے کُتے نے تیرنا نہیں سکھایا، مچھلی کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی تیرنے لگتا ہے اور فطری طور پر تیرنا جانتا ہے، شہد کی مکھی اپنا چھتہ کیسی کاریگری اور صنعت سے تیار کرتی ہے، بیا اپنا گھونسلہ فطری طور پر بنانا جانتا ہے گھونسلا بنانے میں اُس نے

کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی تھی۔ ہر ایک جانور بغیر اس کے کہ اُس نے علم طب پڑھا ہو اپنی مفید و مضر غذاؤں کی تمیز رکھتا ہے۔ کوئی چوپایہ کسی ایسی گھاس یا بوٹی پر منہ نہیں مارتا جس کا کھانا اُس کے لئے نقصان رساں ہو۔ ہر ایک پرند کو اپنے حسب ضرورت گھونسلا بنانے کا علم حاصل ہے ہر ایک کیڑا اپنا گھر بنانے اور اپنی غذا کے تلاش کر لینے کا علم رکھتا ہے اور یہ علم اُس کو پیدائشی طور پر بغیر اس کے کہ وہ اس علم کے حاصل کرنے میں کوئی سعی و کوشش بجالائے حاصل ہے۔ بخلاف اس کے آدمی کا بچہ پیدا ہونے کے بعد اگر دوسروں سے نہ سیکھے اور دوسرے انسان اُس کو نہ سکھائیں تو اپنی ضروریات زندگی بھی مہیا نہیں کرسکتا۔ ایک آدمی جس نے پیدا ہونے کے بعد کبھی شیر کا نام نہ سُنا ہو اور اُس کا کوئی ذکر اُس کے سامنے نہ ہوا ہو، شیر کو پہلی مرتبہ اُسی اطمینان کی نگاہ سے دیکھیگا جس نگاہ سے وہ گدھے یا خچر کو دیکھتا ہے نہ اُس کے دل میں کوئی ہیبت پیدا ہوگی نہ وہ یہ سمجھیگا کہ اِس سے اپنے آپ کو دور اور محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ ایک شخص جس کو سنکھیے کے خواص نہ بتائے گئے ہوں سنکھیے کو اُسی طرح کھا سکتا ہے جس طرح وہ طباشیر کو کھاتا ہے۔ اگر انسان پیدا ہونے کے بعد اپنے ماں باپ بہن بھائی اور دوسرے انسانوں کو گفتگو کرتے نہ سُنے تو وہ پیدائشی اور فطری طور پر گفتگو کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ اگر وہ دوسروں کو روٹی پکاتے ہوئے نہ دیکھے تو اُس کو روٹی پکانا نہیں آئیگا۔ اِسی طرح لباس مکان اور ہر ایک ضروریات زندگی کی حالت ہے کہ خدائے تعالیٰ نے پیدائشی طور پر انسان کو علم نہیں دیا۔ سب کچھ اس کو دوسروں سے سیکھ کر، دیکھ کر اور سُن کر حاصل ہوتا ہے۔ لَیسَ لِلاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعیٰ ایک طرف انسان نے دیکھا کہ میں اشرف المخلوقات ہوں دوسری طرف اُس نے غور کیا کہ میں ہر ایک حیوان کے مقابلہ میں پست اور بے علم و نادان ہوں۔ ان متضاد کیفیات سے متاثر ہو کر اُس نے اور زیادہ غور کیا تو معلوم ہوا کہ حیوانات کو جو فطری طور پر اُن کی ضروریات زندگی کے لئے علم دیا گیا ہے وہ محدود ہے اور اس میں وہ خود اپنی سعی و کوشش سے کوئی اضافہ نہیں کرسکتے۔ مثلاً یہ ممکن نہیں کہ کوئی پرندہ اپنا گھونسلا بنانے کے جس علم اور صنعت سے واقف ہے اُس میں ترقی کر کے پہلے سے زیادہ اچھا اور زیادہ موجب راحت گھونسلا بنا سکے یا کوئی جانور ترقی کر کے اپنی غذا کو زیادہ لذیذ اور زیادہ پُرتکلف بنا سکے۔ گھوڑا ہمیشہ سے گھاس کھاتا چلا آتا ہے آج بھی اُسی طرح گھاس کھا رہا ہے۔ بکری جس طرح اور جو پتے پہلے کھاتی تھی آج بھی اُسی طرح اور وہی پتے کھا رہی ہے۔ چیل اپنا گھونسلا جس قسم کی سوکھی ہوئی شاخوں سے بناتی تھی آج بھی اُسی قسم کی لکڑیوں سے اُسی قسم

کا گھونسلا بناتی ہے کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی لیکن انسان جو اپنی سعی و کوشش سے اور دوسروں سے سیکھ کر علم حاصل کرتا ہے اس کے لئے ترقی کا میدان وسیع ہے اور یہ برابر ترقی کرتا چلا آتا ہے۔ کبھی ایک جنگلی اور شکاری تھا پھر چوپان اور کاشتکار تھا پھر صنعت گر اور تاجر۔ غرض اسی طرح اپنے علم کو وسیع اور اپنی طاقتوں کو مضبوط بناتا رہتا ہے اور کسی میدان میں اپنے آپ کو درماندہ نہیں پاتا۔ ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد انسان کو اپنے اشرف المخلوقات ہونے کا اور زیادہ یقین ہوا اور اُس نے اِس کارخانۂ عالم کے عجائبات اور پُرحکمت نظام پر پھر ایک مرتبہ نظر ڈالی اور بے اختیار پکار اُٹھا کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (سورۂ آلِ عمران رکوع ۲۰) اے ہمارے پروردگار تونے یہ سب کچھ بے فائدہ تو ہرگز نہیں بنایا۔

مقصد زندگی

دوسرے حیوانات کی طرح انسان کو بھی خدائے تعالیٰ نے حواس ظاہری عطا کر دیے تھے دوسرے حیوانات اور انسان کی زندگی اور اغراض زندگی میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ تو انسان کو بھی ضرور اُسی طرح فطری طور پر ضروریات زندگی کے لئے بقدر مناسب اور محدود علم دے دیا جاتا لیکن انسان کو حصول علم کے لئے مصروف سعی بنانے اور اُس کے سامنے میدانِ ترقی کو وسیع رکھنے پھر وسعت علم کی خواہش اُس کی فطرت میں پیدا کر دینے کی حکمتوں پر غور کرنے سے یہ بات بآسانی بے پردہ ہو جاتی ہے کہ انسان کی پیدائش کا مقصد دوسرے حیوانوں کی زندگی کے مقصد سے ضرور زیادہ اہم اور زیادہ بلند ہے۔ اُس مقصد کے تلاش کرنے کے لئے جب انسان نکلتا ہے تو پہلے ہی قدم پر اس کے دل میں جو خیال پیدا ہو سکتا ہے وہ یہی ہو سکتا ہے کہ

"خدائے تعالیٰ نے ساری مخلوق کو انسان کے لئے اور انسان کو اپنے لئے پیدا کیا ہے۔"

فطرت انسانی کی اس آواز کا مطلب صاف ہے۔ یعنی خدائے تعالیٰ نے دنیا کی ہر چیز کو انسان کا مسخر بنا کر انسان کی عظمت کے اظہار کا موجب بنا دیا۔ پس انسان کا فرض ہونا چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو خدائے تعالیٰ کا فرمانبردار اور اُس کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرنے والا بنائے تاکہ اس طرح یہ تمام کارخانۂ عالم خدائے تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرنے والا ثابت ہو۔ مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ جب کوئی بادشاہ کسی شہنشاہ کی فرمانبرداری کا اقرار کر لیتا ہے تو اُس بادشاہ کی تمام فوج، تمام رعایا۔ اور تمام ارکانِ

سلطنت اُس شہنشاہ کی فرمانبرداری کا بدرجۂ اولیٰ اقرار کرنیوالے سمجھے جاتے ہیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (سورۃ الذاریات رکوع ۳)

اور ہم نے جنوں اور آدمیوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ ہماری عبادت کریں ہم اُن سے کچھ روزی کے تو خواہاں ہیں نہیں نہ اس کے کہ ہم کو کھلائیں پلائیں۔ اللہ تعالیٰ خود بڑا روزی دینے والا زبردست ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (سورۂ یونس رکوع ۱)

لوگو یہی اللہ تو تمہارا پروردگار ہے پس تم اُس کی عبادت کرو کیا تم غور وفکر نہیں کرتے۔

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۝ (سورۃ القیامہ رکوع ۲)

کیا انسان ایسا خیال کرتا ہے کہ اُس کو بلا بازپرس یوں ہی چھوڑ دیا جائیگا۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝ (سورۃ الملک رکوع ۱)

بڑا بابرکت ہے وہ خدا جس کے ہاتھ میں تمام جہاں کی سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ زبردست بخشنے والا ہے۔

انسان کا یہ سمجھ لینا کہ مجھ کو خدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اُس کے احکام کی تعمیل کرنی چاہیے۔ اُس کی تسکین خاطر کے لئے کافی نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ وہ احکام الٰہی سے آگاہ ہو کر اُن کی بجاآوری میں مصروف نہ ہو جائے۔ لہٰذا ابھی تک انسان کی بےچینی اور کوشش و تلاش دور نہیں ہوئی۔ انسان جانتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے سورج کو حکم دیا ہے کہ روشنی اور حرارت دنیا میں پہنچاؤ وہ برابر مقررہ قاعدہ کے موافق اپنے کام میں مصروف ہے اور کبھی خدمت سے انحراف نہیں کرتا۔ نارنگی کے درخت کو حکم ہے کہ نارنگی کا پھل تیار کرو وہ نارنگی کی جگہ کبھی امرود پیدا نہیں کرتا۔ بھیڑ کو حکم ہے کہ اون پیدا کرو وہ کبھی روئی پیدا نہیں کرتی۔ کپاس کے درخت کو روئی پیدا کرنے کا حکم ہے وہ روئی پیدا کرنے میں مصروف ہے۔ غرض جس کو جس خدمت پر خدائے تعالیٰ نے مامور کر دیا ہے وہ اُسی میں مصروف ہے اور انسان کے لئے ایک مکمل توشہ خانہ زمین کے فرش پر آسمان کی چھت کے نیچے تیار اور موجود ہے لیکن انسان کو چونکہ فطری طور پر خدائے

تعالیٰ نے دوسرے حیوانات کی طرح ضروری علم نہیں دیا بلکہ ذرائع علم اور عقل عطا کر کے سعی و کوشش کے لئے اختیار دے کر ایک حد تک انسان کو مختار بنا دیا ہے بنا بریں اس بات کے معلوم کرنے کے لیے بھی اُس کو خود ہی کوشش کرنی پڑیگی کہ مجھ کو خدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری کس طرح بجا لانی چاہیئے اور وہ کیا کیا کام ہیں جن کے کرنے سے میں خدائے تعالیٰ کا فرمانبردار اور اپنے فرائض کو انجام دینے والا ثابت ہو کر اپنے خالق و مالک کی رضامندی حاصل کر سکتا ہوں۔

جبر و اختیار چونکہ انسان کے مختار ہونے کا ذکر اوپر آ گیا ہے لہٰذا اِس جگہ بطور جملۂ معترضہ نہایت مختصر طور پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ انسان مجبور بھی ہے اور مختار بھی (یہ بحث تفصیل کے ساتھ آئندہ کسی دوسرے مقام پر آئے گی) ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا قد کھجور کے درخت کی برابر بلند ہو جائے اور ہم بلا محنت و زحمت درختوں کے پھل توڑ لیا کریں۔ پھر ہم چاہتے ہیں کہ سینہ اُبھار کر گردن اونچی کر کے اور ذرا اکڑ کر بختر انہ انداز رفتار اختیار کریں۔ پہلی خواہش ہم پوری نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہم مجبور ہیں اور دوسری خواہش ہم پوری کر سکتے ہیں کیونکہ ہم مختار ہیں۔ اِسی طرح ہم اپنی زبان اور تالو کے ذریعہ گفتگو کرتے ہیں۔ جس کو چاہتے ہیں گالیاں دیتے ہیں اور جس کی چاہتے ہیں مدح و ثنا بیان کرتے ہیں۔ اپنی زبان اور تالو پر ہمارا اختیار ہے اور مدح و ثنا یا سب و شتم کے بیان کرنے میں ہم مختار ہیں۔ لیکن اپنے مُنہ میں ہم نمک کی ڈلی رکھتے اور اُسی اپنی زبان اور اُسی اپنے تالو سے یہ چاہتے ہیں کہ اس نمک کی ڈلی سے مصری کا مزا محسوس کریں تو زبان اور تالو دونوں ہمارا کہنا نہیں مانتے اور نمک سے نمک ہی کا مزا محسوس کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اپنے جسم اور اپنے اعضا پر ایک حد تک ہمارا اختیار ہے اور ایک حد تک ہم مجبور ہیں۔ یہی حال ہمارے تمام افعال و اعمال کا ہے کہ بعض کاموں میں ہم مجبور ہیں اور بعض میں مختار۔ یہ ایسی صاف اور بدیہی بات ہے کہ کتے اور گدھے وغیرہ جانور بھی اپنی عقل حیوانی اور ملکۂ فطرت کے ذریعہ اس مسئلہ سے واقف ہیں مثلاً ایک کتا کسی بلاغنڈ یعنی بیل کے درخت کی جڑ کے پاس کھڑا ہو اور اوپر سے درخت کا پھل گرے اور اُس کے سر میں لگے تو یقیناً اُس کتے کو اذیت پہنچیگی لیکن وہ جانتا ہے کہ اِس پھل کے گرانے میں درخت کے ارادہ اور اختیار کو کوئی دخل نہیں ہے لہٰذا وہ غضب و غصہ کا اظہار نہیں کرتا اور اُس درخت کے تنہ پر انتقاماً اپنا مُنہ نہیں مارتا۔ لیکن اگر کوئی انسان اس کتے کے ڈھیلا یا پتھر مارتا ہے تو وہ کتا اُس آدمی پر غراتا اور انتقاماً اُس کی طرف لپکتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس آدمی نے ارادۃً

مجھ کو اذیت پہنچائی ہے اس سے مجھ کو انتقام لینا چاہئے۔ اُس ڈھیلے کی طرف بھی وہ کوئی التفات نہیں کرتا کیونکہ وہ اُس ڈھیلے کی نسبت جانتا ہے کہ اس میں ارادہ اور اختیار نہیں ہے (سچی شریعت اور خدائی مذہب کے تمام اوامر و نواہی اُسی دائرہ کے اندر اندر ہوتے ہیں جس میں انسان کو اختیار حاصل ہوا کرتا ہے) جبر و اختیار کے متعلق اس سے زیادہ بیان کرنے کی اس جگہ ضرورت نہیں ہے۔

الہام الٰہی

خدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری کے طریقے معلوم کرنے اور اُس کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش میں انسان اظہار بیتابی کرنے اور حالتِ اضطرار میں خدائے تعالیٰ کو بار بار پکارنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ چونکہ خدا کی ہستی کا اُس کو یقین تھا لہذا وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں اپنے آپ کو بوجہ لاعلمی قاصر دیکھ کر بے اختیار کہتا تھا کہ۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ (سورۃ اعراف رکوع ۲)	اے ہمارے پروردگار ہم نے اظہار فرمانبرداری میں قصور کر کے خود اپنے آپ پر ظلم کیا اور اگر تو ہم کو معاف نہ فرمائیگا اور ہم پر رحم نہیں کریگا تو ہم بالکل برباد ہو جائیں گے۔

انسان کا اظہار بیتابی کرنا اور رضائے الٰہی کی خواہش میں خدا کو پکارنا ہی گویا اپنے فرض کو ادا کر دینا تھا کیونکہ اُس کے اختیار میں اِس سے زیادہ اور کچھ نہ تھا کہ اپنا فرض ادا کرنے کی خواہش میں جویاں و پویاں ہو۔

ہمارا دوست اکثر ہمارے ساتھ رہتا ہے، ہمارے بہن بھائی اور ماں باپ ایک ہی گھر میں ہمارے پاس رہتے ہیں۔ ہماری بیوی ایک ہی کمرہ میں ہمارے ساتھ بسر کرتی ہے لیکن اِن سب کے حالات، ان سب کے جذبات۔ اِن سب کی خواہشات کو بار بار دیکھتے رہنے اور تجربہ کرنے کے باوجود ہم اُنکی رضامندی اور ناراضی کی باتیں معلوم کرنے میں غلطی کرتے ہیں اور ہم کو کسی معاملہ میں پورا پورا اطمینان اور صحیح علم اُسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ خود اپنی زبان سے اپنی رضامندی یا ناراضی کا حال بتا دیتے ہیں۔ ماں باپ کو اپنے روتے ہوئے بچہ سے بار بار یہ دریافت کرنا پڑتا ہے کہ تو کیا چاہتا ہے اور کیوں روتا ہے۔ اِسی طرح اولاد کو اپنے والدین کی دلی خواہش معلوم کرنے میں بسا اوقات اُن کی ناراضی کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ ایک بادشاہ کی عدالت میں کوئی مقدمہ پیش ہوتا ہے مدعی اور مدعا علیہ کے اظہار و بیانات اُسکے وزراء بھی سُنتے

ہیں مگر وہ یقینی طور پر نہیں بتا سکتے کہ بادشاہ کیا فیصلہ کریگا اور کیا حکم صادر فرمائیگا۔ کسی مجسٹریٹ یا جج کی کچہری میں اوّل سے آخر تک اُس کا پیشکار مقدمہ کی روداد سے واقف ہوتا ہے اور وکلاء کی پوری بحث سُنتا ہے لیکن وہ حکم شدہ سے آگے ایک حرف بھی نہیں لکھ سکتا۔ کیونکہ اس کو مجسٹریٹ یا جج کے منشاء کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ جبکہ اپنے ہمجنسوں کی رضامندی کے طریقے بھی بغیر ان کے بتائے ہم یقینی طور پر معلوم نہیں کر سکتے اور اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں تو یہ کیسے ممکن تھا کہ خدائے تعالیٰ (جو ہمارا اور کل کارخانۂ عالم کا خالق و مالک ہے) کی رضامندی کے طریقے ہم خود ہی معلوم و متعین کر لیں۔ خدائے تعالیٰ کی رضامندی کی راہیں معلوم کرنے کے لئے انسان نے اظہار بیتابی کرنے اور خدائے تعالیٰ کو اضطراری حالت میں بار بار پکارنے کا اپنی سعی و کوشش کا فرض ادا کر دیا تھا۔ اس کے نتیجہ میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے اُس کو جواب ملنا اور اپنی رضامندی کے طریقے بتانا ازبس ضروری تھا۔

اُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝ (سورۂ بقر رکوع ۲۳)

جب کبھی کوئی ہم کو پکارتا ہے تو ہم اُس پکارنیوالے کی دعا کو سنتے ہیں اور قبول کرتے ہیں پس چاہئے کہ ہمارا حکم مانیں اور ہم پر ایمان لائیں تاکہ وہ سیدھے راستے لگ جائیں

اَمَّنْ يُّجِيبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (سورۂ نمل رکوع ۵)

بھلا کون ہے کہ جب کوئی شخص بیقرار ہو کر اُس کو پکارے وہ اُس بیقرار کی فریاد کو پہنچے اور اُس کی مصیبت کو دور کر دے اور کون ہے جو زمین میں تم لوگوں کو حکمراں بناتا ہے کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے؟ نہیں۔ مگر تم غور و فکر کو بہت کم کام میں لاتے ہو۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (سورۂ مومن رکوع ۲)

خالص خدائے تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری مدنظر رکھ کر اُسی کو پکارو۔

اُدْعُوْنِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ (سورۂ مومن رکوع ۶)

تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کرونگا۔

خدائے تعالیٰ کا براہ راست بلا توسط حواس ظاہری انسان کو اپنی رضامندی کی راہوں سے مطلع فرمانا اور وہ علم جو انسان کو اپنے حواس اور دوسرے انسانوں کے مشاہدہ کی بنا پر حاصل نہیں ہو سکتا تھا سکھانا الہام الٰہی ہے۔

ہمارے حواس ظاہری کی درماندگی اور اُن کا محدود و ناقص ہونا پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ ہم مادی اشیاء کی حقیقتِ اصلیہ بھی اُن کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتے لہٰذا وہ صحیح علم جو علمِ تام کے سرچشمہ یعنی علیم و حکیم خدا کی طرف سے براہ راست پہنچایا جائیگا اُس کے لئے یہ ہمارے حواس ظاہری ذریعہ نہیں بن سکتے۔ اُس کے حصول اور نزول کی کیفیت کَمَا ہُوَ حَقُّہٗ ہم اپنی زبان اور الفاظ کے ذریعہ بیان نہیں کر سکتے۔ انسان جب سوتا ہے تو اُس کی آنکھ دیکھ نہیں سکتی کان سُن نہیں سکتے۔ کام و زبان کسی ذائقہ کو محسوس نہیں کر سکتے۔ ناک کسی چیز کو سونگھ نہیں سکتی اور جسم کسی سردی و گرمی یا سختی و نرمی کا احساس نہیں کرتا۔ بظاہر اُس کے حواس ظاہری معطل و بیکار ہوتے ہیں لیکن اِسی تعطل یعنی حالت نوم میں وہ خواب دیکھتا ہے، چلتا ہے، سفر کرتا ہے، گفتگو کرتا ہے، گفتگو سنتا ہے، خوشبو یا بدبو سونگھتا ہے، عجیب عجیب نظارے دیکھتا ہے، لذیذ یا بدمزہ غذائیں کھاتا ہے اور متاثر ہوتا ہے لیکن جب بیدار ہوتا ہے تو اُن سُنی ہوئی باتوں چکھی اور سونگھی ہوئی چیزوں، دیکھے ہوئے نظاروں کا کوئی وجود نہیں پاتا۔ اِس سے ثابت ہوا کہ اِن حواس ظاہری کے عمل اور استعمال کا کوئی خاص طریقہ ایسا بھی ہے جو ہماری دسترس اور ہمارے ارادے اور اختیار سے باہر ہے۔ پھر کبھی خواب میں ہم دیکھتے ہیں کہ کسی شخص نے ہمارے بازو پر لاٹھی ماری، بیدار ہونے پر نہ اُس مارنے والے کا کوئی وجود ہوتا ہے نہ لاٹھی کا لیکن اُس لاٹھی کی ضرب کا نتیجہ یعنی ہمارے بازو میں درد موجود ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خواب کی حالتِ ربودگی میں جبکہ ہمارے حواس پورا پورا کام نہیں کر سکتے ہم ایسے واردات کا مورد بن سکتے ہیں جو ہمارے جسم اور ہمارے مادہ کو متاثر کر سکیں پھر کبھی ہم خواب میں دیکھتے ہیں کہ ایک ہاتھی ہمارے اوپر حملہ آور ہے بیدار ہونے کے بعد موسمی بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں، کبھی خواب میں دیکھتے ہیں کہ خوبصورت گھوڑے پر سوار ہیں، اُس کے بعد ہمارے عہدہ اور عزت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ کبھی خواب میں دیکھتے ہیں کہ کتے ہمارے اوپر بھونک رہے ہیں اُس کے معنی عالم بیداری میں یہ ظاہر ہوتے ہیں کہ ہمارے حاسد ہمارے اوپر بیجا نکتہ چینیاں کرتے ہیں۔ غرض صدہا خوابیں اپنی مدت العمر میں انسان ایسی دیکھتا ہے جن کے ذریعہ مثال اور استعارہ کے رنگ میں آیندہ پیش آنیوالے واقعات کا علم ہو جاتا ہے۔ پھر مدت العمر میں کم از کم ایک مرتبہ ہر شخص کوئی خواب ایسا بھی دیکھ لیتا ہے کہ کسی مثال اور استعارہ کے بغیر آئندہ پیش آنے والا واقعہ اُس کو صاف صاف نظر آجاتا ہے۔ دنیا کا کوئی ملک اور کوئی قوم ایسی نہیں بتائی جا سکتی جس میں

قدیم الایام سے خواب کے ذریعہ غیب کا علم حاصل ہونے کا خیال اور عقیدہ نہ پایا جانا ہو خواب کے ذریعہ تھوڑا یا بہت غیب کا علم کبھی نہ کبھی حاصل ہوجانا دلیل اس بات کی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ہر انسان کے لئے موقع بہم پہنچا دیا ہے کہ وہ الہام الٰہی اور علم غیب کے متعلق کچھ نہ کچھ قیاس کر سکے اور فوراً ہی بلا سوچے اور غور و فکر سے کام لئے بغیر اُس شخص کی تکذیب پر آمادہ نہ ہوجائے جو یہ کہتا ہے کہ مجھ کو بذریعۂ الہام خدائے تعالیٰ کی طرف سے فلاں علم حاصل ہوا ہے۔

وہ خدا جو بلا توسط حواس ظاہری اور بے وسیلۂ امداد غیر اور بغیر خواہش و کوشش انسان کے سوا باقی حیوانات کو اُن کی ضروریات زندگی کے لئے ضروری علم عطا کر سکتا ہے بیے کو پُر صنعت گھونسلا اور شہد کی مکھی کو پُر حکمت چھتہ بنانا سکھا سکتا ہے وہ انسان کو بھی بلا توسط حواس علم عطا فرما سکتا ہے اور اپنا الہام اُس پر نازل کر سکتا ہے۔ انسان کے سوا دوسرے حیوانات بلا اکتساب اور بلا تعلیم چونکہ ایک محدود و متعین علم و قابلیت رکھتے ہیں اور اُن کی ہر ایک نوع کے تمام افراد میں ایک ہی قسم کے افعال کا صدور ممکن ہے لہٰذا وہ باختیار خود ایسی سعی و کوشش نہیں کر سکتے جس کا نتیجہ ترقی یا تنزل اور سعادت یا شقاوت ہو سکے علم و استعداد کے محدود ہونے سے اُن کے افعال، اعمال، اختیار، ارادہ اور تعقل کا محدود ہونا بھی لازمی تھا۔ لیکن انسان کو چونکہ اکتساب و تعلیم کے ذریعہ علم حاصل ہوتا ہے اور حیوانات کے مقابلہ میں اُس کو اپنے علم کی ترقی کا موقع حاصل ہے لہٰذا اُس کے افعال و اعمال بھی محدود و متعین نہیں ہیں۔ اِسی لئے اُس کے افعال و اعمال کا نتیجہ ترقی یا تنزل مرتب ہوتا ہے اور اسی لئے اُس کو اپنے خالق کی رضامندی حاصل کرنے اور اپنے مقصدِ پیدائش کے تلاش کرنے کی طرف توجہ ہو سکتی ہے اور اِسی لئے وہ موردِ الہامِ الٰہی بن سکتا ہے اور اسی لئے وہ اپنے آپ کو سعید یا شقی بنا سکتا ہے۔

ہدایت اوپر الہام کا لفظ صرف لغوی معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ الہام سے وحی، الہام، کشف وغیرہ تمام اقسام مراد ہیں۔ الہام و وحی کے متعلق مفصل بیان آئندہ ابواب کتاب میں آئیگا جہاں مذاہب کی تحقیق کیجائیگی۔ اس جگہ ایک دہریہ کو سمجھانے کے لئے حسب ضرورت ذکر کیا گیا ہے۔

روح

دہریہ روح کا بھی انکار کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ انسان کے اندر روح کوئی چیز نہیں ہے آدمی جب مرجاتا ہے تو بالکل معدوم اور فنا ہو جاتا ہے کوئی چیز باقی نہیں رہتی اسی لئے وہ یوم آخر یعنی جزا و سزا کا بھی منکر ہے ہم کہتے ہیں کہ انسان کے اندر علاوہ جسم کے ایک اور چیز بھی ہے جس کو روح، جان، رواں، میں، انا، بولتا، نفس ناطقہ وغیرہ ناموں سے تعبیر کرتے ہیں۔ روح کی حقیقت سمجھنے کے لئے موجوداتِ عالم پر غور کرو، جمادات محض اجسام ہیں جن میں نشو و نما کی قوت نہیں پائی جاتی۔ نباتات میں نشو و نما کی قوت پائی جاتی ہے۔ درخت اپنی جڑوں کے ذریعہ زمین سے اور پتوں کے ذریعہ ہوا سے غذا جذب کرتے ہیں لیکن اُن میں ارادہ نہیں پایا جاتا۔ جمادات میں ہم دیکھتے ہیں کہ لوہا مقناطیس کو اپنی طرف کھینچتا ہے لیکن لوہا اپنے اختیار و ارادہ سے یہ نہیں کرسکتا کہ مقناطیس کو کبھی اپنی طرف کھینچے اور کبھی نہ کھینچے۔ درخت موسم پر پھل پھول پیدا کرتے ہیں۔ ہوا کے جھونکوں سے اُن کی شاخیں ہلتی ہیں مگر وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے یہ نہیں کرسکتے کہ کبھی پھول اور پھل مقررہ موسم میں پیدا کریں اور کبھی خلافِ موسم یا کبھی اپنا مقررہ پھل پیدا کریں اور کبھی کسی دوسرے درخت کا پھل لے آئیں۔ یا کبھی ہوا سے اپنی شاخوں کو ہلنے دیں اور کبھی نہ ہلنے دیں یا بغیر ہوا کے اپنے ارادہ سے شاخیں ہلائیں۔ حیوانات کے جسم میں نشو و نما کا مادہ بھی موجود ہے اور وہ نباتات کے خلاف زیادہ پیچیدہ و پُرحکمت اعضا اور ساتھ ہی اختیار اور ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ حیوانات میں اُن کے اختیار اور ارادہ کو جس چیز سے تعلق ہے اُسی کا نام روح یا نفس ناطقہ وغیرہ ہے۔ اس روح کو اگر مادہ سے تعلق ہوتا یعنی روح مادہ سے پیدا ہوتی اور اُس کا وجود مستقل اور مادہ سے الگ نہ ہوتا تو تغیراتِ مادی اُس پر ضرور اثر انداز ہوتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کبھی ایک چھوٹا بچہ ہوتا ہے۔ کبھی سیاہ فام ہوتا ہے۔ کبھی گندم گوں۔ کبھی جوان ہوتا ہے۔ کبھی پیر فرتوت، کبھی بیمار ہوتا ہے کبھی تندرست۔ لیکن اُس کی ذات میں کوئی تغیر نہیں ہوتا وہ وہی رہتا ہے جو پہلے تھا۔ اگر ہم کسی شخص میں اُس کے اوصاف کا عدم فرض کرلیں پھر بھی اُس شخص کا عدم فرض نہیں کرسکتے۔ پس وہ چیز جس کی وجہ سے وہ شخص بعینہٖ وہی شخص باقی رہتا ہے وہ نہ تو جسم ہے اور نہ اجزائے جسم، یہ سب اُس کے تشخصاتِ ذاتی ہیں جو ابتداءً خیال میں آتے ہیں۔ حقیقی روح وہ چیز ہے جو بچہ کے ساتھ بھی ویسی ہی ہے جیسے جوان

کے ساتھ۔ بہر حال وہ جسم انسانی سے جدا کوئی شے ہے جس کے سبب سے ارادہ، تعقل اور تمام اعلیٰ ترین انکشافات وغیرہ ظہور میں آتے ہیں۔ ترکیب اخلاط اور تغیرات مادہ سے جو لطیف بھاپ قلب یا دماغ میں پیدا ہوتی ہے اور تدبیر غذا کے متعلق قوتیں جس سے تعلق رکھتی ہیں اور جس کے رقیق و غلیظ اور صاف و مکدر ہونے کا بدنی قوتوں پر اثر پڑتا ہے اور جس کو حکماء اور اطباء نے روح کے نام سے پکارا ہے وہ اصلی روح نہیں ہے۔ اصلی روح یا نفس ناطقہ ایک الگ چیز ہے اُس کا اُن مادوں سے ہونا جن سے ہم واقف ہیں معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح اُس کا کسی چیز کے ساتھ قائم ہونا بھی ثابت نہیں ہوا۔ لہذا ہم اُس کو ایک جوہر قایم بالذات کہہ سکتے ہیں مگر اُس کی حقیقت نہیں بتا سکتے۔

کہہ دو کہ روح میرے رب کے عالم امر سے ہے اور نہیں دیا گیا تم کو علم مگر تھوڑا۔	قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلاً ۔ (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱۰)

روح کے اس جسم سے الگ ایک چیز ہونے کے متعلق ہر شخص خود اپنے اندر سے تصدیقی آواز سنتا اور جب وہ انا یا میں کہتا ہے تو اُس سے اُس کی مُراد نہ اپنے جسم کا کوئی خاص حصّہ ہوتا ہے نہ کل جسم۔ کیونکہ وہ اپنے جسم کو بھی میرا جسم کہتا ہے جو دلیل اس بات کی ہے کہ کہنے والا جب میں کہتا ہے تو اُس میں کا مشارٌ الیہ وہی چیز ہوتی ہے جس کو روح یا نفس ناطقہ کہتے ہیں اس جگہ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس امر کا جاننا کہ کوئی چیز ہے اور بات ہے اور یہ جاننا کہ کوئی چیز کیسی ہے اور کیونکر ہے ایک دوسری بات ہے۔ پس پچھلی چیز کے نہ جاننے سے پہلی چیز کا نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ علاوہ ازیں یہ بات پہلے ثابت ہو چکی ہے کہ بعض ضروری علوم جو ہم کو ان حواس ظاہری کے ذریعہ معلوم نہیں ہو سکتے وہ روایت اور الہام کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔ ہمارے مشاہدہ کی درماندگی ہمارے لیے حجت نہیں ہو سکتی۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ تمام اقوام، تمام ممالک اور ہر ایک زمانہ میں روح کے ایک الگ وجود اور غیر مادی چیز ہونے کا اعتقاد برابر پایا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کی طرف سے براہ راست بذریعہ الہام علم پانیوالوں نے بھی متفقہ طور پر بلا اختلاف روح کا ایک الگ وجود بتایا ہے۔ نوع انسان کا ایسا عظیم الشان اجماع بجائے خود ایک زبردست عقلی دلیل بن جاتا ہے اور روح کے منکر کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے انکار پر اصرار نہ کرے اور اپنے آپ کو بے عقل و احمق ہونے سے بچائے۔ دہریہ اگر خالی الذہن ہو کر اور اپنی ضد کو چھوڑ کر منصفانہ طور پر غور کریگا تو بڑی آسانی سے اُس کی سمجھ میں آجائیگا

کہ انسان کے اِس مادی جسم میں ہر آن اور ہمہ وقت تحلیل و فنا کا سلسلہ جاری ہے (طبی تحقیقات کے موافق سات برس میں جسم کا کوئی ذرہ باقی نہیں رہتا یعنی سات برس پہلے انسان کا جو جسم تھا اب اُس کا کوئی حصہ باقی نہیں ہے سلسلۂ تحلیل و تجدید کے ذریعہ بالکل نیا جسم ہے) اگر روح کوئی چیز نہ ہوتی اور مادہ کے سوا اور کسی چیز پر انسان کا اطلاق نہ ہوتا تو ہمارے اندر بقا کی خواہش قطعاً نہ پائی جاتی اور ہم فنا کے تصور سے مطلق نہ گھبراتے جبکہ جسم انسانی کے خمیر میں فنا مضمر ہے تو اس کے اندر بقا کا تخم کیسے جڑ پکڑ سکتا تھا۔ اگر روح کی کوئی جدا حقیقت نہ ہوتی تو بقا کا خیال تک بھی آنا انسان کے لئے غیر ممکن اور محال تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص اپنے مرنے کے بعد اولاد چھوڑنے کا خواہاں۔ اپنے نام و نشان کے باقی رہنے کا آرزو مند اور اپنے ذکر خیر کے جاری رہنے کا متمنی ہے۔ مضبوط و پائدار قلعے، سنگیں عمارتیں، اپنے نام کی سرائیں اور مدرسے، اپنے نام کی کتابیں، اپنے نام پر آباد کیے ہوئے شہر و قصبے اِسی لئے بناتا اور آباد کرتا ہے کہ اُس کا نام و نشان اُس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہے۔ اگر مرنے کے بعد انسان بتمامہ فنا اور معدوم ہو جانیوالا تھا اور اُس کی روح میں باقی رہنے کا مادہ نہ تھا تو وہ ان مذکورہ کاموں کی طرف متوجہ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ روح ہی کا جو باقی رہنے والی چیز ہے تقاضا ہے کہ انسان فنا کے تصور سے متنفر اور بقا کے تصور سے مسرور ہوتا ہے۔ انسان کا اپنے ماضی کے متعلق مجبور اور اپنے مستقبل کی بابت مختار ہونا بھی دلیل اس امر کی ہے کہ ہماری ماضی کی جانب فنا اور ہمارے مستقبل کی جانب بقا ہے۔ یعنی ہم اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنی ماضی میں کوئی اصلاح و ترمیم نہیں کر سکتے نہ اپنی ماضی کو سُدھار سکتے ہیں نہ بگاڑ سکتے ہیں لیکن ہم اپنے مستقبل کو اپنے لئے اچھا یا بُرا بنانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ ہم نے گذشتہ مہینہ دیسی جوتی پہنی تھی انگریزی بوٹ نہیں پہنا تھا۔ ہم نے گذشتہ ہفتہ دہلی اور آگرہ کی سیر کی اپنے مکان پر موجود نہیں رہے۔ ہم نے کل (دیروز) تمام دن حدیث کی کتاب مطالعہ کی تفسیر القرآن کو ہاتھ نہیں لگایا۔ ہم نے آج صبح دودھ پیا چاء نہیں پی۔ یہ سب ہمارے ماضی کی باتیں ہیں اور اب ہمارے اختیار اور ارادہ کو ان پر کوئی دخل و تصرف حاصل نہیں۔ ان میں کسی تغیر و تبدل کا تصور بھی ہم نہیں کر سکتے۔ ہاں ان کے نتائج ہم پر اب اور آیندہ اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ بخلاف اِس کے ہم کو اختیار حاصل ہے کہ ہم آیندہ مہینہ دیسی جوتی استعمال کریں یا انگریزی بوٹ، آیندہ ہفتہ اپنے مکان پر رہیں یا سفر میں۔ کل (فردا) حدیث کی کتاب مطالعہ کریں یا تفسیر القران۔ شام کو

دودھ پئیں یا چار۔ پس ہمارے اختیار و ارادے کے مستقبل پر متصرف ہونے اور ہمارے کیے ہوئے کاموں یعنی ہماری ماضی کے مستقبل پر اثر انداز ہونے کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ ہماری پشت پر ایک دیوار ہے اور ہمارے سامنے ایک میدان یا یوں سمجھو کہ ہماری ماضی ایک علت اور سبب ہے اور ہمارا مستقبل معلول و نتیجہ۔ جب صورت یہ ہے تو ہم کیسے فرض کر سکتے ہیں کہ ہماری اس دنیوی زندگی کی دونوں سمتوں یعنی ماضی اور مستقبل ہیں ہمارے لئے فنا اور عدم محض ہے۔ ہمارا صاحب اختیار اور صاحب ارادہ ہونا ہی اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ ہم یعنی ہماری روح فنا ہونے کے لئے نہیں پیدا کی گئی۔ ہمارا مرنے کے وقت تک صاحب اختیار و صاحب ارادہ رہنا اور ہم سے اختیاری افعال و اعمال کا سرزد ہوتے رہنا کیا اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ مرنے کے وقت تک کی ماضی اُس مستقبل پر جو مرنے کے بعد شروع ہوگا اثر ڈالنا چاہتی ہے اور مرنے کے وقت تک کا ارادہ مرنے کے بعد شروع ہونیوالے مستقبل کو سدھارنا یا بگاڑنا چاہتا ہے۔ پس وہ روح جو آزاد ارادہ اور اختیار کی مالک ہو مرنے کے بعد ہرگز فنا نہیں ہو سکتی اور وہ مرنے کے بعد جزا و سزا کی ضرور مستحق ہے۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝
(سورۃ الزلزال)

جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اُس نیکی کو بچشم خود دیکھ لیگا اور جس نے ذرہ بھر بُرائی کی ہوگی وہ اُس بُرائی کو بچشم خود دیکھ لیگا۔ یعنی اپنے اعمال کے نتائج ہر ایک کو مل جائیں گے۔

جزا و سزا اور یوم آخر

جس طرح ذات باری تعالیٰ کا اقرار انسان کی فطرت میں داخل ہے اسی طرح معاد یعنی یوم آخر اور جزا و سزا کا یقین بھی انسانی فطرت میں شامل ہے۔ انسان کا اپنے اختیار و ارادہ سے اپنے فرض کو ادا کرنا یعنی خدائے تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنا اور اپنے اختیار و ارادے سے اپنے فرض کو ادا نہ کرنا دونوں باتیں یکساں نہیں ہو سکتیں۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ

جو شخص رات کے وقت تنہائی میں خدا کی عبادت کرتا ہے کبھی سجدہ کرتا ہے کبھی اُس کے حضور دست بستہ کھڑا ہوتا ہے آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے پروردگار کے فضل کا اُمیدوار ہے

يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (سورہ زمر رکوع ۱)

بھلا وہ نافرمان کے برابر کیسے ہو سکتا ہے اے پیغمبر ان لوگوں سے کہدو کہ کہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے بھی برابر ہوئے ہیں مگر ان باتوں سے وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو عقل رکھتے ہیں

اس سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ انسان کو اپنے اعمال کی جزا و سزا بھگتنی پڑتی ہے اور بھگتنی چاہیئے۔ جو شخص اپنی زمین میں ہل چلاتا۔ بیج بکھیرتا۔ پانی دیتا اور حفاظت کرتا ہے وہ اپنے ان اعمال کے نتیجہ میں غلہ کے انبار کا مالک بنتا ہے۔ جو شخص چوری کرتا ہے ذلت اُٹھاتا اور جیلخانہ کی مصیبت برداشت کرتا ہے۔ جو اپنی غذا میں احتیاط نہیں کرتا وہ بیماری میں مبتلا ہوتا اور جو کسی کی مصیبت میں کام آتا ہے وہ اُس سے محبت اور شکر گذاری کا برتاؤ دیکھتا ہے۔ غور طلب صرف یہ امر ہے کہ انسان کے تمام اعمال و افعال کی جزا و سزا کے لئے اِس دنیا کا میدان اور اس موجودہ زندگی کا عرصہ کافی ہے یا نہیں۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ انسان چونکہ اختیار و ارادہ کا مالک ہے اور اُس کے افعال و اعمال لامحدود اقسام اور لامحدود حیثیات اور لامحدود کیفیات کے ہو سکتے ہیں لہذا یہ دنیوی زندگی اس کے اعمال کی پوری پوری جزا و سزا کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ ایک شخص کسی کے بازو پر تلوار مارتا ہے اور اُس کا ہاتھ بیکار کر دیتا ہے۔ تلوار مارنے کا فعل چند سکنڈ سے زیادہ کا کام نہیں ہے لیکن اس کا نتیجہ بہت طویل ہے یعنی اُس مضروب شخص کا ہاتھ ساری عمر کے لئے بیکار ہو گیا۔ کوئی شخص کسی زہریلے دھوئیں سے پرہیز نہیں کرتا اور چند منٹ کی بے احتیاطی سے مدت العمر کے لئے اندھا ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص زنا کا ارتکاب کرتا ہے اور ساری عمر کے لئے مرض آتشک میں مبتلا رہتا ہے۔ کسی شخص کو کوئی گالی دیتا یا نقصان پہنچاتا ہے اور ساری عمر کے لئے اُس کو اپنا دشمن بنا لیتا ہے۔ اِسی طرح کوئی شخص چند مہینے کی محنت و کوشش سے اپنا گھر بناتا اور ساری عمر اس گھر سے آرام اور نفع اُٹھاتا ہے کوئی شخص اپنے تاریک کمرے کی دیوار یا چھت میں روشندان کھولتا ہے اور ہمیشہ اُس روشندان کے ذریعہ تازہ ہوا اور روشنی حاصل کرتا ہے۔ غرض یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس دنیا میں ہمارے بہت سے اعمال ایسے نظر آتے ہیں جن کا ارتکاب تو محدود مدت اور معمولی حیثیت میں ہوتا ہے لیکن اُن کی جزا یا سزا غیر محدود اور طویل مدت تک عظیم الشان حیثیت کی ہوتی ہے۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ہمارا ہر ایک عمل ایک الگ نتیجہ بھی پیدا کرتا ہے اور کئی کئی اعمال کا مل کر ایک اور عظیم الشان نتیجہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنے کھیت میں

مویشی چھوڑ دیتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کا کھیت ویران ہو جاتا ہے اور غلہ اُس کو حاصل نہیں ہوتا۔ پھر وہ بلا وجہ لوگوں کو گالیاں دیتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اُس کے دشمن ہو جاتے ہیں اور وہ ہمسایوں کی ہمدردی سے محروم ہو جاتا ہے۔ پھر وہ نقصان رساں غذا کھاتا ہے جس کے نتیجہ میں بیمار ہو جاتا ہے۔ اب اِن تینوں کاموں کا مل کر ایک اور نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُسکی ساکھ اور عزت برباد ہو جاتی ہے۔ کوئی اُس کی عیادت کو نہیں جاتا۔ اُس کے بچے بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ ہمسایے قرض نہیں دیتے اور اُسکی تباہ حالی کو بنظر اطمینان دیکھتے ہیں۔ یہ بجائے خود ایک الگ اور عظیم الشان نتیجہ ہے جو اُس کے کئی اعمال کے مجموعہ سے مرتب ہوا ہے اِسی طرح ایسے ایسے کئی مجموعے مل کر ایک اور بہت ہی بڑا نتیجہ پیدا کر دیتے ہیں، وقس علیٰ ہٰذا

پس یہ کیسے فرض کیا جا سکتا ہے کہ ہماری یہ زندگی جو ہمارے اعمال کا مجموعہ اور محدود پیمانہ ہے ہمارے نتائج اعمال کا بھی پیمانہ بنجائے اور جو ظرف ہمارے اعمال سے پُر ہے ہمارے نتائج اعمال بھی تمام وکمال اُسی ظرف کا مظروف بنجائیں اور معاملہ نہیں ختم ہو جائے عقل سلیم بجز اس کے اور کوئی صورت تجویز ہی نہیں کر سکتی کہ اس زندگی میں بہت ہی تھوڑے سے کاموں کی اور بہت ہی تھوڑی سی جزا و سزا مل سکتی ہے۔ پوری پوری جزا و سزا کے لئے کوئی دوسری زندگی اور دوسرا میدان ہونا چاہیئے۔ جہاں اِس روح کو جو اختیار و ارادہ کی مالک ہے اپنے نیک اور بد اعمال کے نتائج برداشت کرنے کا موقع ملے۔ پھر یہ بات بھی بالکل بدیہی ہے کہ ہمارے کئی کئی اعمال کا مجموعہ ایک الگ نتیجہ بھی مرتب کرتا ہے اِسی طرح اُن مجموعوں کے مجموعے اور بھی بڑے بڑے نتیجے پیدا کرتے ہیں پس ساری زندگی کے اعمال کا جو ایک سب سے بڑا مکمل مجموعہ ہوگا اُس کا نتیجہ لازمًا اِس زندگی کے بعد ہی مرتب ہو سکیگا اور اُس کے برداشت کرنے کے لئے یقینًا اس روح کو موجود رہنا پڑیگا۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا	اور ہم نے ہر آدمی کی برائی بھلائی کو اُس کے ساتھ لازم کر کے اُسکے گلے کا ہار بنا دیا ہے یعنی ہر ایک کی تقدیر ہر ایک کے ساتھ ہے اور قیامت کے دن ہم اُس کا نامۂ اعمال نکال کر اُس کے سامنے پیش کر دینگے اور وہ اُس کو اپنے روبرو کھلا ہوا دیکھ لیگا اور ہم اُس سے کہیں گے کہ یہ اپنا نامۂ اعمال پڑھ لے اور آج اپنا حساب لینے کے لئے

تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۞ سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۲	تو خود ہی کافی ہے۔ جو شخص سیدھے راستہ چلا تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے سیدھے رستے چلتا ہے اور جو بھٹکا تو اُس کے بھٹکنے کا خمیازہ بھی اُسی کو بھگتنا پڑیگا اور کوئی متنفس کسی دوسرے کے بارِ گناہ کو اپنے اوپر نہیں لیگا اور جب تک ہم رسول بھیج کر اتمام حجت نہ کرلیں کسی کو اُس کے گناہ کی سزا نہیں دیا کرتے۔

ہدایت جزا و سزا کی بحث میں اور بھی بعض ضروری پہلو ہیں اُن کو ابواب کتاب میں بیان کیا جائے گا۔

انبیاء و رُسُل

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے انسان کو براہ راست بذریعۂ الہام علم حاصل ہو سکتا ہے اور انسان خدائے تعالیٰ کی رضامندی یا ناراضی کے طریقے خدائے تعالیٰ سے علم پا کر معلوم کر سکتا ہے۔ اب دیکھنے اور سوچنے کے قابل بات یہ ہے کہ مذہب اور رسول کی کیا ضرورت ہے؟

(۱) خدائے تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ اپنی ہستی کا ثبوت اور اپنی رضامندی کی راہیں بتانے کا اصول تو فطرۃً انسان کو بتا دیا تاکہ وہ رسولوں کی وحی پر ایمان لاسکے اور اُن کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرنا ضروری سمجھے لیکن وہ اگر تفصیلی طور پر ہر انسان کو الگ الگ اپنی رضامندی کی راہیں بذریعۂ الہام بتایا کرتا اور ہر انسان نیک و بد اعمال کے لئے خدائے تعالیٰ سے رات دن سوال کیا کرتا اور جواب پایا کرتا تو انسان کا اختیار و ارادہ یقیناً برائے نام ہی رہتا یا فنا ہو جاتا اور انسان کے اعمال و افعال چونکہ اُس کے آزاد ارادے اور آزاد مرضی کا نتیجہ نہ ہوتے لہٰذا وہ اپنے نیک اعمال کی ایسی شاندار جزا پانے کا مستحق نہ رہتا جیسا کہ اب ہے۔ اندریں صورت مناسب یہی تھا کہ رسولوں اور نبیوں کے ذریعہ خدائے تعالیٰ کی رضامندی اور ناراضی کی مفصل باتیں انسانوں کو معلوم ہوں۔ اس مدعا کو یوں بھی بیان کر سکتے ہیں کہ جو شخص پادشاہ کی زبان سے حکم سنتا اور اُس کی تعمیل کرتا ہے اُس کی فرمانبرداری اُس شخص کی فرمانبرداری کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتی جس نے اشتہار یا منادی کے ذریعہ پادشاہ کا حکم سُن کر اُس کی تعمیل کی ہے۔ پہلے شخص کو تو نافرمانی کی جرأت ہی نہیں ہو سکتی تھی لیکن دوسرے کو حکم کی تعمیل کرنے یا نہ کرنے

کا موقع اور اختیار زیادہ حاصل تھا۔ اِس جگہ اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر رسول یا نبی کا مرتبہ فرمانبرداری احکام الٰہی میں عام لوگوں سے کم تر ہونا چاہئیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اُنہی لوگوں کو رسالت اور نبوت کے لیے انتخاب فرماتا ہے جن کو وہ اپنے علم تام کے ذریعہ جانتا ہے کہ اُن کو خدمتِ نبوت سپرد کیجائے یا نہ کی جائے۔ یہ بہر حال میری فرمانبرداری کے سوا اور کچھ نہ کرینگے یہ بات ہم کو رسولوں ہی کے ذریعہ معلوم ہوئی ہے اور ہمارا یا کسی کا حق نہیں ہے کہ اس پر جرح کریں یا اُس کو زیر بحث لائیں۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ

(سورۃ الانعام رکوع ۱۵)

اور جب اُن کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ جیسی نبوت پیغمبرانِ خدا کو دی گئی ہے جب تک اِسی طرح کی نبوت ہم کو نہ دی جائے ہم ایمان نہیں لائیں گے سو خدا جس جگہ اپنی پیغمبری کی امانت سپرد کرتا ہے وہ اُس جگہ کے محفوظ اور قابل اطمینان ہونے کو بھی خوب جانتا ہے۔

گذشتہ صفحات میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ انسان علم حاصل کرنے میں فطرتاً دوسروں کی امداد اور نمونہ کا بھی محتاج ہے۔ اب اس حقیقت کو اور زیادہ وضاحت سے یوں سمجھنا چاہئے کہ عموماً انسان علم کے بعد عمل کرنے کی ترغیب بھی نمونہ ہی کے ذریعہ پاتا ہے اور نمونہ بھی اپنے ہمجنس یعنی انسان ہی کا چاہتا ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھنا چاہئے کہ اکھاڑے میں پہلوانوں کو ورزش کرتے ہوئے دیکھ کر ہمارے دل میں آرزو اور اُمنگ پیدا ہوتی ہے کہ ہمارا جسم بھی ایسا ہی مضبوط اور خوبصورت ہو جائے جیسا اِن پہلوانوں کا ہے لیکن کسی ہاتھی کو دیکھ کر ہمارے دل میں یہ خواہش پیدا نہیں ہوتی کہ ہمارا جسم ہاتھی کی مانند ہو جائے ان پہلوانوں کو دیکھ کر ہم اُنہی کی طرح ورزش کرنا شروع کر دیتے ہیں مگر ہاتھی اور گینڈے کو جسیم اور مضبوط دیکھ کر ہاتھی اور گینڈے کی خوراک کھانی شروع نہیں کر دیتے۔ ہم خالد بن ولیدؓ، ضرار بن ازورؓ، عبدالرحمٰن

لہ بادشاہ کا زبانی حکم وہی سُنتا ہے جو مقرب بادشاہ ہوتا ہے اور بادشاہ کا مقرب وہی شخص ہوتا ہے جو عام لوگوں سے زیادہ لائق فائق ہوتا ہے جسکی مثال یہ ہے کہ فوج کا جرنیل اور سپاہی۔ سپاہی جرنیل کے حکم سے لڑائی میں مارا جاتا ہے۔ یعنی جان سی پیاری چیز وہ قربان کر دیتا ہے تو اس درجہ میں سپاہی فرمانبرداری میں بڑھ جاتا ہے۔ مگر جرنیل کی برابری نہیں کر سکتا۔ جرنیل ہر قسم کی عزت اور رتبہ میں بڑا ہوتا ہے۔ ایک درجہ کے بڑھنے سے جرنیل کی برابری نہیں ہو سکتی (از مولانا نادر شاہ خاں صاحب پدر بزرگوار مصنف)

بن ابی بکر۔ رستم۔ ہنی بال ۔ اسکندر۔ نپولین وغیرہ کی بہادریوں کے حالات سُن سن کر خواہشمند ہوتے اور کوشش کرتے ہیں کہ ہم بھی ویسے ہی بہادر ثابت ہوسکیں لیکن شیر کی بہادری کا حال سُن کر ہمارے دل میں کبھی خواہش پیدا نہیں ہوتی کہ ہم شیر بنجائیں اور ہمارے ایک لمبی دم بھی لگ جائے۔ اسی طرح نوجوان لڑکوں کو کھیلوں کے مقابلہ میں ایک میل تک دوڑتے ہوئے دیکھ کر بہت سے نوجوان دوڑنے کی مشق شروع کر دیتے اور اپنے آپ کو سب سے تیز دوڑنے والا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن موٹر کو تیز چلتے ہوئے اور گھوڑے کو تیز دوڑتے ہوئے دیکھ کر کسی کے دل میں خیال پیدا نہیں ہوتا کہ میں موٹر یا گھوڑا بن جاؤں۔ پس اس بات کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ انسان کو ترقی کرنے کی ترغیب کسی انسان ہی کے نمونہ سے خوب ہوسکتی ہے لہذا ضروری تھا کہ اپنی رضامندی کے طریقے بتانے کے لئے خدائے تعالیٰ کسی انسان ہی کو انسانوں کے لئے رسول اور نمونہ بنائے اور وہ رسول خود احکامِ خداوندی پر عمل کر کے لوگوں کو دکھائے اور شریعت الٰہی کی طرف بُلائے تاکہ یہ بات بھی لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جو باتیں خدائے تعالیٰ کی طرف سے علم پاکر رسول بتاتا ہے اُن پر انسان اگر چاہے تو عملدرآمد کرسکتا ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ اُس پر عمل کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہو۔ ایسے رسول کو جو انسان ہو عامل دیکھ کر ہی دوسرے انسانوں کو عمل کی ترغیب ہوسکتی ہے۔ کسی فرشتے رسول یا خدازادہ رسول کو دیکھ کر نہیں۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۱۰)

اے پیغمبر لوگوں سے کہدو کہ میرا رب بے عیب ہے نہیں ہوں میں مگر بشر۔ یعنی میرا بشر رسول ہونا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ میں خدا کی طرف سے بھیجا ہوا اور سچا رسول ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۂ انبیاء رکوع ۱)

اے پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھی آدمی ہی پیغمبر بنا کر بھیجے کہ ہم کو جو کچھ فرمانا منظور ہوتا تھا اُن کی طرف وحی کر دیا کرتے تھے تو لوگو اگر تم کو یہ بات معلوم نہیں تو اہل کتاب سے پوچھ دیکھو۔

(۳۳) ظاہر ہے کہ دنیا میں انسان کے لئے خدائے تعالیٰ نے زمین، آسمان، چاند، سورج، ہوا، پانی وغیرہ جو اس دنیوی زندگی کے لئے نہایت ضروری سامان تھے سب پیدا کر دیے اور ان مادی سامانوں کو ایک ضابطہ اور نظام میں منسلک فرما دیا۔ پھر انسانوں کی فطرت میں ایک ایسا

مادہ رکھدیا کہ وہ اپنی زندگی آرام اور آسایش کے ساتھ بسر کرنے اور حفاظت سے رہنے کیلئے اپنی طاقت کا ایک مرکز قائم کرکے رہیں یعنی ایک حکومت یا پادشاہت کے قوانین کی ماتحتی میں زندگی بسر کریں۔ اسی لئے انسان کو مدنی الطبع کہا جاتا ہے۔ پس یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ خدا جس نے انسان کی جسمانی اور اس دنیوی زندگی کی ضرورتوں کے لئے ایسا معقول انتظام کیا ہے انسان کی روحانی اور اُخروی زندگی کی ضرورتوں کے لئے کوئی ایسا ہی باقاعدہ اہتمام نہ کرتا۔ چنانچہ اُس نے ہر ملک اور قوم اور ہر زمانہ میں انسانی روح کی تربیت اور مرنے کے بعد دوسری زندگی میں آرام پانے کے طریقے بتانے کے لئے اپنے رسول۔ نبی۔ نذیر اور ہادی بھیجے۔ وہ خدائی احکام (جنکو شریعت کہتے ہیں) لیکر آئے اُن کے ذریعہ انسانوں کو خدائتعالیٰ کی رضامندی کی راہیں معلوم ہوئیں اور اُنھوں نے اُن پختہ اور سچی باتوں کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنایا اور اُن رسولوں۔ نبیوں اور ہادیوں کی لائی ہوئی تعلیم ہی ہر شخص کے لئے واجب العمل اور قابل اطاعت ٹھہری۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (سورہ فاطر رکوع ۲) اور کوئی امت ایسی نہیں گذری کہ اُس میں کوئی نذیر نہ گذرا ہو۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (سورہ رعد رکوع ۱) اور ہر ایک قوم کا ایک ایک ہدایت کرنیوالا ہو گذرا ہے۔

ہدایت یہ مسئلہ بھی ابواب کتاب میں آنے اور آیندہ مفصل بیان ہونے والا ہے اس جگہ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔

ملائکہ

خدائتعالیٰ تمام موجودات ومخلوقات کا خالق ومالک ہے اُسی کی حکمت وقدرت سے یہ نظام عالم برپا ہے۔ نظام عالم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام نظام وسائط واسباب وعلل کے ذریعہ خدائتعالیٰ نے قائم کیا ہے اور اُس نے خود ان پردوں میں پوشیدہ ہوکر چاہا ہے کہ انسان اُس کو جانے پہچانے اور اُس کی معرفت حاصل کرنے کی سعی بجالاکر مستحق انعام ٹھہرے۔ انسان کو حرارت اور روشنی کا محتاج بناکر سورج کو حرارت اور روشنی کا سرچشمہ بنایا۔ انسان کو پانی اور بارش کی ضرورت تھی خدائتعالےٰ نے بادلوں کو بارش کا ذریعہ بنایا۔ انسان کو غذا کا محتاج بناکر نباتات وحیوانات کو انسانی

غذا بہم پہونچانے والا ٹھہرایا۔ خدائے تعالیٰ اگر چاہتا تو بغیر پانی اور بارش کے کھیتی پیدا کر سکتا تھا۔ بغیر سورج کے انسان کو حرارت و روشنی پہونچا سکتا اور بغیر بادل کے مینہ برسا سکتا تھا لیکن اُس نے نہ چاہا کہ بلا وسائط اور بلا ذرائع اپنی قدرت کا اظہار اور اپنی منشاء کو پورا کرے۔ پس جس طرح اُس نے یہ مادی نظام اسباب و علل اور وسائط کے ذریعہ قائم کیا ہے اسی طرح روحانی نظام بھی اُس نے وسائط و اسباب کے ذریعہ قائم کیا۔ انھیں روحانی وسائط کا نام ملائکہ ہے جس طرح جبرئیل اور میکائیل روحانی وسائط اور فرشتے ہیں اسی طرح سورج اور چاند اُس کے مادی فرشتے ہیں۔ یا یوں سمجھو کہ مادی اشیا جو خدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگی ہوئی ہیں اور منشائے الٰہی کے خلاف کوئی حرکت نہیں کرتیں اس کا سبب یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ان پر اپنی روحانی مخلوق مسلط کر رکھی ہے۔ اجرام سماوی کا طلوع و غروب ہواؤں اور بادلوں کا حرکت و سکون۔ درختوں کا مقررہ موسموں میں مقررہ اقسام کے پھل اور پھول پیدا کرنا وغیرہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان مادی اشیاء کا جو عقل و ارادہ سے عاری ہیں ایک نظام اور قاعدے کے ماتحت کام کرنا بغیر کسی مدبر کے جو ان پر مسلط ہو ممکن نہیں۔ انہیں مدبرات کا نام ملائکہ ہے اور وہ روحانی نظام کے مرتب رکھنے کے لئے خدائے تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں۔

فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا (سورۃ النازعات) ا قسم ہے فرشتوں کی جو دنیا کے کاموں کا انتظام کرتے ہیں

باب اوّل

صفات باری تعالیٰ

بجز اس کے کہ صفات باریتعالیٰ کے ذریعہ ہستی باریتعالیٰ کا اقرار کریں ذات باریتعالیٰ کی حقیقت وماہیت کے متعلق ہماری کیا حقیقت اور کیا مجال ہے کہ دم مار سکیں۔ ہمنے خدائتعالیٰ کو اس کی صفات سے جانا پہچانا اور اپنا معبود مانا ہے۔ لہذا سب سے پہلے ہمکو صفات باریتعالیٰ پر ہی غور کرنا چاہئے جسقدر نقائص۔ جتنی مجبوریاں۔ جتنی کمزوریاں اور جسقدر عیوب فرض اور تجویز کئے جاسکتے ہیں خدائتعالیٰ یقیناً اُن سے مُبرّا اور پاک ہے۔ جسقدر خوبیاں۔ کمالات اور فضائل فرض و تجویز کئے جا سکتے ہیں خدائتعالیٰ یقیناً اُن کا مالک وموصوف ہے۔ عیب اور کمی جس ذات کو لاحق ہو سکتی ہے وہ کم از کم انسانوں کا معبود اور کل کارخانۂ عالم کا مالک ومتصرف ہرگز نہیں ہوسکتا۔ محدود حواس۔ محدود علم اور مجبور ہستی کے ہوتے ہوئے انسان جس کمی اور جس عیب کو فرض کرسکتا ہے وہ نقص اور وہ عیب خدائتعالیٰ میں تجویز نہیں کیا جاسکتا جبکہ ہمارے حواس۔ ہمارے اعضاد جوارح ہمارا علم۔ ہماری عقل۔ ہمارا تصور سب کچھ خدائے تعالیٰ ہی کا عطا کیا ہوا ہے۔ تو یہ کیسے ممکن تھا کہ یہی عطیات الٰہی کے انکشاف و اظہار کا ذریعہ بن سکیں۔ انسان کا مخلوق۔ مملوک اور عبد ہونا ہی ایک زبردست دلیل اس بات کی ہے کہ انسان اپنے خالق۔ اپنے مالک اور اپنے معبود کے اندر کوئی عیب کوئی نقص اور کوئی مجبوری فرض نہیں کرسکیگا اور جو ہستی کسی عیب۔ کسی سقم۔ کسی نقص۔ کسی مجبوری۔ کسی کمزوری سے متصف ہوسکتی ہو اُس کو ہرگز خدا نہیں کہا جاسکتا۔

پس صفات باری تعالیٰ پر غور کرنے سے پیشتر اس اصول کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینا ازبس ضروری ہے کہ خدائتعالیٰ میں کوئی عیب اور کوئی نقص ہرگز فرض نہیں کیا جاسکتا وہ بے عیب اور تمام صفات حسنۂ کاملہ سے موصوف ہستی ہے۔ جو شخص یا جو مذہب صفات باریتعالیٰ کے متعلق عیب و نقص بھی تجویز کرتا ہے وہ یقیناً گمراہ اور جادۂ مستقیم سے دور کرنا چاہتا ہے۔

سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ۝ (سورہ صافات رکوع ۵)	جیسی جیسی باتیں یہ لوگ خدا کے بارہ میں بناتے ہیں اُن سے تیرا پروردگار پاک ہے کہ وہ عزت والا ہے۔
هُوَ اللّٰهُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى (سورہ حشر رکوع ۳)	وہی اللہ ہر چیز کا خالق ہر چیز کا موجد ہے مخلوقات کی طرح طرح کی صورتیں بنانیوالا ہے اُس کی اچھی اچھی صفتیں ہیں اور اسی لئے اُسکے اچھے ہی اچھے نام ہیں۔
اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى۔ (سورہ طٰہٰ رکوع ۱)	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں سب اچھے نام اُسی کے ہیں۔
اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۝ (سورہ کہف رکوع ۱۲)	واحد ازلی وابدی ہے اُس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

جس طرح ہم ذات باری تعالیٰ کو مانتے مگر اُس کی ماہیت نہیں جانتے ہیں اسی طرح ہم خدا تعالیٰ کی صفات حسنہ کاملہ کا اقرار کرتے ہیں مگر اُن صفات کی ماہیت سے واقف نہیں ہوسکتے جس ذات کی ماہیت ہمارے علم وفہم وتصور سے وراء الورا ہے اُسکے صفات کی ماہیت بھلا کیسے ہمارے علم میں آسکتی اور فہم میں سما سکتی ہے۔ مثلاً ہم خدا تعالیٰ کو حی یعنی زندہ کہتے ہیں مگر اُس کی حقیقت وماہیت سے بالکل بے خبر ہیں کیونکہ ہماری زبان میں زندہ اُسکو کہتے ہیں جو پیدا ہوتا۔ بڑہتا۔ ہنستا بولتا۔ چلتا پھرتا اور سانس لیتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ ایسی زندگی سے پاک وبرتر ہے۔ یا مثلاً ہم خدا کو سمیع یعنی سننے والا کہتے ہیں مگر اُس کی صفت سمع کی حقیقت سے ہمکو کوئی آگاہی نہیں۔ ہم سماعت اُس کیفیت کو کہتے ہیں جو کان کے پردے میں ہوا کے ٹکرانے اور آواز کے منتقل ہونے سے پیدا ہوتی ہے حالانکہ خدا تعالیٰ اس سے پاک وبرتر ہے یا مثلاً ہم خدا تعالیٰ کو علیم کہتے ہیں مگر اُس کی صفت علم کی حقیقت سے قطعاً ناآشنا ہیں کیونکہ ہم اُس کیفیت کا نام علم رکھتے ہیں جس سے ہمکو اپنی خارجی اور ذہنی چیزوں کا انکشاف ہوا کرتا ہے جب تک پہلے سے کوئی چیز موجود نہ ہو ہمکو اُس کا علم نہیں ہوسکتا لیکن خدا تعالیٰ اس سے پاک اور برتر ہے۔ اسی طرح ہم خدا تعالیٰ کو کلیم کہتے ہیں مگر اُسکی صفت کلام کی حقیقت کچھ نہیں جانتے کیونکہ ہم جسکو کلام کہتے ہیں وہ تو ایک پارہ گوشت یعنی زبان کی حرکت سے تعلق رکھتا ہے۔ حالانکہ خدا تعالےٰ اس سے پاک وبرتر ہے۔ یا مثلاً ہم خدا کو قادر کہتے ہیں لیکن ہمنے دنیا میں کسی کے اندر بھی ایسی قدرت نہیں دیکھی کہ ہر حیثیت اور ہر حالت میں کبھی اُسکو ناکامی کا سامنا ہی نہ ہوسکے۔

صفات باری تعالیٰ کا تصور کرتے ہوئے ہم اُس کی کسی صفت میں کوئی ایسا پہلو بھی تجویز نہیں کر سکتے جو اُس کی کسی دوسری صفت حسنہ کے منافی یا کسی عیب و نقص سے ملتبس ہو سکے۔ مثلاً ہم خدائیتعالیٰ میں عرض و طول اور جگہ کے گھیرنے کو فرض نہیں کر سکتے کیونکہ یہ صفات جسم اور مادہ سے تعلق رکھتے ہیں اور مادہ خدائیتعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ خدائیتعالیٰ کی ہستی تو ہمپر ہر طرح ثابت ہے لیکن اُس کے وجود کی ماہیت کا ہمکو کوئی علم نہیں پس جس چیز کی ماہیت سے ہم بے خبر ہیں اُس میں کسی ایسی صفت کو فرض نہیں کیا جا سکتا جسمیں اُس صفت کا فرض کرنا اُس چیز کی ماہیت جاننے پر موقوف و منحصر ہو یا مثلاً ہم خدائیتعالیٰ کو جاہل۔ بہرا۔ گونگا۔ فرض نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ صفات حسنہ نہیں ہیں اور اُسکی صفاتِ حسنہ علم۔ سمع۔ کلام کے منافی ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ ہم خدائیتعالیٰ کے صفات حسنہ کاملہ کے آثار موجوداتِ عالم میں دیکھکر اُن صفات کو اُنھیں لفظوں اور اُنھیں ناموں سے تعبیر کرتے ہیں جن کو ہم اپنی زبان میں بولتے اور سمجھتے ہیں لیکن اُن لفظوں اور ناموں کا مفہوم وہ ناقص مفہوم نہیں ہوتا جو مخلوقات کے لئے استعمال کرتے ہوئے مراد لیا جاتا ہے۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ (سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۵)	جیسی جیسی نالائق باتیں لوگ خدا کی نسبت کہتے ہیں وہ اُن سے پاک اور برتر ہے۔

اب ہمکو صفات باری تعالیٰ کے متعلق تحقیق کرنا ہے کہ مذاہب کیا تعلیم دیتے ہیں اور کس مذہب کی تعلیم صحیح اور قابل قبول ہے۔

توحید ہستی باری تعالیٰ کے اقرار میں ہی توحید باری تعالیٰ کا اقرار بھی موجود ہے۔ ہر ایک قوم اور ہر ایک مذہب میں خدائے تعالیٰ کی ہستی کے اقرار کا درحقیقت یہی مفہوم ہے کہ "خدا ہے اور وہ ایک ہے" لیکن عیسائیوں۔ آریوں۔ اور مجوسیوں نے اُس کی صفات میں ایسے ایسے نقص اور سقم تسلیم کر لئے ہیں جو خدائیتعالیٰ کی وحدت فی الصفات اور وحدت فی العبادت میں مخل ہو کر وحدت فی الذات کے بھی منافی ہیں۔ اسی لئے سب سے پہلے توحید باری تعالیٰ کے متعلق بحث و نظر کی ضرورت پیش آئی۔

(۱) **عیسائیوں** کا عقیدہ ہے کہ۔

"باپ (خدا) بیٹا (مسیح علیہ السّلام) روح القدس تینوں کے تینوں غیر محدود غیر مخلوق۔ ازلی۔ ابدی اور قادر مطلق ہیں (دیکھو دعائے عمیم)

مسیح بندہ بھی ہے اور مالک بھی ہے۔ آدمی بھی ہے اور خدا بھی ہے۔ (دیکھو مفتاح الاسرار) جو جنگل میں جلتے ہوئے درخت میں موسیٰ پر ظاہر ہوا مسیح تھا۔ (مفتاح الاسرار) مسیحی یسوع مسیح کو محض خدا نہیں کہتے خدائے مجسم کہتے ہیں یعنی خدا جسم میں ظاہر ہوا (تحقیق الادیان)"

مذکورہ بالا الفاظ مقدس اتھانا سیس۔ پادری فنڈر اور پادری عمادالدین کے ہیں نیز جہانتک دوسرے عیسائی پادریوں کی زبانی سنا گیا ہے وہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو خدا کا بیٹا مان کر اُن میں خدائی صفات کے علی الاعلان قائل نظر آتے ہیں انجیل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اپنے آپکو خدا یا خدا کا بیٹا ان معنوں میں جیسا کہ عیسائی عقیدہ رکھتے ہیں نہیں بیان کیا اور نہ وہ خدائی صفات کے مدعی ہوئے۔ انجیل یوحنا باب آیت ۳۴ و ۳۵ و ۳۶ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ مسیح نے یہودیوں کے سامنے اپنے آپکو ابن اللہ کہا تو وہ اس ناشدنی لفظ کو سنکر سخت ناراض ہوئے اور چاہا کہ مسیح کو سنگسار کریں۔ مسیح نے کہا کہ تم مجھے کس خطا پر سزا دیتے ہو اُنھوں نے کہا کہ تو انسان ہو کر اپنے آپ کو خدا کہتا ہے۔ مسیح نے جواب دیا کہ کیا تمھاری شریعت میں نہیں لکھا کہ "میں نے کہا کہ تم خدا ہو جبکہ اُس نے اُنھیں جنکے پاس کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو" توریت کی اس عبارت کو سنا کر مسیح نے یہودیوں کو سمجھایا کہ جب تمام وہ لوگ جنکے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہلاتے ہیں تو میں نے اگر اپنے آپکو ابن اللہ کہدیا تو تم کیوں خفا ہوئے۔ ظاہر ہے کہ مسیح کا ابن اللہ کہنا انہیں معنوں میں تھا جیسے کہ آل فرعون سے مراد فرعون سے تعلق رکھنے والے یا فرزندان ہند سے مراد باشندگان ہندوستان (ہندوستان سے تعلق رکھنے والے) اور آل محمدؐ سے اتباعِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (آنحضرت صلعم سے تعلق رکھنے والے) مراد ہوتے ہیں۔ پس مسیح کا اپنے آپ کو ابن اللہ کہنا توریت کے محاورہ کی موافق اپنے آپکو خدا تعالیٰ کا نبی یا خدا والا کہنا مقصود تھا نہ اور کچھ زبور باب ۸۲ آیت ۶ میں ہے کہ "میں نے تو کہا کہ تم اللہ ہو اور تم سب اللہ کے فرزند ہو" کتاب خروج باب آیت ۲۲ میں اسرائیل کو خدا کا بیٹا اور کتاب زبور باب ۸۹ آیت ۲۶ و ۲۷ میں داؤدؑ کو خدا کا بڑا بیٹا اور کتاب تاریخ پہلی باب ۲۲ آیت ۹ و ۱۰ میں سلیمانؑ کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔ پھر یہی نہیں کہ حضرت مسیح کو انجیل میں صرف ابن اللہ ہی کہا گیا ہے بلکہ اُن کو

انسان اور انسان کا بیٹا صاف لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔ انجیل متی میں بہت سے مقامات پر اُن کو "ابن آدم"۔ "انسان کا بیٹا" اور "مسیح ابن آدم انسان ہے" کہا گیا ہے۔

باوجود ان تمام باتوں کے عیسائیوں کا مسیح ابن مریم کو خدا۔ خدا کا بیٹا۔ ازلی۔ ابدی اور غیر مخلوق یقین کرنا سخت حیرت انگیز ہے۔ لیکن ہمکو بہر حال اُسی عبسویت سے بحث کرنی ہے۔ جو آجکل عام طور پر دنیا بھر کے عیسائیوں کا مذہب اور بہت کچھ سینٹ پولوس کی ترمیم کردہ ہے۔ لہذا اس وقت ہمیں الوہیت مسیح پر ہی بحث کرنی ہے الوہیت روح القدس پر بحث کرنے کی اسلئے ضرورت نہیں کہ عیسائیوں کی طرف سے اسکے متعلق نہ دلائل بیان کئے گئے ہیں نہ وہ زیر بحث آئی ہے۔ پس بلا دلیل دعویٰ کی طرف التفات ضروری نہیں الوہیت مسیح کے باطل ثابت ہونے پر الوہیت روح القدس خود بخود ہی غائب ہو جاتی ہے۔ مسیح کی خدائی کا عقیدہ مندرجہ ذیل دلائل کی رو سے ہم ناقابل قبول اور مستحق رد و انکار سمجھنے پر مجبور ہیں۔

۱۔ تمام تاریخوں اور ناقابل تردید روایتوں سے ثابت ہے کہ مسیح علیہ السلام ایک عورت حضرت مریم علیہا السلام کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ اُن کا جسم انسانوں ہی کا سا جسم تھا۔ انسانوں کی طرح اعضا رکھتے تھے۔ انسانوں ہی کی طرح کھانے پینے کے محتاج تھے۔ انسانوں ہی کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض وہ ایک انسان تھے۔ پس ایک ایسے وجود کو جو انسان تھا اور انسانوں کی طرح دنیا میں موجود ہو کر انسانوں کی طرح اب دنیا میں غیر موجود ہے ہم کیسے خدا مان لیں خدا تو اُس ذات پاک کا نام ہے جو تمام صفات حسنۂ کاملہ سے متصف اور تمام نقائص و عیوب سے پاک ہو۔ مگر انجیل متی باب ۱۷ آیت ۲۳ میں ہے کہ مسیح پر موت وارد ہوئی اور وہ تین دن تک مردہ پڑا رہا حالانکہ خدا ہونے کی وجہ سے اُس پر موت وارد نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ کتاب مرقس باب ۱۵ آیت ۳۴ میں مسیح اپنی انتہائی مجبوری کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ خدا ہونے کی حالت میں اُن کو یہ مجبوری لاحق نہ ہوتی۔ پھر اسی باب کی آیت ۳۷ میں مسیح کی نسبت لکھا ہے کہ

"پھر یسوع بڑی آواز سے چلایا اور دم دیدیا"۔

بھلا خدا کی شان کے شایاں کہاں ہے کہ وہ سولی پر چلا کر دم دیدے۔ کتاب لوقا باب ۲ آیت ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ میں ہے کہ

"پھر ایک دن ایسا ہوا کہ وہ (مسیحؑ) اور اُس کے شاگرد کشتی پر چڑھے اور اُس نے اُن سے کہا کہ آؤ جھیل کے پار چلیں پس وہ روانہ ہوئے مگر جب کشتی چلی جاتی تھی تو وہ سو گیا اور جھیل پر بڑی آندھی آئی اور کشتی پانی سے بھری جاتی تھی اور وہ خطرے میں تھے انھوں نے پاس آکر اُسے جگایا اور کہا کہ صاحب۔ صاحب ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں"

مسیح اگر خدا تھا تو وہ اسقدر بے خبر نہیں ہو سکتا تھا اور نہ اُس پر نیند وارد ہو سکتی تھی۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (سورہ بقرہ۔ رکوع ۳۴)	اللہ وہ ذات پاک ہے کہ اسکے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہر اُس پر موت وارد نہیں ہو سکتی وہ تمام کارخانہ عالم کا سنبھالنے اور قائم رکھنے والا ہے نہ اُسکو اونگھ آتی ہے نہ نیند

مسیح علیہ السلام کو جبکہ تمام عوارض لاحق تھے اور کوئی خدائی صفت اُن میں پائی نہیں گئی تو کس طرح اُن کو ازلی۔ ابدی۔ غیر مخلوق اور خدا تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

ب۔ مسیحی لوگ اپنے مندرجہ بالا عقائد کی تائید میں یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ۔

"انسانوں کی ہدایت اور انسانوں کو گناہوں سے نجات دینے کے لئے خدا نے اپنے بیٹے کو جو وہ بھی خدا ہی تھا دنیا میں بھیجدیا تھا یعنی خدا کا خود لوگوں کی ہدایت اور نجات کے لئے دنیا میں آنا ضروری تھا"

یہ خیال غالباً ہندوؤں کے اس عقیدہ سے ناشی ہوا ہے کہ

"پرمیشور بار بار خود اوتار دھارن کرتا اور دنیا میں آیا کرتا ہے"

لیکن ہمکو معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہبری کے لئے ہمیشہ انسانوں ہی کو نبی اور رسول بنا کر دنیا میں بھیجا اور ہر ملک۔ ہر زمانہ اور ہر قوم میں انسان ہی ہادی اور پیغمبر بنکر مبعوث ہوتے رہے۔ اسی سلسلۂ انبیاء میں حضرت مسیحؑ بھی ایک ہادی تھے جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ بلا دلیل کیسے مان لیا جائے کہ اُس زمانہ کے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے خود خدا تعالیٰ یا اُس کے بیٹے کا جو وہ بھی خدا تعالیٰ ہی تھا آنا ضروری تھا۔

مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط	مریمؑ کے بیٹے مسیحؑ تو صرف ایک رسول ہیں اور بس ان سے پہلے بھی بہتیرے رسول ہو گذرے ہیں اور

وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ (سورہ مائدہ رکوع ۱۰)	انکی والدہ مریم بھی خدا کی ایک سچی بندی تھیں دوسرے آدمیوں کی طرح یہ دونوں ماں بیٹے کھانا کھاتے تھے۔

ج۔ موجودات عالم میں ہمکو دو قسم کی چیزیں نظر آتی ہیں ایک وہ جو اپنی ایک مقررہ طبعی اور محدود عمر رکھتی ہیں اور اُس مقررہ متعینہ مدت سے زیادہ باقی نہیں رہ سکتیں مثلاً حیوانات و نباتات کہ ہر ایک جانور اور ہر ایک درخت مقررہ متعینہ مدت پوری کر کے فنا ہو جاتا ہے اور ہمکو معلوم ہے کہ درخت گندم چند ماہ کی عمر طبعی رکھتا ہے۔ درخت سیب چند سال کی۔ اسی طرح آدمی کی عمر طبعی سو برس ہے اور مکھی کی چند ماہ۔ کتے کی عمر طبعی دس بارہ برس ہے اور گھوڑے کی تیس چالیس سال۔ دوسری قسم کی چیزیں وہ ہیں جنکی عمر انسانی مشاہدہ اور انسانی روایت کے اعتبار سے محدود و متعین نہیں مثلاً جمادات پہاڑ۔ چاند سورج۔ آسمان ہوا پانی وغیرہ پہلی قسم کی چیزوں میں ہم زمانہ کے گذرنے کا اثر اور تغیر معائنہ کرتے ہیں یعنی کبھی اُن کی ابتدا اور پیدائش ہوتی ہے پھر کچھ مدت تک ترقی اور نشو و نما کا ظہور ہوتا ہے پھر اُسکے بعد انحطاط و تنزل شروع ہوتا ہے اُسکے بعد موت اور فنا وارد ہو جاتی ہے یہ تمام مدارج حیوانات و نباتات کی عمروں میں برابر دیکھے جاتے ہیں۔ بخلاف اسکے دوسری قسم کی چیزوں پر زمانہ کے گذرنے کا کوئی اثر ہمکو محسوس و مشہود نہیں ہوتا۔ دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ پہلی قسم کی چیزیں ہمہ وقت فنا اور موت کی طرف بڑھتی ہوئی اور دوسری قسم کی چیزیں ہمکو بظاہر اپنی حالت پر قائم نظر آتی ہیں۔ جن چیزوں کو ہم فنا کی طرف حرکت کرتے ہوئے دیکھتے اور اُن کی عمروں کے محدود و متعین پیمانوں سے واقف ہیں اُن سب میں اُنکی بقائے نوع کے لئے یہ انتظام پایا جاتا ہے کہ اُن کا جانشین یا وَلَد (بیٹا) پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح ایک حیوان کے بچہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح ایک درخت سے بذریعہ تخم یا شاخ دوسرا درخت پیدا ہوتا ہے اور اسی انتظام کی بدولت حیوانات و نباتات کی نسلیں اور نوعیں دنیا میں موجود پائی جاتی ہیں۔ سورج ابتدائے آفرینش سے وہی ایک سورج چلا آتا ہے اور قیامت تک چلا جائیگا لہذا ضرورت نہ تھی کہ اُسکے کوئی اولاد پیدا ہو۔ پہاڑ ابتدائے آفرینش سے یکساں حالت پر چلے آتے ہیں اور اس موجودہ نظام عالم کی انتہا تک باقی رہ سکتے ہیں۔ لہذا اُن کے لئے بھی ضرورت نہ تھی کہ کوئی اولاد پیدا ہو (یہ ابلغ و محکم انتظام بجائے خود ہستیٔ باری تعالیٰ کے لئے بھی ایک زبردست دلیل ہے) غرض دوسری قسم کی چیزوں کو چونکہ بقائے نوع کے لئے اولاد کی ضرورت نہیں ہے اس لئے اُن کے اولاد نہیں ہوتی۔ مختصراً یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمنے

جن چیزوں کو اپنے علم و مشاہدہ میں فنا ہونے والی پایا ہے اُن کی اپنے علم و مشاہدہ میں اولاد بھی ضرور پائی ہے۔ جن کی موت اور فنا ہمارے مشاہدہ میں نہیں آئی اُن کی اولاد بھی ہمارے مشاہدہ میں نہیں آئی۔ پس ثابت ہوا کہ اولاد کے پیدا ہونے کو فنا اور موت کے ساتھ خاص تعلق ہے یعنی اولاد اُنھیں اشیاء اور اُنھیں انواع میں نظر آتی ہے جو محدود و متعین عمر رکھتی اور مرگ و فنا کی طرف ہمہ وقت متوجہ رہتی ہیں۔ اب بڑی آسانی سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ خدا کا بیٹا تسلیم کرنا گویا خدا کو فنا ہو جانے والا اور مرورِ زمانہ سے مجبورانہ متغیر و متاثر ہونے والا ماننا ہے اور اس سے بڑھکر کوئی گستاخی خدا کی شان میں نہیں ہو سکتی۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۝ (سورہ مریم رکوع ۶)

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن بیٹا رکھتا ہے ان سے کہو کہ یہ تم ایسی بڑی سخت بات اپنی طرف سے گھڑ کر لائے ہو جس کی وجہ سے عجب نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں کہ لوگوں نے خدائے رحمٰن کے لئے بیٹا قرار دیا حالانکہ خدائے رحمٰن کو شایان ہی نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا ذکر چونکہ آیندہ بھی آنیوالا ہے لہذا اس جگہ اسی قدر بیان کافی ہے کہ وہ خدا کے بیٹے یا خدا ہرگز نہیں ہو سکتے اور عیسائیوں کے عقائد توحید باری تعالیٰ کے متعلق قابل قبول کسی طرح نظر نہیں آتے۔

(۲) **مجوسیوں** کا عقیدہ ہے کہ

"دنیا میں دو مختلف طاقتیں کام کر رہی ہیں ایک یزدان دوسری اہرمن یہ دونوں خدا ہیں اور ازلی ابدی ہیں۔ یزدان خالق خیر ہے اور اہرمن خالقِ شر۔ یزدان پیدا کرتا ہے اہرمن مارتا اور فنا کرتا ہے۔ یزدان بناتا اور اہرمن بگاڑتا ہے وغیرہ"

اس عقیدہ کو اگرچہ زرتشت سے منسوب کیا جاتا اور اسی لئے مجوسیوں کا رکنِ مذہب ہے لیکن مورخین کی تحقیق کے موافق دو خداؤں کا عقیدہ زرتشت کے بعد ایجاد ہوا ہے بہرحال ہمکو تاریخی بحث اور اس عقیدہ کی ایجاد کے زمانہ کی تحقیق میں پڑنے کی مطلق ضرورت نہیں

مجوسی چونکہ یزدان واہرمن دو خداؤں کو ہمسرانہ طور پر ازلی ابدی مانتے ہیں لہذا ہمکو اُن کے اسی عقیدہ کی راستی وناراستی پر نظر کرنی ہے۔

(۱) بلاشک دنیا یا اس کارخانۂ عالم میں بننا اور بگڑنا نیز خیر اور شر دونوں قسم کے کام پائے جاتے ہیں۔ ہم چیزوں کو بنتے ہوئے بھی دیکھتے ہیں اور بگڑتے ہوئے بھی۔ اگر یہ دونوں طاقتیں کسی اور تیسری طاقت کے ماتحت نہیں ہیں بلکہ دونوں علٰحدہ علٰحدہ یزدان اور اہرمن سے صادر ہوتی ہیں اور وہ دونوں مجوسیوں کے عقیدہ کی موافق ایک دوسرے کے ماتحت نہیں بلکہ ہمسر ہمسر مقابل۔ ایک دوسرے کی ضد اور مصروف جنگ ہیں تو دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو یزدان واہرمن یعنی بنانے اور بگاڑنے کی طاقتیں مساوی ہیں یا دونو میں سے ایک طاقت بڑی اور ایک چھوٹی ہے۔ اگر دونوں بالکل مساوی ہیں تو چونکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لہذا دونوں کو معدوم ہو جانا چاہیئے تھا اور کارخانۂ عالم میں بالکل سکون وجمود پایا جانا لازمی تھا نہ ہم کسی چیز کو بنتے ہوئے دیکھتے نہ بگڑتے ہوئے۔ دوسری صورت میں اگر بنانے کی طاقت بگاڑنے کی طاقت سے زیادہ ہے تو چونکہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں لہذا بگڑنا نظر نہ آتا اور چیزوں میں بننا اور پیدا ہونا ہی دیکھا جاتا اور اگر اہرمن یعنی بگاڑنے کی طاقت یزدان یعنی بنانے کی طاقت سے زیادہ ہے تو ہمکو اس کارخانۂ عالم میں بننا اور پیدا ہونا مطلق نظر نہ آتا بلکہ چیزیں بگڑتے اور فنا ہوتے ہوئے ہی نظر آئیں اور ابتک تمام دنیا کبھی کی ختم بھی ہو چکی ہوتی۔ لیکن ہم ان مذکورہ حالتوں میں سے کوئی بھی حالت نہیں دیکھتے لہذا ثابت ہوا کہ یزدان واہرمن دو خدا ہرگز نہیں ہیں۔ بلکہ خدائتعالیٰ کی ایک ہی واحد لاشریک ذات ہے اور وہی تنہا اپنے اختیار ومشیت سے جو چاہتا ہے بناتا ہے اور جو چاہتا ہے بگاڑتا ہے جسکو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے فنا کرتا ہے۔ بنانے اور بگاڑنے کی طاقتیں بھی اُسی کی مشیت کے ماتحت کام کر رہی ہیں

خدائتعالیٰ جو چاہتا ہو کرتا ہو اور جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔	يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ

پس معلوم ہوا کہ یزدان واہرمن دو خداؤں والا عقیدہ ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

اور لوگو خدائتعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ دو دو معبود مت ٹھہراؤ پس وہی خدا ایک معبود ہے۔	وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ (سورۂ نحل رکوع)

(ب) کارخانۂ عالم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا کا نظام بڑی ہی عمدگی اور

باقاعدگی کے ساتھ چل رہا ہے جیسا کہ مقدمہ میں بالتفصیل بیان ہو چکا ہے یہ باقاعدگی اور انتظام دلیل اس بات کی ہے کہ خدا ایک ہی ہے اگر دو خدا ہوں تو یقیناً ایک کو دوسرے کی رعایت اور اپنی مشیت کے خلاف برداشت کرنیکی زحمت گوارا کرنی پڑیگی تب ہی ملک کا انتظام باقی رہ سکیگا ورنہ ایک دوسرے سے کھٹ پٹ ہوگی اور فساد برپا ہو جائیگا ظاہر ہے کہ وہ خدا نہیں ہو سکتا جو اپنی مشیت اور منشار کے پورا کرنے پر قادر نہو بلکہ اپنی منشار کے خلاف صبر کرنے پر مجبور ہو۔ اور اگر وہ دونوں خدا اپنے اپنے منشار کو پورا کرنے میں آزاد ہیں تو ہرگز فرض نہیں کیا جاسکتا کہ ہمیشہ ہمیشہ دونوں کی ایک ہی خواہش ہوتی ہے اور دونوں بیک وقت ایک ہی کام پر آمادہ ہو جاتے ہیں اگر ایسا ہو تو پھر اُن دونوں خداؤں میں سے ایک کا وجود بیکار ہے اور خدا کے وجود کو بیکار اور لغو ہرگز فرض نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ صورت ہو کہ ایک کی طاقت کافی نہیں دونوں ہی کے زور لگانے سے ہر ایک کام پورا ہوتا ہے تو وہ دونوں کے دونوں ناقص اور مجبور ہیں اُن کو ہرگز خدائی کا خطاب نہیں دیا جاسکتا۔ اگر دونوں کسی کام کے کرنے کی پوری پوری طاقت رکھتے اور اپنی خواہش کے خلاف پر بھی مجبور نہیں ہوتے ہیں تو پھر اُن میں سے ایک کی خواہش ہو سکتی ہے کہ میں سورج کو گول بناؤں۔ دوسرا چاہیگا کہ میں مربع یا مستطیل شکل کا بناؤں۔ ایک چاہیگا کہ مینہ برساؤں دوسرا چاہیگا کہ میں مطلع صاف اور زمین کو خشک رکھوں۔ غرض کہ دو یا زیادہ خداؤں کا وجود کسی طرح بھی فرض نہیں کیا جاسکتا۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا (سورۂ انبیاء رکوع ۲)	اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان دونوں کبھی کے برباد ہو گئے ہوتے

(۳) **بودھ مت والوں** کا عقیدہ توحید باری تعالیٰ کے متعلق معلوم کرنیکی غرض سے کتابیں اور تاریخیں مطالعہ کی جاتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آجکل چین۔ جاپان۔ تبت نیپال۔ برہما۔ سیلون وغیرہ ملکوں میں بودھ مذہب کے پیرو موجود ہیں مگر ہر ملک کے بودھوں کا عقیدہ مختلف اور بالکل جدا جدا ہے یعنی جسقدر ملکوں میں بودھ مذہب والے پائے جاتے ہیں اُسیقدر فرقے بودھ مذہب کے ہو گئے ہیں۔ لہذا کوئی ایک مابہ الاشتراک توحید باری تعالیٰ کے متعلق تلاش کرنا اور اُسکو بودھ مذہب کا مسلمہ عقیدہ قرار دینا سخت دشوار ہے۔ بعض یورپی اور ہندوستانی مصنفین کا خیال ہے کہ بودھ مذہب میں ذات

باری تعالیٰ کی ہستی کا عقیدہ نہیں پایا جاتا اور وہ ایک دہریہ اور فلسفی مذہب ہے لیکن بعض مصنفین بڑے شدومد کے ساتھ اس خیال کی تردید کرتے اور کہتے ہیں کہ عارف گوتم بودھ ہستی باری تعالیٰ کے قائل اور اسکو واحد ولاشریک ماننے والے تھے۔ برہمنوں نے اُن کو اس لئے منکرِ خدا اور دہریہ کہا کہ وہ خدا تعالیٰ کے متعلق برہمنوں کے مشرکانہ عقائد سے بیزار تھے۔ بہرحال توحید باری تعالیٰ کی بابتہ بودھ مذہب سردست ہماری توجہ کو دیر تک منعطف نہیں رکھ سکتا۔

(۴) **یہودی مذہب** توحید باری تعالیٰ کے متعلق جو عقیدہ رکھتا ہے وہ ہرگز قابل تردید نہیں ہے اور یہودی عموماً توحید باری تعالیٰ کے قائل ہی دیکھے جاتے ہیں۔ کتاب استثنا باب ۶ آیت ۴ میں ہے کہ

"سن اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے"۔

ہاں یہودیوں میں ایک فرقہ غالباً چوتھی صدی ہجری تک ایسا ضرور پایا جاتا تھا جو حضرت عزیر علیہ السّلام کو اسی طرح خدا کا بیٹا مانتا تھا جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو خدا کا بیٹا اور خدا مانتے ہیں۔ مگر آجکل یہودیوں کا وہ مشرک فرقہ دنیا کے کسی حصہ میں موجود نہیں ہے۔ یہودیوں کا یہ مشرک فرقہ اگرچہ بت پرست نہ تھا تاہم دو خداؤں کا قائل تھا۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (سورہ مومنون رکوع ۵)	نہ تو اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اُس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ورنہ ہر ایک خدا اپنی مخلوقات کو الگ لئے لئے پھرتا اور آپس میں لڑتے اور آخر کار ایک دوسرے پر غالب آجاتا جیسی جیسی باتیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نسبت بیان کرتے ہیں اللہ کی ذات اُن سے پاک ہے وہ غائب اور حاضر سب کو جانتا ہے اور وہ لوگوں کے شرک سے بری اور بالاتر ہے۔

(۵) **ہندو مذہب** درحقیقت کسی ایک مذہب کا نام نہیں اور نہ ہندو مذہب کے عقائد کو کسی جامع و مانع عبارت میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ جن سیکڑوں بلکہ ہزاروں فرقوں پر ہندو مذہب کا لفظ بولا جاتا ہے۔ وہ آپس میں اسقدر مختلف اور متضاد ہیں کہ اُنکے عقائد و اعمال میں کسی طرح توفیق و تطبیق ممکن نہیں۔ مورخانہ نگاہ سے ویدوں کے مذہب کو دیکھا

جاتا ہے تو اس میں آگ۔ ابر و باد۔ چاند۔ سورج۔ زمین۔ سمندر وغیرہ مظاہر قدرت کو معبود اور قابل پرستش ہستیاں ماناگیا ہے۔ انھیں مذکورہ دیوتاؤں یعنی اگنی۔ اندر۔ چندر۔ سوریہ۔ پرتھوی۔ ورُن وغیرہ سے ویدوں میں دعائیں اور التجائیں کی گئی ہیں۔ ویدوں کے بعد اپنشدوں کا مرتبہ ہے جنسے چھ درشن یا چھ فلسفی مذاہب نکلے۔ ان مذاہب کا حال پورو میمانسا اُتر میمانسا۔ سانکھیہ۔ یوگ۔ نیائے اور ویشیشک وغیرہ شاستروں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے اُتر میمانسا یعنی ویدانت میں خدا اور روح کو ایک ہی ہستی مانا ہے۔ سانکھیہ شاستر کا مصنف اور اس مذہب کا بانی کپل دیو۔ ذرات مادہ اور لاانتہا روحوں کو مانتا اور خدا کی ہستی کا منکر ہے یوگ شاستر میں پتنجلی خدا کی ہستی اور وحدانیت کو مانتا اور خدا تعالیٰ کے تصور ہی کو موجب نجات جانتا ہے۔ نیائے شاستر کو علم منطق کی کتاب کہنا چاہیئے۔ ویشیشک شاستر کا مصنف کنادصرف ذراتِ مادہ یعنی پرمانو کا قائل ہے سوائے مادہ کے اور کسی چیز کو نہیں مانتا۔ ان کتابوں کے بعد رامائن۔ مہابھارت۔ منوسمرتی وغیرہ کا مرتبہ ہے اُن کے بعد وشنو پُران۔ نارد پُران۔ پدم پُران۔ براہ پُران۔ بھاگوت پُران وغیرہ اٹھارہ پُران۔ یا برہمنی تصانیف ہیں اور آجکل اُنھیں پر زیادہ تر ہندو عامل پائے جاتے ہیں جنکے سیکڑوں ہزاروں فرقے ہو گئے اور ہر ایک فرقہ الگ الگ خداؤں کا قائل ہے۔ کوئی ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کا قائل ہے کوئی لاکھ دو لاکھ کا کوئی تینتیس۳۳ کا کوئی تین کا۔ کوئی تین خداؤں کے ساتھ اُن کی تین بیویوں کو بھی خدا ماننا ضروری سمجھتا ہے اور اس طرح چھ خداؤں کا قائل ہے۔ تاہم ہر ایک فرقہ اپنے خداؤں میں کسی ایک خدا کو باقی خداؤں سے زیادہ زبردست اور طاقتور جانتا ہے ہندوؤں کے بعض مشہور فرقوں کے نام اُنکے خاص خاص خداؤں یا اشٹ دیوتاؤں کے نام پر ہیں۔ وشنو کے پرستار۔ شیو کے پرستار۔ شاکت یعنی شکتی کے پرستار۔ سورج کے پرستار۔ گنیش یعنی گنپتی کے پرستار۔ برہما کے پرستار۔ شیش۔ سوم۔ گندھرب۔ بیتال۔ اور بھوتوں وغیرہ کے پرستار۔ ان فرقوں میں سے ہر ایک کے سیکڑوں فرقے ہو گئے ہیں بعض مثلاً برہما کے پرستار آجکل نہیں پائے جاتے بعض فرقے رامچندر جی کو خدا مانکر اُن کی پرستش کرتے ہیں۔ بعض کرشن مہاراج کے پرستار ہیں۔ غرض ان لاتعداد فرقوں کا کسی ایک تصنیف میں احاطہ کیا جانا سخت دشوار ہے انھیں فرقوں میں وشنو فرقہ کی ایک شاخ سری سمپردائے یا رامانج سمپردائے ہے۔ اس فرقہ کا بانی رامانج نامی دکن کا ایک برہمن تھا جو بارہویں صدی

عیسوی میں پیدا ہوا تھا۔ اس راماجی فرقہ میں رامانج سے دو سو برس بعد ایک اچارج
رامانند نامی پیدا ہوا اُس کو اس فرقہ کے بیراگیوں نے اپنی برادری سے خارج کر دیا تھا
لہذا اُس نے اپنا ایک الگ فرقہ قائم کیا جسکو راماجی فرقہ کی شاخ سمجھنا چاہیئے۔ اس شاخ
کا نام رامانندی فرقہ ہوا جس میں ہر ایک ذات کے آدمی کو ساتھ کھلا لینا جائز ہے۔ اس فرقہ
کا اشٹ دیوتا یعنی خاص الخاص معبود مہاراجہ رامچندر ہے جو وشنو کا اوتار ہے۔ اس فرقہ
کے بعض آدمی مندر میں رام اور سیتا کی پرستش کرنا ضروری نہیں سمجھتے بلکہ صرف
زبان سے رام اور سیتا کا نام جپنا ہی نجات کے لئے کافی جانتے ہیں۔ رامانند کے بارہ
چیلے تھے جن میں سے کبیر جولاہا۔ رائے داس چمار۔ پیپا راجپوت۔ دھنا جاٹ اور سین
نائی تھے۔ باقی سات یہ تھے رگھوناتھ یا آسانند۔ سُرسُرانند۔ سکھانند۔ بھوانند۔ مہانند
پرمانند۔ ہری آنند۔ رامانند کے چیلوں میں ہر قوم اور ہر ذات کا آدمی شامل ہو سکتا
تھا۔ اُس کے چیلوں میں سے بعض نے اپنے الگ فرقے قائم کئے۔ شیو کے پرستاروں
میں بھی بہت سے فرقے پائے جاتے ہیں جن میں ایک فرقہ کا نام دس نامی فرقہ ہے اس کا
بانی شنکر اچارج دکن (مالابار) کا ایک پنڈت تھا جو نویں صدی عیسوی کے شروع
میں پیدا ہوا تھا۔ شنکر اچارج کی والدہ سری مہادیوی کی نسبت لکھا ہے کہ وہ کسی شرم
انگیز گناہ کے سبب برادری اور ذات سے خارج کر دی گئی تھی اور اسی لئے مہادیوی
کی وفات پر اُسکے پھونکنے کے لئے شنکر اچارج کو کسی نے آگ بھی نہ دی مگر یہ روایت ممکن
ہے کہ شنکر اچارج سے حسد رکھنے والے پنڈتوں نے تراش لی ہو۔ شنکر اچارج
نے بودھوں کے ہندوستان سے خارج کرنے میں بڑی کوشش کی جس کا مفصل
بیان کسی دوسری جگہ آئیگا۔ دس نامی فرقہ کے لوگ شنکر اچارج کو شیو کا اوتار مانتے
ہیں۔ بعض ان میں نرگن برہم کے ماننے والے بھی ہیں۔ دس نامیوں کو ڈنڈی کے نام
سے بھی پکارا جاتا ہے یا یوں کہیئے کہ دس نامیوں کے ایک سب سے مشہور فرقہ یا شاخ کا
نام ڈنڈی ہے۔ جو فرقے شیو سے تعلق رکھتے ہیں وہ سب شیو یا شیو کے اوتار کو پوجتے
اور اپنا معبود جانتے ہیں۔ مگر شیو کے پرستاروں میں وشنو کے پرستاروں کے برخلاف
خلاف ایک خاص بات یہ ہے کہ پرستاران شیو شیو کی پوری مورت کو نہیں پوجتے
بلکہ صرف شیو کے عضو تناسل کی پرستش کرتے ہیں۔ لنگ پُران میں لنگ کی عظمت

ظاہر کرنے کے لئے ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ پُرانے زمانہ میں ایک مرتبہ برہما اور وشنو میں سخت بحث ہو رہی تھی برہما کہتا تھا کہ موجوداتِ عالم کا خالق میں ہوں۔ وشنو کہتا تھا کہ خالق میں ہوں۔ اس بحث کو مختصر کرنے کے لئے ایک نہایت حیرت انگیز لنگ ظاہر ہوا۔ اس لنگ کو دیکھکر برہما اور وشنو دونوں حیران و پریشان ہو گئے اور اُس کی ابتدا اور انتہا معلوم کرنے کے لئے وشنو براہ روپ یعنی گھوڑے کی شکل اختیار کر کے پاتال کی طرف اُترا اور برہما ھنس روپ لیکر اوپر کی طرف اُڑا مگر نیچے اور اوپر کہیں اُس کی ابتدا انتہا نہ ملی دونوں نہایت پریشان ہو کر واپس آئے اور اُس لنگ کے آگے تھر تھرانے لگے اتنے میں اچانک آواز آئی "اوم اوم" اور لنگ کے پہلو میں اونکار کے تین حروف یعنی ا۔ و۔ م نظر آئے جس کا مطلب یہ ہے کہ لنگ ہی مخلوقات کا پیدا اور فنا کرنے والا ہے۔ اسی طرح شکتی کے پرستار بھی مختلف فرقوں میں منقسم ہیں جن میں ایک فرقہ بام مارگیوں کا بھی ہے۔ سورج کے پرستاروں۔ گیتی کے پرستاروں اور برہما کے پرستاروں کی تعداد نا قابل تذکرہ اور نا قابل التفات ہے۔

ہندؤں کے تمام فرقوں کا جن کی تعداد سیکڑوں ہزاروں تک پہونچتی ہے اس تصنیف میں ذکر نہیں کیا جا سکتا وہ سب ایسے نادرست عقائد رکھتے ہیں کہ ان کی تردید کے لئے زحمت گوارا کرنا فضول ہے کیونکہ اس زمانہ میں اُن عقائد سے صرف واقف ہونا ہی اُن کی کافی تردید ہے۔ ہاں ہندؤوں کے ان کثیر التعداد فرقوں میں ایک فرقہ آریہ سماج بھی ہے جسکے بانی پنڈت دیانند صاحب سرستی ہیں جو سوامی درجانند سرستی کے چیلے تھے سوامی درجانند سرستی ڈنڈی فرقہ کے مشہور پنڈت تھے اور سنیاس کے ذریعہ سیاسی اغراض کے حصول کی اہلیت رکھنے کے علاوہ بہت کچھ سیاسیات سے متاثر بھی تھے۔ پنڈت دیانند سرستی ایک طرف تو ڈنڈی فرقہ کے پنڈت درجانند صاحب سرستی کے شاگرد و مرید ہوئے اور دوسری طرف اُنھوں نے رامانندی فرقہ کے خیالات و تعلیمات سے بھی آگاہی حاصل کی اور بہت کچھ اُن سے متاثر پائے جاتے تھے لہذا ہم آریہ سماج کو وشنو اور شیو دونوں سے تعلق رکھنے والے فرقوں کا مجموعہ کہہ سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں پنڈت دیانند صاحب سرستی نے ویدوں اور اپنشدوں کی طرف بھی خصوصی توجہ مبذول فرمائی تھی۔ ساتھ ہی وہ علوم جدیدہ اور یورپی فلسفہ کی بھی

مخالفت نہیں کرنا چاہتے بلکہ فلسفۂ جدیدہ سے مرعوب و متاثر پائے جاتے تھے۔ اس طرح وید۔ اپنشد۔ شرتی۔ سمرتی۔ اتہاس۔ پران۔ شیوی۔ وشنوی۔ تمام خیالات کا مجموعہ فلسفہ مغربی کے سانچہ میں ڈھلا ہوا آریہ سماج کی شکل میں ہمارے سامنے آجاتا ہے جس میں سے پنڈت دیانند سرستی نے بخیال خویش ہندو مذاہب کی تمام کمزوریوں اور تمام عیوب و نقائص کو چُن چُن کر الگ کر دیا ہے اور چونکہ ہمکو ہندو مذہب کا ایسا ہی اعلیٰ سے اعلیٰ خلاصہ اور مضبوط سے مضبوط نمونہ درکار تھا لہذا ہم آیندہ ہندو مذہب کی جگہ اُس کے ایک فرقہ آریہ سماج اور آریہ سماج کے ترتیب دادہ عقائد و اعمال ہی کو زیادہ تر زیر بحث لائینگے اگرچہ آریہ سماج کے عقائد میں ایک بڑا حصہ ایسا شامل کر دیا گیا ہے جو ویدوں۔ سمرتیوں اور پرانوں وغیرہ کے علاوہ دوسری شے ہے لیکن چونکہ ہندو مذہب کی کمزوریوں کو چھپانے اور اُس کے نقائص و عیوب کو محاسن بنا کر دکھانے کے لئے یہ اضافہ کیا گیا ہے لہذا ہمکو توقع رکھنی چاہیئے کہ ہندو مذاہب کی طرف سے اُسکے ایک فرقہ آریہ سماج کا انتخاب تمام ہندؤوں کو پسند آئیگا۔ اس طویل تمہید کے بعد آریہ سماج کے عقیدہ کو توحید باری تعالیٰ کے متعلق زیر بحث لایا جاتا ہے۔

(۶) **آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرستی نے دعوی کیا ہے کہ ہم ویدوں کو** الہامی کتابیں مانتے۔ اور خدائی کلام جانتے ہیں۔ اندریں صورت آریہ سماج کا عقیدہ توحید باری تعالیٰ کے متعلق ہمکو ویدوں ہی میں تلاش کرنا چاہیئے۔ ویدوں میں آگ۔ سورج۔ زمین۔ ابر و برق۔ سمندر وغیرہ کو معبود اور خدا مانا گیا ہے۔ انھیں دیوتاؤں میں سے ایک ایک کا نام لیکر التجائیں اور دعائیں کی گئی ہیں مگر چونکہ سوامی دیانند اور آریہ سماجی اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم ایک ہی خدا کو مانتے اور کسی کو اُس کا شریک نہیں جانتے لہذا ہمکو ابھی کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ اُن کے عقیدہ کو جو وہ خود اپنی زبان سے بیان کرتے ہیں جھوٹ جانیں اور اپنے دعوے میں اُن کو سچا نہ مانیں۔ ہاں جب ویدوں کو زیر تحقیق لایا جائیگا اور دوسرے عقائد و مسائل پر بحث ہوگی تو اس دعوے اور بیان کردہ عقیدہ کی حقیقت خود بخود آشکارا ہو جائیگی بہرحال اس وقت ہمکو تسلیم کر لینا چاہیئے کہ آریہ سماجی ایک ہی خدا کے قائل اور توحید باری تعالیٰ کے ماننے والے ہیں۔

(۷) مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (سورۂ اخلاص)

کہدو کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اُس کی برابر کا ہے۔

قدرت خدائے تعالیٰ ہر ایک کام اور ہر ایک چیز میں ہر ایک قسم کا جو چاہے تصرف کرسکتا ہے نہ وہ کسی کی مدد کا محتاج ہے اور نہ اُس کو کسی کی مدد کا محتاج ہونا چاہیئے تھا اُس کو ہر قسم کی طاقت حاصل ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (سورۂ بقرہ رکوع ۱۳)

کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ کیا تمکو معلوم نہیں کہ آسمان و زمین کی سلطنت اُسی اللہ کی ہے اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار۔

بعض اشخاص اپنی حماقت یا شرارت کے سبب خدائے تعالیٰ کی صفت علیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ سنکر یہ اعتراض کردیا کرتے ہیں کہ اگر خدا ہر چیز پر قادر ہے تو وہ مثل اپنے دوسرا خدا بنا سکتا ہے۔ لیکن وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ تمام صفات حسنہ کاملہ کا موصوف ہے اور ہم اُس میں کوئی بھی ایسی صفت فرض نہیں کرسکتے جو اُس کی کسی صفت کاملہ کے منافی اور موجب نقص و عیب ہو سکے۔ پس مثل اپنے دوسرے خدا کا بنانا چونکہ اُس کی صفت وحدانیت کے منافی ہے لہذا ہم دوسرے خدا کا وجود فرض ہی نہیں کرسکتے ”علیٰ کل شئی قدیر“ میں لفظ شئی کے معنی ”چاہی ہوئی چیز“ ہیں۔ پس صاف اور صحیح مطلب یہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرسکتا ہے۔ مجوسی اپنے یزدان کو علیٰ کل شئی قدیر نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ اپنے حریف اور مدِ مقابل اہرمن کو فنا کرنے یا اُس کی طاقت کو کم کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اسی طرح اہرمن اپنا مقابلہ کرنے والے یزدان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا حالانکہ دونوں کی خواہش ایک دوسرے کی طاقت کو گھٹانا اور مٹانا ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور پورا خدا کہتے ہیں لہذا وہ بھی اپنے خدا کو ”علیٰ کل شئی قدیر“ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ”ایلی ایلی لما سبقتانی“[1] کہنے والے کو کوئی شخص

[1] اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھ کیوں چھوڑ دیا (دیکھو کتاب مرقس باب ۱۵ آیت ۳۴)

علی کل شئی قدیر ہرگز نہیں بن سکتا۔ آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرستی اپنی کتاب رگوید آدی بھاشیہ بھومکا میں یجروید کے اکتیسویں ادھا کے چھٹے منتر کا ترجمہ لکھتے ہیں جس میں یہ فقرہ موجود ہے کہ۔

"یہ تمام موجودات اُس ایشور کے سہارے سے اور نہایت خفیف حصہ میں جیو کے سہارے بھی قائم ہے"

پس معلوم ہوا کہ آریہ سماجی بھی علی کل شئی قدیر نہیں کہہ سکتے کیونکہ موجودات کے قائم رکھنے میں ایشور کو جیو سے امداد لینے کی ضرورت پیش آئی گو بہت ہی تھوڑی سی امداد لینی پڑی جیو اُن کے عقیدہ میں چونکہ ایشور کی مخلوق نہیں ہے اور ازلی ہونے میں ایشور کا ہم عنان وہمرتبہ اور اپنی جداگانہ مستقل قدیم ہستی رکھتا ہے لہذا جیو کے سہارا دینے کو ہم کسی طرح ایشور سے منسوب نہیں کر سکتے۔ آریہ سماجی اس بات کو مانتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے زمین۔ چاند سورج پہاڑ۔ دریا۔ آدمی۔ چوپائے۔ درخت وغیرہ چیزیں بنائیں اور خدا کے سوا کوئی دوسرا ان چیزوں کو نہیں بنا سکتا۔ پس معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک بھی موجودات کا خالق ہونا خدائےتعالیٰ کی صفت حسنہ ہے اور کسی دوسری صفت حسنہ کاملہ کی ضد نہیں ہے۔ پس بنا شدہ اور موجودہ مادہ سے ان چیزوں کا بنا لینا اور مادہ کا ایک نیا ذرہ یا ایک نئی روح بنانا چاہے تو نہ بنا سکنا بھی دلیل اس امر کی ہے کہ آریہ سماجیوں کے عقیدہ کی موافق خدائےتعالیٰ علی کل شئی قدیر نہیں ہے۔

خالقیت مجوسیوں کے عقیدہ کی موافق یزدان اور اہرمن دونوں میں سے کوئی ایک کل مخلوقات عالم کا خالق نہیں ہے لہذا دونوں کے دونوں ناقص ٹھہرے۔ عیسائیوں کے عقیدہ کی موافق اگر باپ۔ بیٹا۔ روح القدس تینوں نے ملکر تمام مخلوقات پیدا کی ہیں تو تینوں میں سے کوئی ایک تمام مخلوقات کا خالق نہیں ہے۔ اور اگر ان تینوں خداؤں میں سے کسی ایک نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اور یہ کام اُس ایک ہی سے تعلق رکھتا ہے تو باقی دو یقینا صفت خالقیت سے محروم ہیں اور اُن میں سے کسی کو کامل خدا نہیں کہا جا سکتا۔ آریہ سماجیوں کا عقیدہ ہے کہ خدائےتعالیٰ نے روح اور مادہ کو پیدا نہیں کیا بلکہ روح اور مادہ دونوں خدائےتعالیٰ کو کہیں سے ملگئے اور اُس نے ان دونوں کو ترکیب دیکر اور جوڑ جاڑ کر انواع واقسام کی چیزیں بنا ڈالیں۔ اگر ذراتِ مادہ اُسکو نہ مل جاتے تو وہ نہ زمین پیدا کر سکتا تھا نہ پہاڑ۔ نہ دریا نہ چاند۔ نہ سورج نہ ہوا۔ اور اگر مادہ کے ساتھ روحیں بھی نہ

مل جائیں تو وہ انسان حیوان ۔ نباتات وغیرہ کچھ نہیں بنا سکتا تھا ۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو آریہ سماجی خدائتعالیٰ کی صفتِ خالقیت سے قطعاً منکر ہیں اور وہ حقیقی معنوں میں خدائتعالیٰ کو کسی چیز کا بھی خالق نہیں مانتے (روح اور مادہ کی بحث آیندہ مفصل اپنے مقام پر آنے والی ہے ۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ وَّخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ وَّھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْہُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ۝ (سورہ انعام رکوع ۱۳)

وہی اس آسمان و زمین کا موجد ہے اور اس کے اولاد کیوں ہونے لگی جب کہ کبھی اُس کی کوئی جورو ہی نہیں رہی اور اُسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہی ہر چیز کے حال سے واقف ہے لوگو یہی اللہ تمھارا پروردگار ہے اُسکے سوا کوئی اور معبود نہیں وہی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہو تو اُسکی عبادت کرو اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہو ۔

اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوْا کَخَلْقِہٖ فَتَشَابَہَ الْخَلْقُ عَلَیْھِمْ ؕ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ ۝ (سورہ رعد رکوع ۲)

یا ان لوگوں نے اللہ کے ایسے شریک ٹھہرا رکھے ہیں کہ اُسی کی سی مخلوقات اُنھوں نے بھی پیدا کر رکھی ہے اور اب انکو مخلوقات کے بارے میں شبہ واقع ہو گیا کہ کسکی پیدا کی ہوئی ہے ان سے کہو کہ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے اور وہ اکیلا ہے کوئی اُس کا شریک نہیں اور باوجود اسکے سب پر غالب ہو ۔

ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۝ (سورہ حشر رکوع ۳)

اور وہی ہر چیز کا خالق اور موجد ہے مخلوقات کی طرح طرح کی صورتیں بنانیوالا ہے اُس کی اچھی اچھی صفتیں ہیں اور اسی لئے اُسکے اچھے ہی اچھے نام ہیں ۔

ربوبیت رب کہتے ہیں بتدریج ترقی دیکر حد کمال تک پہونچا دینے والے کو ۔ خدائتعالیٰ مخلوقات کو پیدا کر کے بتدریج ترقی دیتا اور اُن کی حد کمال تک پہونچاتا ہے اس لئے اُس کا نام رب ہے درخت اول ایک چھوٹے سے تخم سے پیدا ہوتا ہے پھر بتدریج نشو و نما پا کر پورا درخت بنتا ہے جنین اول رحم مادر میں ایک چھوٹے سے کیڑے کی مانند ہوتا ہے پھر بتدریج نشو و نما پاتا اور ترقی کرتا ہوا جوان آدمی بن جاتا ہے اس نشو و نمائی اور پرورش کے سامانوں کی فراہمی اور اسکے جسم و روح کی حفاظت و پرورش کا تمام انتظام خدائتعالیٰ ہی فرماتا ہے ہواؤں کا چلنا ۔ بادلوں کا آنا ۔

بارش کا ہونا۔ موسموں کا تبدیل ہونا۔ ماں کی چھاتیوں میں دودھ کا پیدا ہونا۔ والدین کے دل میں اولاد کی محبت اور اُن کی نگہداشت کی خواہش کا پیدا ہونا سب خدا تعالیٰ ہی کی مشیت کے موافق ہوتا ہے۔ لہٰذا حقیقی طور پر ہر شے کا رب خدا تعالیٰ ہی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (سورہ فاتحہ)	ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔

رحمانیت بلا مبادلہ عطا و بخشش کرنے اور بے مانگے دینے والے کو رحمٰن کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے چونکہ بلا ہماری درخواست و التجا اور بغیر ہماری خواہش و دعا کے ہمارے لئے زمین۔ آسمان۔ سورج۔ چاند۔ ستارے۔ ہوا۔ پانی۔ نباتات۔ جمادات وغیرہ ضروری سامان جس سے ہم فائدہ اُٹھاتے ہیں پیدا کر دیا لہٰذا اُس کا نام رحمٰن ہے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱۲)	لوگوں سے کہدو کہ تم خدا تعالیٰ کہکر پکارو یا رحمٰن کہکر پکارو جس نام سے بھی پکارو اُس کے سب نام اچھے ہی اچھے ہیں۔
قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَیْهِ تَوَکَّلْنَا ج (سورہ ملک رکوع ۲)	کہدو کہ وہی خدا رحمٰن ہے ہم اُسی پر ایمان لائے ہیں اور اُسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔

رحیمیت جو صحیح کوششوں اور سچی محنتوں کو ضائع نہ ہونے دے اور اُن پر اجر و نتائج مرتب کرے اُسکو رحیم کہتے ہیں۔ ایک کاشتکار زمین کے تیار کرنے بیج بکھیرنے کھیت کی حفاظت کرنے میں جو محنت کرتا ہے خدا تعالیٰ ہی اُس کی اس محنت کو ٹھکانے لگاتا اور اُسکو غلہ کے انبار کا مالک بنا دیتا ہے۔ طبیب مریض کو دوا بتاتا اور مریض اُس دوا کو فراہم و استعمال کرتا ہے اُسکے بعد خدا تعالیٰ ہی مریض کو مرض سے نجات بخشتا اور شفا عطا فرماتا ہے۔ ایک بداعمال اور گنہگار اپنی بداعمالی پر نادم ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا اور عزم راسخ کے ساتھ بداعمالی سے کنارہ کرتا اور خدا تعالیٰ سے عفو و عطا کی درخواست کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اُسکو اُس بداعمالی کے نتائج سے بچا لیتا اور اُسکے اس فعل کو کہ اُس نے بُرائی اور بدی سے انقطاع تعلق کر لیا مثمر ثمراتِ خیر بناتا ہے لہٰذا خدا تعالیٰ کا نام رحیم ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (سورہ بقرہ رکوع ۱۷)	خدا تعالیٰ تو لوگوں پر بڑی ہی شفقت رکھنے والا رحیم ہے۔

آریہ سماجی خدائتعالیٰ کی صفت رحیمیت میں اس لئے نقص اور سقم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ دعاؤں اور التجاؤں کے قبول کرنے اور معافی چاہنے والے کو معافی عطا کرنے کی قابل بھی اختیار خدائتعالیٰ میں نہیں مانتے اور توبہ کرنے والے کی توبہ کے حسنِ عمل کو بلانتیجہ تسلیم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے عقیدہ کی موافق۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۙ (سورہ توبہ رکوع ۱۵)	بیشک اللہ خلوصِ دل سے نیک کام کرنیوالوں کے اجر کو ضایع نہیں ہونے دیا کرتا۔

(دعا اور توبہ کے مضمون پر آیندہ مفصل بحث آنیوالی ہے۔)

صفت علم خدائتعالیٰ چونکہ ہر چیز کا خالق ہے لہذا اُس کا علم ہر چیز کی کنہ وحقیقت پر حاوی ہے اور کسی چیز کا کوئی حصہ بھی اُسکے علم سے نہاں اور غیر مکشوف نہیں ہے۔ وہ غیب وشہود اور ماضی ومستقبل سب کا علم رکھتا ہے۔ کوئی تاریکی۔ کوئی حجاب اور کوئی مانع اُسکے علم کو کسی طرح بھی ناقص نہیں کرسکتا خدائتعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا اُسکے علم کامل کا مقابلہ نہیں کرسکتا اسی لئے اُس کا نام علیم۔ عالم۔ علّام۔ اعلم۔ علیم بذات الصدور۔ عالم الغیب والشہادۃ علام الغیوب۔ اَللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا یَکۡتُمُوۡنَ ہے۔ آریہ سماجی خدائتعالیٰ کی صفتِ علم کو بھی کامل نہیں سمجھتے۔ اُن کے عقیدہ کی موافق خدائتعالیٰ کو مستقبل کا علم نہیں اور چونکہ وہ خدائے تعالیٰ کو روح ومادہ کا خالق نہیں مانتے لہذا روح ومادہ کے متعلق خدائتعالیٰ کو زمانہ ماضی وحال کے متعلق بھی علم تام حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ کسی شے کے متعلق علم تام کا حاصل ہونا اُس شے کے خالق ہونے کی قدرت حاصل ہونے کو مستلزم ہے۔ اسی لئے سوائے ذات باری تعالیٰ کے جو مسلمانوں کے عقیدہ کی موافق تمام موجودات ومخلوقات کا خالق ہے اور کسی کو علم کامل حاصل نہیں ہوسکتا۔ زمانہ مستقبل کے متعلق خدائتعالیٰ کے علم کی بحث مسئلہ تقدیر میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان ہوگی۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ اور بہت سے صفات حسنہ کاملہ رکھتا ہے اس جگہ زیادہ تفصیل کا موقع نہیں۔

وحدت فی العبادت جس طرح خدائتعالیٰ اپنی ذات وصفات میں یکہ وتنہا اور بے مانند وبے مثال ہے اسی طرح وہ اپنی معبودیت میں بھی واحد ولا شریک ہے۔ اُسکے سوا کوئی دوسرا لائق عبادت نہیں۔ انتہائی تذلل وانکسار کا اظہار یعنی عبادت اور اُسکے تمام مخصوص ارکان یہ اشرف المخلوقات یعنی انسان صرف خدائتعالیٰ ہی کے لئے بجالائے

اور کسی دوسرے کے سامنے ہرگز گردن نہ جھکائے۔ یہی وحدت فی العبادت ہے۔

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ (سورہ فاتحہ)	خاص تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔
فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ (سورہ زمر رکوع ۶)	خالق خدا ہی کی فرمانبرداری مدنظر رکھکر اسی کی عبادت کرو اور آگاہ رہو کہ عبادت خالص خدا ہی کے لئے زیبا ہے۔

باب دوم

مذاہب عالم

(۱)

خدا تعالیٰ ہی موالید ثلاثہ کا خالق اور وہی تمام مخلوقات کا رب ہے۔ اُس کی ربوبیت نے جس طرح امریکہ میں پیدا ہونے والے انسانوں کے لئے سورج کی روشنی اور حرارت پیدا کی اسی طرح ہندوستانیوں کے لئے۔ جس طرح انگلستان والوں کے خون کو صاف رکھنے کے لئے پھیپھڑے بنائے۔ اسی طرح چین والوں کے لئے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ اسباب لے جانے کے لئے عرب کے حسب حال اونٹ کو پیدا کیا تو ہندوستان والوں کی زرعی ضرورت کو رفع کرنے کے لئے بیل موجود ہیں۔ قطب شمالی کے قریب سردی زیادہ ہوتی ہے اسلئے وہاں والوں کے لئے گرم سمور والے جانور اور سردی میں تندرست رکھنے والی غذائیں بکثرت پیدا کر دیں چھوٹے چھوٹے جزیروں میں خوراک کا مہیا کرنا آسان نہ تھا وہاں مچھلیوں کی کثرت نے اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ اُس رب العالمین کی قدرت کاملہ نے نہ صرف انسان بلکہ ہر ذی روح کے لئے ایسے ہی ایسے حسب احتیاج سامان فراہم کر دیئے ہیں۔ پانی میں رہنے والے جانوروں کو تمام وہ سامان عطا کر دیئے جو پانی کی رہایش کے لئے ضروری تھے تو ہوا والوں کو وہ سب چیزیں عطا فرما دیں جنکے وہ محتاج تھے پس وہ رب العالمین جس نے جسمانی پرورش اور حفاظت کے یہ تمام

سامان مہیا کئے روحانی تربیت سے کیسے غافل رہ سکتا تھا جبکہ انسان کی حقیقی فلاح روحانی تربیت ہی سے وابستہ ہے۔ انسانی صلاح و فلاح کے لئے ضرورت تھی کہ خدائے تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے طریقے سکھانے اور رضائے الٰہی کی راہیں بتانے کے لئے دنیا میں نبی اور رسول خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نامے لیکر آتے رہیں چنانچہ خدائے تعالیٰ نے ہر قوم اور ہر ملک میں نبی اور رسول بھیجے اور وہ نسل انسانی کے لئے مشعل راہ اور چراغِ ہدایت ثابت ہوئے۔

(۲)

شریعت - مذہب - مسلک - سب کے معنی راستے اور طریقے کے ہیں - نبی یا رسول جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے اوامر و نواہی لیکر آتے ہیں اُن اوامر و نواہی کے مجموعہ کو اس لئے شریعت کہتے ہیں کہ انسان اُسکے ذریعہ اپنی زندگی کی رفتار صراط مستقیم یعنی قرب حق اور رضائے الٰہی تک پہونچنے کے راستے پر جاری رکھکر کامیاب و فائز المرام ہو سکتا ہے۔ اسی لئے اُن اوامر و نواہی پر عمل کرنے کو شریعت پر چلنا کہتے ہیں۔ غرض کہ الٰہی شریعتیں جو انبیا و رسل دنیا میں لاتے رہے ہیں وہ انسانوں کو سعادت انسانی سے ہمکنار کرنے کے لئے نہایت ضروری سامان ثابت ہوتی رہی ہیں۔ خدائے تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت کے تقاضے سے جس طرح سورج - ہوا - پانی وغیرہ اشیاء انسان کے لئے موجود و مہیا ہوئیں اسی طرح روحانی تربیت اور جاودانی راحت کے لئے انبیاء کتب سماویہ اور شریعتیں خدائے تعالیٰ نے موجود و مہیا فرمائیں۔ اس جگہ آریہ سماجیوں کی طرف سے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ "خدائے تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش میں جو سورج پیدا کیا تھا وہی ابتک موجود ہے اور انسان کے کام آرہا ہے اسی طرح اُسکو تربیت روحانی کے لئے شریعت اور کتاب سماوی بھی ابتدائے آفرینش ہی میں پیدا کرنی اور وہی ابتک باقی رہنی چاہیئے تھی۔" اس کا جواب یہ ہے کہ انسان نے ابتدائے آفرینش سے ابتک کوئی جسمانی ترقی نہیں کی۔ اُسکے اعضائے جسمانی اور ضروریات جسمانی میں کوئی تغیر نہیں پایا گیا۔ ابتدائے آفرینش میں جس طرح ہوا اور پانی اُس کی تندرستی اور زندگی کے لئے ضروری تھے آج بھی ویسے ہی ضروری ہیں۔ وہ جس طرح ابتدائے آفرینش میں روشنی کا محتاج تھا آج بھی ویسا ہی محتاج ہے

جو حواس ظاہری اُس کو ابتدائے آفرینش میں عطا ہوئے تھے وہی اُسکو آج بھی حاصل ہیں
لیکن اُس کے علم۔ عقل۔ تصور۔ تعقل۔ ارادہ۔ افعال۔ اخلاق۔ خصائل۔ فہم و فراست
وغیرہ نے جن کا تعلق اُس کی روحانی ترقی و تربیت سے ہے برابر ترقی کی ہے اور جو
حالت اُسکے افعال ارادی کی ابتدائے آفرینش میں تھی وہ آج نہیں ہے اور جو افعال
ارادی اُسکے آج دیکھے جاتے ہیں ان کا کوئی نمونہ ابتدائے آفرینش میں نہ تھا۔ ہوا پانی
آفتاب وغیرہ ہماری پرورش جسم کے لئے ضروری چیزیں ہیں اور ہماری یہ ضرورت
ابھی تک کسی دوسرے آفتاب۔ نئی قسم کے چاند اور نئی قسم کے آسمان کی خواہاں
نہیں ہوئی۔ اور ہمارے جسم کو آجتک کسی نئی قسم کی ہوا اور نئے قسم کے پانی کی ضرورت
پیش نہیں آئی۔ لیکن ہمارا تمدن۔ ہمارا اخلاق۔ ہمارے آئین معاشرت وغیرہ سب
تبدیل ہوگئے ہیں اور ان کی تبدیلی کے ساتھ ہی ساتھ ہمارے اعمال و افعال
و اخلاق وغیرہ میں بھی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ شریعت کا تعلق چونکہ انہیں چیزوں
سے ہوتا ہے لہذا ان سب کی تبدیلی کے ساتھ ہی ساتھ شریعتوں۔ ہادیوں اور
صحف سماویہ کی تبدیلی بھی از بس ضروری تھی۔ اگر شریعت کو انسان کے افعال
اضطراری کے ساتھ ہی تعلق ہوتا تو پھر یقیناً سورج یا آسمان کی طرح ایک ہی مرتبہ
ابتدائے آفرینش میں شریعت اور آسمانی کتاب کا آجانا اور اُسی کا آخر تک باقی
رہنا کافی تھا لیکن شریعت کو انسان کے افعال اضطراری سے کوئی تعلق نہیں ہوتا
بلکہ وہ افعال اختیاری و اعمال ارادی کے متعلق ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سمجھنا
چاہیئے کہ ایک زمانہ میں انسان صرف شکاری اور چوپان تھا۔ اُس زمانہ کے انسانو
کو صراط مستقیم اور صحیح راستے پر قائم رکھنے کے لئے جو شریعت آئی ہو گی اُس میں اسی
قسم کی ہدایات ہو سکتی تھیں کہ کسی دوسرے کے مارے ہوئے شکار پر بلا استحقاق
قبضہ کرنا گناہ ہے اور کسی کو شیر کے خطرہ سے آگاہ کر دینا ثواب۔ یا کسی کے مویشی
کا بلا اجازت دودھ دوھ لینا گناہ ہے اور کسی بھوکے کو دودھ پلانا ثواب ہے
وغیرہ۔ اُن شکاری اور چوپان لوگوں کو زراعت و تجارت کے متعلق احکام سنانا
سراسر لغو کام تھا۔ اور اُن کی سمجھ ہی میں نہیں آسکتا تھا کہ ترازو کسکو کہتے ہیں اور
کم تولنا کیا ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس زمانہ میں نہ ترازو ایجاد ہوئی تھی نہ چیزوں کو وزن کرکے

لینے دینے کا عمل انسانوں میں رائج ہوا تھا۔ جب ہزاروں برس کی ترقی کے بعد انسان کاشتکار اور تاجر کے مرتبہ تک پہونچا ہوگا تو اس زمانہ میں ضرورت پیش آئی ہوگی کہ اسکو بتایا جائے کہ کم تولنا گناہ ہے اور پھر اسود ادینا ثواب۔ یا کسی دوسرے کے کھیت کو اپنے مویشیوں سے خراب کرا دینا گناہ ہے اور کسی دوسرے کے خرمن کی حفاظت کے لئے رات کو پہرہ دیدینا ثواب۔ یہی احکام اگر شکاری انسان کو ہزاروں برس پہلے سنائے جاتے تو وہ ان کو سمجھ ہی نہیں سکتا تھا اور اسکے لئے ان احکام کا سننا اور یاد رکھنا ایک بے نتیجہ اور لغو کام تھا۔ ہاں یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ تمام شریعتوں کے آنے اور نبیوں کے مبعوث ہونے کا منشا ایک ہی تھا۔ یعنی انسان کو خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہیں بتائی جائیں اور اس کی ذات وصفات کے متعلق صحیح اور ضروری علم سے آگاہ کر کے شرک سے بچایا اور توحید کا رستہ دکھایا جائے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ خدا تعالیٰ کا ایک نبی تو لوگوں کو توحید باریتعالیٰ کی طرف بلائے اور دوسرا نبی اُن کی گردنیں بہت سے بتوں کے آگے جھکائے۔ چنانچہ مسلمان اس بات کو مانتے اور اپنا جزو ایمان جانتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السّلام توحید ہی کی تعلیم دیتے اور انسانوں کو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کرتے رہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنَ ۝ (سورۂ انبیاء رکوع ۲)	اور اے پیغمبر ہمنے تم سے پہلے جب کبھی کوئی رسول بھیجا تو اس پر ہم یہی وحی نازل کرتے رہے کہ ہمارے سوا کوئی اور معبود نہیں تو لوگو ہماری ہی عبادت کرو

اس خاص معاملہ میں تمام انبیاء و رسل کی تعلیم ایک ہی رہی ہے۔ مگر شریعت میں چونکہ عقائد و عبادات کے علاوہ انسانوں کے تعلقات باہمی اور نوع انسان کے اخلاق کی تہذیب بھی شامل ہوتی ہے اور اس تہذیب اخلاق و تہذیب نفس ہی کے ذریعہ انسان سعادت انسانی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ لہٰذا شرائع الٰہی کے اس دوسرے اہم جزو کی بنا پر نبیوں اور شریعتوں کا بار بار دنیا میں آنا ضروری تھا

(۳)

خدائے تعالیٰ نے جو حقیقی رب ہے بنی اسرائیل کی تربیت و تہذیب روحانی کے لئے تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو بھیجا۔ راجپوتوں کی ہدایت کے لئے کیوں کسی کو

نہیں بھیجا۔ شام اور عراق والوں کے لئے تو حضرت نوح علیہ السّلام مبعوث ہوئے مگر دیش
اور دوابہ گنگ وجمن کے رہنے والوں کو کیوں محروم رکھا۔ نجد کے ریگستانی قبیلوں کے
لئے تو حضرت صالح علیہ السّلام اور حضرت ہود علیہ السّلام تشریف لائے مگر سندھ
کے ریگستانی علاقے والے کیوں بغیر ہادی کے رہے؟ اس سوال پر توجہ کرتے ہی
ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ جس طرح خدائے تعالیٰ نے ہر ملک کے لئے اُسکے حسب
ضرورت سامان پیدا کئے اور پرورش جسمانی میں کسی قسم کے بخل کو روا نہیں رکھا
اسی طرح تربیت روحانی کے لئے ضرور ہر ملک میں سامان مہیّا کئے ہونگے اور ہر ملک وقوم
میں ضرور اپنے رسول اور نبی بھیجے ہونگے۔ جو مذہبی کتاب۔ یا جو بانیٔ مذہب خدائے
تعالیٰ کی ہدایت اور الٰہی شریعت کو کسی ایک ہی ملک یا ایک ہی قوم سے وابستہ
قرار دیتا ہے وہ یقیناً تعلیم الٰہی کے خلاف کہتا ہے اور ایسا عقیدہ ہرگز قابل قبول نہیں
ہوسکتا۔ یہودیوں نے خدائی شریعت اور استحقاق رسالت کو صرف اپنی ہی قوم میں
محدود قرار دیا اور نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ (ہم اللہ کے بیٹے اور اُسکے دوست
ہیں) کہا اُن سے بڑھکر ہندوؤں اور آریہ سماجیوں نے بھارت ورش یعنی ہندوستان
ہی کو کلام الٰہی کے نزول کا مقام قرار دیکر باقی تمام ممالک کو محروم قرار دیا۔ اسی طرح
مجوسیوں نے ایرانیوں کے ساتھ پیغمبری کو مخصوص کر دیا۔ غرض بجز ایک اسلام کے
جسقدر مذاہب دنیا میں پائے جاتے ہیں اُن سب کی مذہبی کتابیں اس حقیقت
کے اظہار سے خاموش نظر آتی ہیں کہ ہر ملک اور ہر قوم میں خدا تعالیٰ کے بھیجے
ہوئے ہادی اور رسول آئے اور اُن کا آنا ضروری تھا مگر قرآن کریم صاف صاف
اس حقیقت کا اقرار کرتا اور دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں ہادیوں اور ہدایت
ناموں کے آنے کی تصدیق فرماتا ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (سورۂ رعد رکوع ۱)	اے پیغمبر تم تو عذاب خدا سے لوگوں کو ڈرانیوالے ہو اور ہر قوم کا ایک ایک ہدایت کرنیوالا ہو گذرا ہے۔
وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (سورۂ فاطر رکوع ۳)	اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی کہ اُس میں کوئی ڈرانیوالا یعنی رسول نہ گذرا ہو۔
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ	اور ہمنے تمسے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے

قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (سورۂ مومن رکوع ۸)	سو اُن میں سے بعض ایسے ہیں جنکے حالات ہمنے تمکو سنائے اور اُن میں سے بعض ایسے ہیں جنکے حالات ہمنے تمکو نہیں سنائے۔

دوسری کتابوں کا خاموش ہونا اور قرآن کریم کا صاف الفاظ میں اس حقیقت کا اظہار فرمانا دلیل اس امر کی ہے کہ وہ تمام کتابیں مختص الزمان اور مختص المکان ہدایت نامے تھے اور قرآن کریم تمام دنیا اور غیر محدود زمانہ کے لئے آخری ہدایت نامہ ہے (اس کا مفصل حال آگے آنے والا ہے)۔

(۴)

دنیا میں جسقدر مشہور مذاہب کسی نہ کسی ملک اور کسی نہ کسی قوم میں کبھی نہ کبھی رائج رہ چکے ہیں اگرچہ اب اُن کی کیسی ہی خراب اور ناقص حالت کیوں نہو اُن سب کی نسبت یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ جب کسی پیغمبر اور ہادی کے ذریعہ اُس ملک یا قوم میں جاری ہوئے ہونگے تو ضرور اُن میں توحید باری تعالیٰ اور معرفت الٰہی کی تعلیم ہوگی اور وہ اُس زمانہ کے لئے ضرور بہترین دستور العمل اور انسانی زندگی کے لئے مفید و بابرکت قوانین ہونگے۔ لیکن جب اُن مذاہب کا محدود زمانہ ختم ہوگیا اور دوسرے مذاہب کے آنے کی ضرورت پیش آئی تو دوسرے مذہب نے آکر پہلے مذہب کو منسوخ قرار دیدیا ہوگا۔ اس طرح یکے بادیگرے ملکوں اور قوموں میں بہت سے نبی اور بہت سے صحف سماویہ آئے ہونگے اُن صحف سماویہ کی چونکہ مقررہ محدود زمانہ گذرنے کے بعد ضرورت نہ تھی لہذا خدا تعالیٰ نے اُن کی حفاظت کا بھی کوئی سامان باقی نہ رکھا کیونکہ وہ نسل انسانی کے لئے منسوخ قرار پانے کے بعد کوئی ضروری چیز نہ تھے۔ ایک درخت جب خشک ہوجاتا ہے تو باغبان اُسکو غیر مفید سمجھکر کاٹ ڈالتا ہے۔ ایک کرسی جب بیٹھنے اور کام میں آنے کے قابل نہیں رہتی تو اُسکو سوختنی لکڑیوں کے انبار میں ڈالدیا جاتا ہے۔ اسی طرح مختص الزمان اور مختص المکان شریعتوں کی موجودہ حالت اور موجودہ کتابیں اپنی حالت میں ہرگز باقی نہیں ہیں اور نہ باقی رہ سکتی تھیں۔ سب تحریف و تبدیل کے عمل سے کچھ کی کچھ بن گئی ہیں۔ اندریں صورت ہم ہرگز دعویٰ نہیں کرسکتے کہ ہندو دھرم

عیسائی مذہب۔ یہودی مذہب۔ بودھ مت۔ مجوسی شریعت وغیرہ خدائی اور آسمانی مذاہب نہ تھے یا ان مذاہب کے بانی خدائتعالیٰ کے فرستادہ نبی اور رسول نہ تھے۔ ہاں ہم یہ کہنے کا حق ضرور رکھتے ہیں کہ یہ تمام مذاہب اپنی اصلی حالت میں باقی نہیں رہے اور ان مذاہب کی اصلی الہامی کتابیں بھی اصلی حالت میں محفوظ و موجود نہیں ہیں۔ ان مذاہب کے بانی اور جاری کرنے والے ہماری نگاہ میں موجب عزت اور مستحق اکرام ہیں۔ اُن کی شان میں گستاخی کرنے یا اُن کو بُرا کہنے کا حق ہمکو حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہاں جو لوگ اُن پورانے مذاہب کے منسوخ اور محرّف و مبدل ہو جانے کے بعد بھی انھیں مسخ شدہ مذاہب کی پابندی و پیروی کو ضروری سمجھتے ہیں وہ ضرور غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں خدائتعالیٰ نے ہر ملک کے باشندوں کو اُن کے حسب ضرورت جسمانی پرورش کے سامان عطا کئے ہیں۔ پہلے زمانہ میں جبکہ ایک شہر کا آدمی دوسرے شہر میں نہیں جا سکتا تھا اور ایک شہر کی پیداوار دوسرے شہر میں نہیں پھونچ سکتی تھی تو اس بے تعلقی اور جدائی کی حالت میں ضروری تھا کہ ہر شہر کے لئے ایک ایک ہادی منجانب اللہ مبعوث ہو۔ اس سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ ایک ہی وقت میں ایک ایک ملک کے اندر چار چار سو نبی بھی مبعوث ہوے ہیں۔ پھر جب زمانہ اور آگے بڑھا اور تمدنی ترقیات نے انسانوں کے تعلقات کو وسیع کیا تو بجائے ایک ایک بستی کے ایک ایک ملک کے رہنے والوں میں ایک ایک نبی یا رسول کا آنا کافی ہوا۔ پھر اسکے بعد ایسا زمانہ آیا کہ دو دو تین تین ملکوں میں تعلقات یگانگت پیدا ہوئے۔ بہار واودھ کے آم پنجاب والے کھانے کے عادی ہوئے۔ بلخ و بدخشاں کا مشک اور ہینگ سندھ والوں کی ضروریات میں شامل ہوا۔ اسی طرح تجارت و مبادلہ نے انسان کی ضروریات زندگی کو بڑھایا اور اس نے اپنے طرز ماند و بود میں ترقی کی طرف قدم اُٹھایا۔ ساتھ ہی ساتھ اسکے دماغی قوی میں نشو و نما ہوتی گئی اور ایسا ہونا ضروری تھا کیونکہ اس کو خدائتعالیٰ نے اپنی معرفت اور عبادت کے لئے نہایت وسیع استعدادیں دیکر پیدا کیا تھا۔ جب اس کی استعدادوں کے نشو و نما نے کئی کئی ملکوں کو ایک ایک ملک کی حالت میں تبدیل کر دیا تو ہادی بھی کئی کئی ملکوں کے لئے ایک ایک ہدایت نامہ لیکر آنے لگے کیونکہ خدائتعالیٰ جو واحد اور احد ہے اس نے نہ چاہا کہ دو ملکوں

کے باشندے جو آپس میں ایک دوسرے سے میل جول کر سکیں ملاقات کے وقت خداشناسی کے لئے جدا جدا اعمال کے عامل ہوں اور دونوں کا ایک ہی دستور العمل نہو۔ یہ بات یوں بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جب انسان نے اسقدر ترقی کرلی کہ دو ملکوں کے باشندے ایک دوسرے کی مدد اور تعلق سے اپنے ضروریات زندگی مہیا کریں تو ضرور ان کے مختص المقام امتیازات مٹ چکے تھے۔ اس حالت میں خدا تعالیٰ کی تعلیم کے ذیلی اور معمولی امتیازات کا باقی رہنا بھی ضروری نہ تھا۔ اس طرح ہادی چاہے دو یا زیادہ بھی ہوں مگر شریعتیں سب کی ایک ہی ہونی ضروری تھیں۔ جبکہ انسانی ترقیات نے کئی کئی ملکوں میں تعلقات پیدا کر دیئے تو اس ترقی کے زمانہ میں بڑے بڑے ہادی کئی کئی ملکوں کے لئے ہدایت نامے لیکر آئے جس طرح دنیا کے بادشاہوں کی مکمل فہرست تیار نہیں ہوسکتی اسی طرح ایسے ہادیوں کی بھی مکمل فہرست کہیں دستیاب نہیں ہوسکتی اور نہ ایسی فہرست کی کوئی ضرورت ہے۔

(۶)

جب تک قوموں اور ملکوں کے حلقے تنگ تھے قوموں اور ملکوں کی تعداد زیادہ تھی اسی طرح ہادیوں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ جوں جوں انسانی ترقی سے قوموں اور ملکوں کے حلقے وسیع اور تعداد کم ہوتی گئی اسی نسبت سے ہادیوں کی تعداد کم۔ ان کے ہدایت نامے زیادہ مفصل اور ان کے کام زیادہ اہم ہوتے گئے۔ پھر اسکے بعد ایک ایسا زمانہ شروع ہوا کہ ساری دنیا ایک ملک اور ایک شہر کے حکم میں ہونیوالی تھی اور ضرورت تھی کہ وہ خدا جو اپنی وحدانیت کے تقاضے سے دنیا کی ترقی کے ساتھ ساتھ انبیا یعنی ہادیوں کی تعداد کو کم کرتا اور ہمیشہ اُن کو وحدت ہی کے رنگ میں جلوہ افروز کرتا رہا اب حقیقی معنوں میں اپنی وحدت کا ثبوت دے اور دنیا میں ایسا ہادی بھیجے جو ساری دنیا کے لئے ایک ہی ہادی ہو اور اُسکو وہ ہدایت نامہ دے جو ساری دنیا کے لئے ایک ہی ہدایت نامہ ہو۔ سمجھدار لوگ بآسانی سمجھ سکیں گے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کا ثبوت دینے اور اپنی معرفت کا ایک کامل۔ مکمل۔ اتم طریقہ بتانے اور ایک ہادی بھیجنے کے لئے دنیا کو اپنی صفت ربوبیت کے ماتحت بتدریج ترقی دی۔ اور اس طرح اس کلام کے سمجھنے میں

ذرا بھی دقت واقع نہیں ہوتی کہ خدائے تعالیٰ نے یہ تمام کارخانہ صرف اُس ایک ہی ہادی کے لئے برپا کیا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وسلم۔

(۷)

اگر بنظر غور دیکھا جائے تو جو مدارج اور مراتب ایک انسان کی عمر میں پائے جاتے ہیں وہی مدارج اور وہی مراتب اس دنیا کی عمر یعنی نوع انسان کی عمر میں موجود نظر آتے ہیں ایک انسان شروع میں دودھ پیتا بچہ ہوتا ہے اُسکے بعد وہ دو تین برس کا چھوٹا لڑکا ہوتا ہے۔ پھر مکتب کا ابتدائی طالب علم پھر کسی عالم کا نوجوان شاگرد۔ پھر شادی شدہ جوان آدمی۔ پھر بچوں کا باپ۔ دودھ پیتے بچے میں علم و عقل کی موجودگی برائے نام ہی ہوتی ہے دو تین برس کے لڑکے میں کسی قدر نمایاں ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تبدریج ترقی کرتے ہوئے جب انسان چالیس سال کی عمر کو پہونچکر پختہ مغز انسان کہلاتا ہے تو علم و عقل کی استعدادیں مکمل ہو کر تمام انسانی ذمہ داریاں اُس پر عائد ہو جاتی ہیں مثلاً دودھ پیتا ہوا چھوٹا بچہ اپنی ماں کے بستر پر پیشاب پاخانہ پھر دیتا ہے اور اُس کا یہ فعل اُس کے لئے جائز سمجھا جاتا اور کوئی اُس کو ملزم قرار نہیں دیتا لیکن جب اُس کی عمر تین چار سال کے قریب ہو جاتی ہے اُس وقت اگر وہ بستر پر پاخانہ پھرتا ہے تو مجرم قرار دیا جاتا ہے اُس کی ماں اُسکو مارتی اور بُرا کہتی ہے کیونکہ اُس کا علم اور اُسکی عقل نشو و نما پاکر اب اس قابل ہو گئی ہے کہ وہ اپنی اس حرکت کی برائی کو سمجھ سکے۔ اس تین چار سال کی عمر میں اگر وہ ننگا پھرتا ہے تو مجرم نہیں سمجھا جاتا مگر جب اُس کی عمر آٹھ دس برس کی ہو جاتی ہے تو ننگا پھرنا اُسکے لئے جرم عظیم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آٹھ دس سال کی عمر میں وہ پانی یا مٹی سے کھیلتا اور اُچھلتا کودتا پھرتا ہے تو مجرم نہیں سمجھا جاتا لیکن اگر بیس سال کی عمر کا نوجوان ہو کر یہی کام کرتا ہے تو ملزم قرار دیا جاتا اور ہدف ملامت بنتا ہے۔ غرض عمر کی ترقی کے ساتھ ساتھ علم و عقل کی ترقی ہوتی ہے اور علم و عقل کی ترقی کے ساتھ ساتھ ذمہ داریاں بڑھتی اور پابندیاں لاحق ہوتی جاتی ہیں یہاں تک کہ وہ جب پختہ مغز انسان ہو جاتا ہے تو تمام ذمہ داریاں۔ پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں پھر اُنھیں پابندیوں اور اُنھیں ذمہ داریوں کے ماتحت وہ اپنی عمر گذار دیتا ہے۔ ایک انسان کی عمر کے مدارج کو جو اوپر مذکور ہوے اپنے ذہن میں رکھو اور اس دنیا یا نوعِ انسان پر غور کرو اوّل

اول نوع انسان وحشی اور چوپایوں کی مانند اس زمین پر زندگی بسر کرتی تھی نہ اُسکے پاس گھر تھا نہ در۔ نہ کپڑا تھا نہ برتن۔ نہ ہتھیار تھے نہ اوزار۔ وہ ابتدائی زمانہ نوعِ انسان کے لئے دودھ پیتے بچے کی عمر کے مشابہ زمانہ تھا اُس زمانہ میں اُس کا تمدن۔ اُس کی معاشرت۔ اُس کے اخلاق بہت ہی ابتدائی حالت میں تھے اور جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے اُس زمانہ کی شریعت میں بہت ہی مختصر اور معمولی درجہ کے چند احکام ہونگے۔ پھر اسکے بعد نوعِ انسان نے ترقی کر کے شکاری کا مرتبہ حاصل کیا جو تین چار سال کی عمر کے بچہ سے مشابہ زمانہ تھا اس حالت میں انسان کے تمدن۔ معاشرت اور اخلاق غرض ہر چیز کے اندر ترقی کا ہونا لازمی تھا لہذا اس حالت میں جو شریعت آئی ہوگی وہ زیادہ وسیع زیادہ مفصل اور زیادہ احکام کا مجموعہ ہوگا اور اُس نے پہلی شریعت کو اُسی طرح منسوخ کر دیا ہوگا جس طرح اُس چھوٹے بچے کا ماں کے بستر پر پاخانہ پھرنا تین چار برس کی عمر میں ناجائز ہو جاتا ہے۔ پھر انسان نے چوپان۔ کاشتکار۔ کاریگر۔ تاجر وغیرہ مدارج یکے بادیگرے طے کئے اور اُسکے علم وعقل اور تمدن و معاشرت و اخلاق میں جب کوئی نمایاں تبدیلی واقع ہوئی اُسی وقت اُسکے لئے حسب حال دوسری شریعت آگئی۔ یہاں تک کہ یہ دنیا یا نوعِ انسان اپنی پختہ مغزی کے مقام تک پہونچ گئی اور اُس میں ہر قسم کی استعدادیں موجود ومہیا ہوگئیں تو ایک کامل شریعت آگئی جو اُن آئین وقوانین اور اُن پابندیوں اور ذمہ داریوں کے مشابہ ہے جو ایک پختہ مغز انسان پر عائد ہوا کرتی ہیں اور جس طرح ایک پختہ مغز انسان کو مرتے وقت تک اُن تمام پابندیوں اور ذمہ داریوں کے ماتحت زندگی بسر کرنی پڑتی ہے اُسی طرح نوع انسان کے لئے اس آخری شریعت کی پابندی ضروری ہے اور قیامت تک کسی نئی شریعت کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورہ مائدہ رکوع ۱)	اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر چکے اور ہمنے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہمنے تمہارے لئے اسی دین اسلام کو پسند فرمایا۔

(۸)

مندرجہ بالا فقرات کو بغور ملاحظہ فرما لینے کے بعد اس بات کا سمجھ لینا کچھ بھی مشکل

نہیں کہ جو شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ میرا مذہب سب سے پورانا مذہب ہے اور میری مذہبی کتاب دنیا کے بالکل ابتدائی زمانہ کی نازل شدہ الہامی کتاب ہے وہ گویا دوسرے لفظوں میں یہ کہتا ہے کہ میرا مذہب سب سے زیادہ ناقص مذہب اور میری کتاب سب سے زیادہ ناقص کتاب ہے۔ کیونکہ جو کتاب نوع انسانی کی سب سے ابتدائی حالت میں نازل ہوئی وہ اُنھیں ابتدائی زمانہ کے غیر متمدن۔ کم علم۔ کم عقل لوگوں کیلئے قابل عمل تھی اور اسی لئے اُس زمانہ میں بھیجی گئی تھی جو شخص اس سب سے پورانی کتاب کی پابندی کے لئے فرمایش کرتا ہے وہ گویا ایک عاقل۔ بالغ۔ پختہ مغز انسان سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ چھوٹے بچے کی طرح برہنہ ہو جانے اور بستر پر پاخانہ پھرنے کیلئے آمادہ ہو سکتا ہے۔ قدیم مذاہب کے حالات تاریخوں۔ روایتوں۔ کہانیوں۔ مذہبی کتابوں۔ کتبوں۔ رسموں۔ زبانوں۔ کہاوتوں۔ محاوروں وغیرہ کے ذریعہ جسقدر تحقیق ہو سکے ہیں اُن سب پر نظر ڈالنے سے بھی یہ کلیہ آفتاب عالمتاب کی طرح روشن اور نمایاں نظر آجاتا ہے کہ ہادیوں اور ہدایت ناموں میں بھی وہی ترتیب و تدریج موجود ہے جو دوسرے جسمانی مقاصد کے سلسلہ میں دیکھی جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص جو اعلیٰ درجہ کا خوشنویس بننا چاہتا ہے اُسکو ابتداءً چند روز صرف الف بے کی مشق تختی پر کرنی پڑیگی۔ اسکے بعد چند روز تک مرکبات کی مشق تختی پر کریگا۔ پھر قطعات کی یا مثلاً جو شخص بی اے پاس کرنا چاہتا ہے اُسکو اول پرائمری کلاس میں بھی ضرور پڑھنا پڑیگا۔ اسی طرح ابتدائے آفرینش میں جبکہ دنیا عالم طفلی میں تھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نامے مختصر اور ہادی محدود افراد اور محدود زمانے کے لئے آتے تھے جو شریعت جسقدر زیادہ قدیم ثابت ہوئی ہے اُس میں اوامر و نواہی اور اخلاقی قوانین کی تعداد کم اور حیثیت بہت ہی معمولی پائی گئی ہے۔

(۹)

روئے زمین کے بعض حصے آج کل بھی ایسے پائے جاتے ہیں جہاں تھوڑی تعداد میں نہایت وحشی خاندان اور وحشی قبائل آباد ہیں جن کا تمدن نہایت ہی ادنیٰ اور جنکی معاشرت بالکل ابتدائی حالت میں ہے۔ ان وحشی اور غیر متمدن قبیلوں میں بھی مدارج پائے جاتے ہیں بعض ایسے ہیں جو نسل انسانی کی بالکل ابتدائی حالت کو یاد دلا رہے ہیں بعض محض شکاری

ہیں۔ بعض چوپان وغیرہ۔ پس جبکہ بنی نوع انسان میں آج بھی نوع انسانی کے تمام مدارج ومراتب موجود پائے جاتے ہیں تو سوال کیا جا سکتا ہے کہ تمام قدیمی کتابوں اور پورانے مذہبوں کی ضرورت بدستور موجود ہے لہذا کسی شریعت اور کسی کتاب کو کیوں منسوخ سمجھا جائے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ وحشی قبائل میدان ترقی میں نوع انسانی کے ہم سفر نہ رہ سکے ان کی حالت راستے میں رہے ہوئے مریضوں کی سی ہے جو اپنے ضعف ونقاحت اور آبلہ پائی کے سبب قافلہ سے چھوٹ کر راستے کے کنارے پڑے رہ جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے کتابوں اور شریعتوں کی تنسیخ وتجدید کے سلسلہ وانتظام کو ملتوی نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ نیز رفتار ترقی کے اسی اختلاف کا تقاضا تھا کہ دنیا کے تمام ملکوں اور تمام قوموں میں کتابیں اور شریعتیں ایک ہی وقت اور ایک ہی منتظم وقفہ سے منسوخ نہیں ہوئیں۔ کوئی شریعت کسی ملک میں سو برس تک منسوخ نہیں ہوئی اور کوئی کتاب پانسو برس تک کسی ملک میں قوموں کا دستور العمل بنی رہی اور اس طویل مدت میں کوئی اس کی ناسخ کتاب نازل نہ ہوئی اب جبکہ تمام کتابیں اور تمام شریعتیں منسوخ ہو کر تمام دنیا۔ تمام اقوام اور تمام ممالک کے لئے ایک مکمل شریعت اور کامل ہدایت نامہ آیا تو اس آخری اور کامل ہدایت نامہ میں نوعِ انسان کے تمام مدارج کی تربیت کا سامان اور سابقہ صحفِ سماویہ کی تمام ضروری اور مفید تعلیمات کا موجود ہونا ازبس ضروری تھا کیونکہ اس آخری ہدایت نامے نے بلا امتیاز ہر ایک شریعت اور ہر ایک ہدایت نامہ کو بوجہ اپنے کامل ہونے کے منسوخ کر دیا ہے اور یہ ہر طبقہ ہر حیثیت اور ہر قسم کے لوگوں کی ہدایت کے لئے کافی سامان رکھتا ہے۔ اگر اسکے اندر تمام صحف سماویہ کی لائی ہوئی پختہ صداقتیں موجود نہ ہوں تو اسکو کامل ہدایت نامہ نہیں کہا جا سکیگا۔ اسی لئے قرآن کریم فرماتا ہے۔

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (سورہ بینہ)

پیغمبر خدا کی طرف سے پاکیزہ صحیفے پڑھتا ہوا اور ان میں پختہ تعلیمات ہوں۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ (سورہ آل عمران رکوع ۱)

اے پیغمبر خدا نے تم پر یہ کتاب برحق اتاری جو ان صحف سماویہ کی تصدیق کرتی ہی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور اسی نے لوگوں کی ہدایت کے لئے توریت وانجیل اتاری

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا

اور اے پیغمبر ہمنے تمہاری طرف کتاب برحق اتاری کہ جو

لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ (سورہ مائدہ رکوع ۷)	کتابیں پہلے سے موجود ہیں اُنکی تصدیق کرتی ہے اور اُنکی محافظ بھی ہے جو کچھ خدا نے تمپر اتارا ہے اُسی کے مطابق ان لوگوں میں حکم دو اور جو حق بات تمکو خدا سے پہونچی ہے اُسکو چھوڑ کر انکی خواہشوں کی پیروی نہ کرو ہمنے وقتاً فوقتاً تم میں سے ہر ایک فریق کے لئے شریعت اور مسلک مقرر کئے تھے۔

شریعت اسلام

انسان کی جد وجہد اور سعی وکوشش کے استعمال کی ضرورت انسانی غفلتوں اور نفسانی تحریکوں کے ذریعہ ہمیشہ باقی رہتی ہے چنانچہ نسل انسانی پر ہمیشہ بے راہ روی اور عصیان وطغیان کے طوفان آتے رہے۔ خدائی رہبروں اور آسمانی ہدایت ناموں نے ہمیشہ ظلمانی ہیجان اور شیطانی طوفان کے فرو کرنے میں اپنی حیرت انگیز طاقتوں کا اظہار کیا ساڑھے تیرہ سو سال کے قریب عرصہ گذرتا ہے کہ دنیا میں سب سے بڑا طوفان عصیان نمودار ہوا جس سے تمام سطح ارضی جہالت کی ظلمت سے تیرہ و تار ہو گئی تھی۔ نسل انسانی اپنے ہادیوں رہبروں اور پیغمبروں کی تعلیمات کو یکسر فراموش کرکے انتہائی رذالت وجہالت اور بہیمیت کے قعر مذلت میں گری ہوئی ہر قسم کے شریفانہ اخلاق سے معرا ہو چکی تھی۔ ہندوستان میں عارف بدھ کی تعلیم ایسے نامعقول قالب میں ڈھل چکی تھی کہ یہاں کا ہر گھر بتخانہ بنا ہوا تھا اور اشرف المخلوقات کا سر روزانہ پتھروں کی مورتوں کے آگے جھکتا تھا۔ مہاراجہ اشوک اور راجہ کنشک کے زمانہ کا نظام وانتظام ناپید تھا۔ مہاراجہ بکرماجیت کے عہد سلطنت کا تصور بھی کسی کے ذہن میں نہیں آسکتا تھا سری کرشن کے نام کی سمرن جپنے والوں کی یہ کیفیت تھی کہ نہ صرف پتھر کی مورتوں بلکہ شرمگاہوں تک کو معبود بنا چکے تھے۔ ایران میں مہ آباد و زردشت کے آئین وقوانین نے مسخ ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پہونچادی تھی کہ مزدک نے ناموس ایرانی کو بہائم سیرتی کی قربان گاہ پر چڑھا دیا تھا جس کا اندازہ ہندوستان کے بام مارگیوں کی حالت سنکر کچھ کیا جاسکتا ہے۔ روما کی عظیم الشان سلطنت کے ٹکڑے ہو چکے تھے اس کے نیم وحشیانہ آئین وقوانین مسخ ہو کر اپنے اندر مظالم ومعائب اور بھی زیادہ مہیا وموجود اور محاسن کو جو بہت ہی کم تھے معدوم ومفقود کر چکے تھے۔ شام وروم میں رہبانیت نے نسل انسانی کی ترقیات کا دروازہ بند کرکے ہزار گونہ مفاسد کے دروازے

کھول دیئے تھے۔ ایران کی شہنشاہی ظلم و فساد کا مخزن تھی تو چین و ترکستان خونریزی و خونخواری کا مامن بنے ہوئے تھے۔ مصر کی حالت مذکورہ ممالک سے بھی پست تر تھی اور عجائب پرستی و وتوہم پرستی کے دریائے نیل کے ڈیلٹا میں متلاطم تھے۔ یورپ اگر ایک بیابانِ گرگستان بنا ہوا اپنی جہالت و حیوانیت کے صحراؤں میں مصروف خواب تھا تو تبت و منگولیا اپنی بہائم سیرتی و درندگی کے جنگلوں میں پڑے ہوئے اینڈ رہے تھے۔ ان تمام بدتمیزیوں اور جہالتوں کا مرکزی نقطہ اور تاریکیوں کا مرجع و منبع ملک عرب تھا جہاں بت پرستی کا جوش۔ بہائم سیرتی کا خروش۔ شراب خواری و قمار بازی کا طوفان۔ بیحیائی و خونریزی کا ہیجان سب کچھ یکجا موجود نظر آسکتا تھا۔ غرض دنیا کے کسی ملک اور کسی خطہ میں انسانی نسل اپنی انسانیت اور شرافت پر قائم نظر نہیں آتی تھی۔ بحر اور بر سب بگڑ چکے تھے ظہر الفساد فی البر والبحر۔ دنیا کی اس پست و ذلیل ترین حالت کو تبدیل کرنے کے لئے رحمت حق کو حرکت ہوئی اور خالق ارض و سما نے دعائے خلیل اور نوید مسیحا کو آفتاب ہدایت بنا کر ملک عرب میں پہلوئے آمنہ سے پیدا اور غار حرا سے طالع کیا۔ اس مہر منور نے طلوع ہو کر دنیا کی تاریکی کو دور اور صفحۂ عالم کو پر نور بنا دیا۔ بنی نوع انسان کی ضائع شدہ شرافت پھر واپس آئی۔ فرزندان آدم نے اپنی فطری حریت و آزادی کے مرتبہ کو پہچانا۔ دریاؤں۔ درختوں۔ حیوانوں اور پتھروں کے آگے جھکی ہوئی انسانی پیشانیاں بلند ہوئیں اور انسان نما لوگوں کو انسان۔ انسانوں کو با اخلاق انسان اور با اخلاق انسانوں کو باخدا انسان بننے کا موقع ملا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے کامل ہدایت نامہ بنی نوع انسان کو عطا ہوا۔

اس کامل ہدایت نامہ اور کامل ہادی کے لئے خدا تعالیٰ نے تمام دنیا کو تاریک اور اُس ملک و قوم کو جس میں وہ ہادی اور ہدایت نامہ نازل ہونے والے تھے سب سے زیادہ جاہل اسلئے بنا دیا تھا کہ وہ کامل ہادی اور کامل ہدایت نامہ نسل انسانی کی انتہائی جہالت و پستی سے لیکر انتہائی ترقی و فضیلت تک کے ہر ایک درجہ اور ہر ایک حالت کے لئے مفید اور کیمیا اثر ثابت ہو کر اپنے کامل ہونے کا ثبوت پیش کر سکے۔ ہادی کامل چونکہ بنی نوع انسان کے لئے کامل شریعت اور مکمل ہدایت نامہ لیکر آیا اسلئے ضرورت تھی کہ اصلاح اور تعلیم کا کام وہ دنیا کے سامنے پست ترین ملک اور جاہل ترین قوم میں شروع کرے اور اُس پست و جاہل قوم کو افضل ترین حالت تک پہونچا دے تاکہ انسانی

ترقیات کے ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک تمام مدارج طے ہو جائیں اور اس طرح آنحضرت صلعم کی زندگی کا اسوۂ حسنہ ہر ایک قوم اور ہر ایک زمانہ کے لئے مشعلِ راہ اور قابلِ تقلید نمونہ کا کام دے سکے۔ اسی حالت میں اُس ہادیٔ برحق کو کامل نبی اور خاتم الرسل کہا جا سکتا تھا۔ ورنہ اگر اُس زمانہ کے کسی ترقی یافتہ یا نسبتاً مہذب ملک میں وہ ہادی برحق مبعوث ہوتا تو اُس کی زندگی میں انسانی ترقیات کے بعض ادنیٰ مدارج کی مثالیں دستیاب نہو سکتیں۔ اس مدعا کو بآسانی سمجھنے کے لئے اس مثال پر غور کرنا چاہیئے کہ وہ اُستاد جس نے الف بے پڑھنے والی جماعت سے لیکر ایم اے کلاس تک کے طلبا کو کامیابی کے ساتھ تعلیم دی ہے اُس اُستاد سے جس نے صرف انٹرنس کلاس سے ایم اے کلاس تک کے طلبا کو تعلیم دی ہے یقیناً زیادہ مستحق اکرام اور قابلِ تبجیل ہے پہلا اُستاد فن تعلیم کے متعلق اگر کوئی کتاب اپنے تجربات کی بنا پر لکھیگا تو وہ یقیناً دوسرے اُستاد کی کتاب کے مقابلہ میں زیادہ کامل اور زیادہ نفع رساں ہوگی کیونکہ دوسرے اُستاد کی کتاب میں انٹرنس سے نیچے کی جماعتوں کے متعلق نفع رساں اور مجرب ہدایات و مشورے نہونگے۔ اسی طرح پرائمری سے انٹرنس تک تعلیم دینے والا اُستاد بھی پہلے اُستاد کا مدمقابل نہیں بن سکتا۔

حضرت نوح علیہ السّلام عراق عرب کے گمراہ لوگوں کو راہ راست پر لانیکی کوشش میں سیکڑوں برس مصروف تبلیغ رہکر بالآخر

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (سورہ نوح رکوع ۲)	اے میرے پروردگار ان کافروں میں سے کسی کو بھی زندہ آباد نہ چھوڑ۔

کی تلوار سے سب کا قصہ پاک کرنے پر مجبور ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے مصریوں اور ان کے متکبر بادشاہ کو راہ راست پر لانے کی امکانی کوشش فرمائی۔ لیکن بالآخر موسیٰ علیہ السّلام اور بنی اسرائیل نے وہ نظارہ دیکھا جس کی نسبت فرمایا گیا ہے۔

فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ (سورہ بقر رکوع ۶)	پھر ہمنے تمکو نجات دی اور تمھارے دیکھتے دیکھتے فرعون کے لوگوں کو ڈبو دیا۔

ہندوستان میں مہاراجہ رامچندر کو لنکا پر چڑھائی اور راکھشسوں سے لڑائی کرنی پڑی۔ سری کرشن مہاراج کو کرکشتر کے میدان میں ارجن کو جنگ پر آمادہ کرنا اور کوروں کی نافرمان جماعت کو پانڈوں کے ہاتھوں برباد کرانا پڑا۔ ایران میں زرتشت نے اسفندیار

کی پہلوانی اور سلطنت کیانی کی حکمرانی کو ذریعہ تبلیغ و اشاعت بنایا مگر پاستانی صحائف اور عمرانی روایات جو اہل نظر تک پہونچی ہیں سب کی سب متفق ہیں کہ تمام قابل تکریم بانیان مذاہب اور مستحق تعظیم ہادیان صداقت کیش کی کوششوں اور کامیابیوں میں یہ نظیر ہرگز ہرگز تلاش نہیں کی جاسکتی کہ پچیس سال سے کم مدت میں دنیا کا سب سے زیادہ پرفتن ملک یعنی جزیرہ نمائے عرب رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیرو اور مرید بنکر دنیا کا بہترین ملک اور عرب کے جاہل وحشی لوگ ساری دنیا کے معلم اور سب سے زیادہ مہذب و با اخلاق تھے۔ سو برس سے کم یعنی صرف اسی سال کے عرصہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے مذہب کے ماننے والے بحر اطلانٹک سے بحر الکاہل یعنی فرانس کے مغربی ساحل سے چین کے مشرقی ساحل تک یا یوں کہئے کہ تمام متمدن دنیا پر چھا گئے تھے۔ اس محیر العقول اور خارق عادت کامیابی کی نظیر اگر دنیا پیش نہیں کرسکتی اور تعلیم اسلامی کی خوبی اگر تمام قوانین مذاہب پر فائق اور محاسن ملل کی جامع ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیر البشر۔ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین ہونے میں کسی کو کیا کلام ہوسکتا ہے اور دنیا میں کس کا حوصلہ ہے جو آپ کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید کی اس لانظیر صفت اور اس ناقابل تردید دعویٰ اور خدائی وعدے کی تردید پر آمادہ ہوسکے کہ

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (سورۃ الحجر رکوع ۱)	قرآن مجید کو ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اسکی حفاظت کرینگے۔

شریعت اسلام کا اُس ابتدائی زمانہ اور اصلی حالت میں صحابہ کرام کے ہاتھوں ساری کی ساری متمدن اور اُس زمانہ کی کل معلوم دنیا میں یکایک پھیل جانا نہایت زبردست دلیل اس بات کی ہے کہ اُس زمانہ میں ساری دنیا ایک ملک یا ایک شہر کے حکم میں آنے کی استعداد پیدا کرچکی تھی اور ساری دنیا کے لئے ایک ہی کامل ہادی اور ایک ہی کامل ہدایت نامے کی ضرورت پیدا ہوچکی تھی اس سے پہلے کسی شریعت اور کسی الہامی کتاب کو یہ موقع نہیں مل سکا تھا کہ وہ دنیا کے ہر گوشے میں اسلام کی طرح پھیل سکے کیونکہ وہ شریعتیں اور وہ کتابیں محدود ملکوں اور محدود قوموں کے لئے تھیں نہ ساری دنیا کے لئے۔ قرآن مجید اور نبی کریمؐ سے پہلے مختص المکان اور مختص الزمان نبیوں اور کتابوں ہی کی ضرورت تھی نہ کامل نبی اور کامل کتاب کی۔

باب سوم

قرآن مجید

حفاظتِ قرآن تمام پہلے انبیاء چونکہ مختص الزمان ہدایت نامے لیکر آئے تھے لہذا اُن ہدایت ناموں کا اُن کی مقررہ مدت گذر جانے کے بعد اب تک موجود و محفوظ رہنا ضروری نہ تھا لیکن آخری کامل نبی چونکہ قیامت تک کے لئے کامل و مکمل ہدایت نامہ لے کر آیا ہے لہذا ضرورت تھی کہ خدائے تعالیٰ اِس ہدایت نامہ کو تحریف و تبدیل سے پاک اور محفوظ و موجود رکھنے کا خود سامان کرے اور اُس کے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری اپنی طرف منسوب کرکے بنی نوع انسان کو اطمینان دلائے چنانچہ قرآن مجید میں صاف صاف ارشاد الٰہی ہے کہ

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

ہمیں نے قرآن کو نازل کیا اور ہمیں اُس کی حفاظت کرنیوالے ہیں۔

اس آیت میں الذکر کے معنیٰ قرآن ہیں جیسا کہ دوسری جگہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (سورہ سجدہ رکوع ۵)

جن لوگوں نے الذکر کا انکار کیا وہ جہنمی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ عزت والی کتاب ہے باطل نہ اُس کے آگے سے اُس کے پاس پھٹکتا ہے نہ پیچھے سے حکیم اور قابل حمد معبود کی نازل کی ہوئی ہے۔

اِس کے آگے اور پیچھے سے جھوٹ کے نہ پھٹکنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس کتاب میں کوئی زاید لفظ داخل نہیں کیا جاسکتا اور نہ کوئی لفظ اس میں سے خارج کیا جاسکتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم واقعی قرآن مجید کو محفوظ پاتے ہیں یا نہیں؟ اور دوسروں کو اس کے محفوظ ہونے کا یقین دلا سکتے ہیں یا نہیں اور قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ نے جو وعدہ حفاظت کا فرمایا ہے وہ پورا بھی ہوا یا نہیں؟ ان سوالوں کے جواب میں آیات قرآنی کے نزول اور اُن کے فوراً حفظ کرنے لکھنے

اور ہمیشہ تلاوت میں رکھنے کے انتظام و اہتمام کا حال اس وقت بیان کرنا اور تاریخی شواہد سے دعوے کو موئد کرنا توموجب طوالت اور حفاظت قرآن کا بیان ایک مستقل جداگانہ تصنیف کا خواہاں ہے۔ سردست اسی قدر اشارہ کافی ہے کہ تم منکرین قرآن اور مخالفین اسلام کی لا انتہا دروغ بیانیوں اور ہزارہا خلاف اسلام کتابوں اور اعتراضوں میں کہیں بھی اس دعوے کی صداقت سے انکار نہیں پا سکتے کہ قرآن مجید تحریف و تبدیل سے پاک و مبرا ہے۔ ساری دنیا جبکہ اس دعوے کے سامنے سرنگوں ہے تو پھر ہم کو دلائل و براہین بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ گئی۔ پھر اس بات پر غور کرو کہ دنیا کے ہر ملک اور ہر حصہ میں قرآن کریم کو حفظ یاد رکھنے والے لاکھوں حفاظ موجود ہیں اور پچاس کروڑ مسلمان جو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں روزانہ کم از کم پانچ مرتبہ اپنی نمازوں میں قرآن کریم کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور پڑھ لیتے ہیں۔ قرآن مجید مراقش میں بھی پڑھا جاتا ہے اور وہاں اس کے حافظ موجود ہیں۔ چین میں بھی پڑھا جاتا ہے اور وہاں بھی اس کے حافظ موجود ہیں۔ سائبیریا میں بھی پڑھا جاتا ہے اور وہاں بھی اس کے حافظ موجود ہیں۔ بحرالکاہل کے جزیروں میں بھی پڑھا جاتا ہے اور وہاں بھی اس کے حافظ موجود ہیں عربی، ایرانی، افغانی، ہندوستانی، چینی، روسی، مصری، مراقشی، سیامی، جاوی سب آپس میں الگ الگ زبانیں بولتے۔ الگ الگ قسم کے لباس پہنتے اور جدا جدا تمدن و معاشرت رکھتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید ہر ایک سو الگ الگ سنو۔ اول سے آخر تک پورا قرآن سب کا ایک ہی ہوگا۔ اس کے پڑھنے میں ایک لفظ۔ ایک زبر۔ ایک زیر یا ایک نقطہ کا بھی فرق نہیں پایا جائیگا۔ جو قرآن ہم ہندوستان میں پڑھ رہے ہیں بالکل یہی قرآن انگلستان و جرمن اور فلسطین و حجاز میں پڑھا جا رہا ہے۔ اگر آج کوئی شخص قرآن مجید میں ایک لفظ کا اضافہ یا کمی یا تغیر کرنا چاہے تو ساری کی ساری دنیا میں ایک شور مچ جائے اور کم از کم پچاس کروڑ انسان متفقہ طور پر اس کی تردید و تغلیط پر آمادہ نظر آئیں۔ اگر خدا نخواستہ یہ ممکن ہو کہ کروڑوں نسخے قرآن مجید کے جو کتاب کی شکل میں کاغذ پر لکھے یا چھپے ہوئے ہر ملک میں لوگوں کے پاس موجود ہیں کسی طرح معدوم کر دیے جائیں یا دنیا میں کوئی ایسی ہوا چلے یا ہمارا نظام شمسی کسی ایسی فضا میں پہنچ جائے جس کے اثر سے ہر قسم کا کاغذ ہوا بن کر اڑ جائے اور اس طرح تمام لکھے اور چھپے ہوئے قرآن مجید دوسری کتابوں کے ساتھ معدوم ہو جائیں تو پھر بھی قرآن مجید دنیا میں محفوظ و موجود رہیگا کیونکہ لاکھوں انسانوں کے سینوں اور دماغوں میں وہ محفوظ ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ لکھے اور چھپے

ہوئے صحیفوں میں تو کاتب سے کسی زیر زبر یا نقطہ کی غلطی بھی ہو جاتی ہے جو درست کرنی پڑتی ہے لیکن حفاظ کے سینوں میں وہ اس قسم کی غلطیوں سے بھی محفوظ ہے۔ دنیا میں ہر ایک کتاب معدوم کیجا سکتی یا معدوم ہو سکتی ہے۔ ہر ایک کتاب میں خواہ کیسی ہی متداول کیوں نہ ہو ترمیم و تحریف ممکن ہے لیکن قرآن مجید کی نسبت ہرگز ہرگز ایسی باتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہر ایک سلطنت۔ ہر ایک حکومت اپنے حدود حکومت میں کسی کتاب کو ضبط اور اُس کا نام و نشان گم کر سکتی ہے۔ لیکن کوئی حکومت۔ کوئی گورنمنٹ قرآن شریف کو معدوم نہیں کر سکتی۔ ساری دنیا کے تمام بادشاہ مل کر کسی کتاب کا صفحۂ ہستی سے نام و نشان مٹانا چاہیں تو مٹا سکتے ہیں لیکن صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے کہ اُس کو صفحۂ ہستی سے نہ مٹایا جا سکتا ہے نہ اُس میں کوئی لفظ کم و زیادہ کیا جا سکتا ہے۔ دنیا میں کوئی بھی کتاب ایسی نہیں بتائی جا سکتی جسکی حفاظت کے ایسے زبردست اور محکم سامان کبھی فراہم ہوئے ہوں اور اُس کی اس طرح حفاظت کی گئی ہو پس مندرجہ بالا آیت اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُون کے کلام الٰہی ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے؟

دوسرے انبیاء اور دوسرے ہادی چونکہ مختص الزمان ہدایت نامے لائے تھے لہذا اُن ہدایت ناموں کا مقرر و متعین زمانہ گذرنے کے بعد محفوظ و موجود رہنا ضروری نہ تھا چنانچہ آج اُن میں سے کوئی ایک بھی اپنی اصلی حالت میں محفوظ و موجود نہیں ہے۔ تحریف و تبدیل کے ذریعہ وہ منسوخ ہدایت نامے یا تو مسخ ہو چکے ہیں یا حوادث روزگار نے اُن کو معدوم و فنا کر دیا ہے۔ اس جگہ تاریخ القرآن سے ایک لطیف و مختصر مضمون جس کا عنوان "دیگر کتب آسمانی" ہے نقل کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا

"قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ کتب آسمانی توریت، زبور اور انجیل کا ذکر کیا ہے اور اُن کی تعریفیں بھی فرمائی ہیں کہ ہدایت اور نور ہیں۔ لیکن اب ان اصل کتابوں کا دنیا میں وجود نہیں ہے۔ صرف ان کے ترجمے باقی ہیں جن کا مجموعہ بائبل ہے۔ بائبل میں عہد عتیق کی ۳۹ کتابیں ہیں جن کی نسبت ان کے معتقدین یہ کہتے ہیں کہ یہ اُن انبیاء سے ملی ہیں جو حضرت عیسیٰ سے پہلے تھے اور عہد جدید کی ۲۷ کتابیں ہیں جو حضرت عیسیٰ کے بعد الہام کے ذریعہ سے لکھی گئی ہیں۔ اِن میں سے بہت سی کتابیں پہلے خود عیسائیوں کے نزدیک نامقبول تھیں لیکن چوتھی صدی عیسوی میں مقام نائس، کارتھج اور فلارنس وغیرہ میں مسیحی علماء نے مشاورت

کی مجلسیں منعقد کر کے اِن مشکوک کتب کو بھی مقبول قرار دیدیا۔ اِن کتابوں کی حالت یہ ہے کہ بالکل بے سند ہیں۔ آج دنیا میں کوئی مسیح کا پیرو یہ نہیں بتلا سکتا کہ ان کا سلسلۂ اسناد کیا ہے اور کس ذریعہ سے اس کو یہ کتابیں ملیں تاکہ ہم کو معلوم ہو سکے کہ جن لوگوں کے توسل سے یہ حاصل ہوئی ہیں وہ معتبر تھے یا غیر معتبر تھے۔ اُنہوں نے بجنسہ ہم تک پہنچایا یا ان میں کچھ ردوبدل کر دیا۔ بخلاف اس کے قرآن کے ہزاروں اسناد ہیں جو مسلسل نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں۔ اور اسناد کو تو اہل اسلام نے اس قدر ضروری سمجھا ہے کہ حدیث اور تاریخ میں بھی بلا اس کے چارہ نہیں عقل کے نزدیک بھی بلا اسناد کے کوئی بات کیونکر معتبر ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کتابوں کے نامعتبر اور محرف ہونے کے اور بھی چند اسباب ہیں۔

(۱) چارلس ڈالمین نے لکھا ہے۔

"گذشتہ زمانہ میں لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ لوہے یا پیتل یا ہڈی کی سلائی سے لکڑی وغیرہ کی تختیوں پر لفظوں کے نقوش کندہ کئے جاتے تھے سب سے پہلے اہل مصر نے پیپرس کے درخت کے پتے ان تختیوں کے بجائے استعمال کرنے شروع کئے آٹھویں صدی عیسوی میں روئی اور ریشم سے کاغذ تیار ہوا۔ پہلے کتابیں ایک ہی طرف لکھی جاتی تھیں اور اُن کو پولنڈہ بنا کر رکھتے تھے۔ اُن کو کھولنے کے لئے بڑی جگہ درکار ہوتی تھی اور بہت دقت پیش آتی تھی۔ کتابوں کا لکھنا۔ ترجمہ کرنا۔ پڑھنا اور اُن کو حفاظت کے ساتھ رکھنا ایک مشکل کام تھا۔ نیز اِن میں قصداً یا اور کسی سبب سے تغیر تبدل کا واقع ہو جانا نہایت آسان تھا۔ ملحدوں کا خیال کرتے ہوئے اس قسم کی خرابیوں کی بائبل میں بہت زیادہ قابلیت تھی"

(۲) بخت نصر کے حملہ میں جب یہود پر تباہی آئی۔ لاکھوں مقتول اور ہزاروں قید ہوئے اس وقت عہد عتیق کے تمام نسخے برباد کر دئے گئے۔ یہاں تک کہ اگر عزرا نہ پیدا ہوتے جنہوں نے ان تمام کتابوں کو پھر لکھ کر مرتب کیا تو کتب مقدسہ کا نشان بھی نہ ملتا۔ لیکن عزرا کے بعد ہی ۱۶۷ ق م میں بادشاہ اینٹوکس نے بیت المقدس کو پھر فتح کیا اور یہودیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ عہد عتیق کے جس قدر نسخے جہاں سے اس کو مل سکے اُس نے جلوا دیے اور اعلان عام کر دیا کہ جس کے پاس عہد عتیق کی کوئی کتاب نکلے گی یا وہ شریعت کی رسوم ادا کریگا قتل کر دیا جائیگا۔ چنانچہ اس کی تصریح خود کتاب مقابیس اول کے پہلے باب میں ہے۔ ڈاکٹر ملز

لکھتے ہیں کہ یہ امر مسلم ہے کہ عہد عتیق کے تمام نسخے یروشلم اور ہیکل کے ساتھ بخت نصر کے لشکر کے ہاتھوں برباد ہو گئے۔ عزرا کے نسخوں کی نقلیں بھی حادثہ اینٹیوکس میں ضائع ہو گئیں اور ان کتابوں کی کوئی گواہی نہ تھی جب تک کہ مسیح اور اُن کے حواریوں نے شہادت نہ دی۔

(۳) ان کتابوں کے بعض بعض لغو مضامین اور انبیاء کے اوپر بیہودہ الزامات اس بات کی صاف شہادت دیتے ہیں کہ ان میں کثرت سے تحریف کی گئی ہے۔ مثلاً حضرت لوطؑ کی بیٹیوں نے اُن کو شراب پلائی اور اُن سے حمل لیا۔ حضرت ہارون نے گائے کا بچھڑا پوجا۔ حضرت سلیمان نے بت پرستی اور شرک کو اختیار کیا اور اسی حالت میں مرتے دم تک رہے۔ کیونکہ یہ اِس قسم کی باتیں ہیں کہ جو شخص انبیاء پر ایمان رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ اِن داغوں سے دامانِ نبوت قطعاً پاک ہے۔

علماء اہل کتاب کی دیانت پر نہایت تعجب ہوتا ہے کہ اُنہوں نے دنیوی اغراض سے وحی آسمانی اور کلام الٰہی میں تحریف کو روا رکھا۔ قرآن اُن کا ذکر کرتے ہوئے نہایت افسوس کے ساتھ کہتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ (سورہ بقر رکوع ۹)	افسوس ہے اُن اہل کتاب پر جو اپنے ہاتھوں سے کتابیں لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

تعجب ہے کہ بعض مصنفین اسلام نے یہ لکھا ہے کہ بائبل میں تحریف لفظی نہیں بلکہ معنوی ہے اس سے نہ صرف اِن کی بائبل کی حالت سے لاعلمی ظاہر ہوتی ہے بلکہ قرآن سے بھی کیونکہ قرآن اُن میں تحریف لفظی کا مدعی ہے۔

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ (سورہ نساء رکوع ۷)	وہ الفاظ کو اپنی جگہ سے بدل دیتے ہیں۔

چنانچہ بائبل سے تبدیل۔ اخراج۔ الحاق وغیرہ ہر قسم کی تحریف کی مثالیں پیش کیجا سکتی ہیں ڈاکٹر مل نے صرف چند اناجیل کا مقابلہ کیا تھا جن میں تیس ہزار اختلافات کے نشانات دیے تھے۔ خود بائبل میں تحریف کی اندرونی شہادت موجود ہے

تم کیسے کہتے ہو کہ ہم دانشمند ہیں۔ رب کی شریعت ہمارے پاس ہے یقیناً جھوٹے کاتبوں نے اس کو جھوٹ سے بدل دیا ہے (یرمیاہ اصحاح ۸۔ آیت ۸)

پھر اس کے بعد ہے۔

جب یہ گروہ تجھ سے پوچھے کہ رب کی وحی کیا ہے تو اُن سے کہہ دے کہ کونسی وحی

میں تم سے انکار کرتا ہوں کہ وہ قول رب کا ہے۔ جو نبی یا کاہن یا گروہ یہ کہیگا کہ رب کی وحی ہے۔ میں اُس کو سزا دونگا اور اُس کے گھر والوں سے بدلہ لونگا اسی طرح پر کہو تم آدمی اپنے ساتھی سے۔ بھائی اپنے بھائی سے کہ کیا جواب دیا رب نے اور کیا کلام کیا رب نے لیکن رب کی وحی اس کا ذکر نہ کرو کیونکہ بات ہر آدمی کی اُسی کی وحی ہوتی ہے۔ اِس لئے کہ تم نے تحریف کر ڈالا اللہ کے کلام کو۔ جو کہ زندہ اللہ۔ رب الافواج اور ہمارا معبود ہے (یرمیاہ اصحاح ۲۳۔ آیت ۳۳-۳۶)

اناجیل کی حیثیت ایک مشکوک تاریخ سے زیادہ نہیں۔ متی کی اصل انجیل دنیا سے مفقود ہے۔ اس کا صرف یونانی ترجمہ باقی ہے۔ لوقا اور مرقس وغیرہ حواری بھی نہ تھے چنانچہ تیسری ہی صدی عیسوی میں اناجیل کی صحت میں اختلاف واقع ہو گیا تھا اور بہت سے لوگوں نے یہی کہا کہ وہ حواریوں کی طرف غلطی سے منسوب ہیں۔ ایک انجیل جو برنا با حواری کی طرف منسوب ہے اور بابائے روم کے کتب خانہ سے دستیاب ہوئی تھی تھوڑا زمانہ ہوا کہ شائع کی گئی ہے۔ وہ چونکہ ابتدائے عہد سے عیسائیوں میں متروک تھی اِس لئے نسبتاً تحریف سے بھی محفوظ رہی ہے چنانچہ اُس کے اکثر مضامین قرآن سے مطابقت کھاتے ہیں

ہندو جو اپنے چاروں ویدیعنی رگوید۔ یجروید۔ شام وید۔ اور اتھرون وید کی قدامت کے قائل ہیں ان کے پاس بھی مطلق کوئی ثبوت اس بات کا نہیں ہے کہ یہ کتابیں آسمانی ہیں نہ وہ یہ بتا سکتے ہیں کہ کس سند سے یہ ہم تک پہنچیں اور کن لوگوں پر نازل ہوئیں۔ اور اُن کے آسمانی نہ ہونے کے بہت سے وجوہات ہیں۔ جن میں سے چند لکھتا ہوں۔

(۱) آسمانی کتاب کے لئے یہ لازم ہے کہ اپنے الہامی ہونے کی مدعی بھی ہو۔ قرآن نے سیکڑوں آیات میں تنزیل ہونے کا دعوی کیا ہے۔ لیکن اِن ویدوں میں سے کسی ایک میں بھی یہ دعوی نہیں پایا جاتا۔ اِس لئے یہ آسمانی کتابیں نہیں ہوسکتیں۔ ان کے معتقدین محض اپنی عقیدتمندی سے اس کو الہامی کہنے لگے ہیں۔

(۲) تاریخوں سے اِن ویدوں کی اصلیت کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ بعض ہندو قائل ہیں کہ اِن ویدوں کو بیاس جی نے جو زرتشت کے زمانہ میں تھے اور بلخ میں جا کر اُس کے مُرید ہو آئے تھے تصنیف کیا ہے۔ اسی وجہ سے ان کو وید بیاس جی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ویدوں کے منتروں کے آخر میں جن رشیوں کے نام آتے ہیں وہی لوگ اِن کے مصنف ہیں۔ پنڈت کرشن

کمار بھٹیاچاریہ جو پریزیڈنسی کالج کلکتہ میں سنسکرت کے پروفیسر تھے اُنھوں نے لکھا ہے کہ رگوید کے حصے اس ملک کے شاعروں اور رشیوں نے تصنیف کئے ہیں اور وہ مختلف زمانوں میں لکھے گئے ہیں۔ اتھروِن وید کے متعلق اکثر پنڈتوں کی تحقیق یہ ہے کہ وہ کسی برہمن کی بنائی ہوئی کتاب ہے جو بعد میں ویدوں کے ساتھ ملا دی گئی ہے۔ جوگ بشسٹ میں جو ہندوؤں میں ایک متبرک کتاب تسلیم کیجاتی ہے اور جو اُن تعلیمات کا مجموعہ ہے جو راجہ رامچندر جی کو اُن کے اُستاد نے دی تھیں لکھا ہے کہ صرف اتھروِن وید ہی کے وید ہونے میں بحث نہیں ہے بلکہ کل ویدوں کا یہی حال ہے اور کوئی اُن میں سے ایسا نہیں ہے جو تغیر و تبدل یا کمی بیشی سے خالی ہو

(۳) جب ہم ان ویدوں کے مضامین پر نظر ڈالتے ہیں تو ان میں توحید کم اور شرک بیشتر پاتے ہیں۔ اس کے مخاطب زیادہ تر چرواہے اور کسان ہیں۔ اس میں قمار بازی بھی ہے اور جا بجا حیوانی اور شہوانی جذبات کا ذکر ہے۔ بعض بیانات تہذیب سے عاری ہیں۔ پھر بھلا ایسی نامعلوم الحقیقت غیر مستند اور غیر مفید کتاب کیونکر آسمانی کہی جاسکتی ہے۔

الغرض قرآن کے سوا جن کتابوں کے آسمانی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ نامعتبر جنھوں نے اِن کو لکھا اُن کے حالات مجہول۔ جن زبانوں میں وہ نازل ہوئیں وہ زبانیں مردہ۔

فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ (سورۃ التکویر)	پھر تم کدھر جاؤ گے۔ یہ قرآن تو سارے جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے۔

(ختم ہوا انتخاب تاریخ القرآن کا)

پھر یہی نہیں کہ قرآن کریم کے الفاظ۔ آیات اور سورتیں ہی محفوظ ہیں بلکہ ہر ایک آیت کا محلِ نزول، شانِ نزول وغیرہ بھی سب محفوظ و معلوم ہے۔ نہ صرف لاکھوں آدمیوں کی قوت حافظہ اور لکھے ہوئے کروڑوں مصاحف ہی کے ذریعہ قرآن کریم کی حفاظت ہو رہی ہے بلکہ مسلمانوں کے دینی اعمال اور عبادات جُدا قرآن کریم کی حفاظت کر رہے ہیں۔ لغات القرآن ایک جُدا فن سمجھا گیا ہے۔ صرف و نحو۔ قرأت و تجوید۔ رموز و اوقاف۔ معانی و بیان۔ تفسیر۔ کلام، عقائد وغیرہ علوم سب قرآن کے خدمتگار سمجھے جاتے اور کم و بیش حفاظت قرآن کی خدمت بجا لاتے ہیں۔ قرآن مجید کی اشاعت اور سامان حفاظت میں آج تک روز افزوں ترقی ہی نظر آتی ہے کسی قسم کا تنزل یا کمی قطعاً کبھی محسوس نہیں ہوئی۔ یہ بھی دلیل اس امر کی ہے کہ قرآن مجید کو خدائے تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے ہدایت نامہ بنا کر بھیجا ہے۔ قران مجید

جس زبان میں نازل ہوا آج تک اُسی زبان میں بلا تغیر و تبدل محفوظ چلا آتا ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (سورۃ الانعام رکوع ۱۴) | اور تیرے رب کی بات انصاف اور راستی میں پوری ہوئی اُس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں۔

قرآن شریف کی زبان زندہ اور دنیا کی زبانوں میں بہترین و کامل زبان ہے۔ بخلاف اس کے توریت۔ زبور۔ انجیل۔ بائبل کے دیگر صحائف وید۔ ژندو پاژند وغیرہ کتابیں جن جن زبانوں میں نازل یا تصنیف ہوئیں آج اُن میں سے ایک زبان بھی زندہ نہیں اور دنیا کے کسی ملک اور کسی خطہ میں وہ زبانیں نہیں بولی جاتیں۔ قرآن شریف کا اکثر حصہ ہر ایک مسلمان نہ صرف پنجوقتہ نمازوں ہی میں روزانہ پڑھتا ہے بلکہ نمازوں کے علاوہ بھی عام طور پر ایک پارہ یا کم و بیش ہر شخص تلاوت کرتا ہے۔ مریضوں کے سامنے یہاں تک کہ قریب المرگ مریضوں کو بھی قرآن مجید پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ ہر سال رمضان شریف میں قرآن شریف تراویح میں ختم کیا جاتا اور ہر شخص معمول سے زیادہ تلاوت کرتا ہے۔ ہر ایک واعظ یا خطیب اپنے وعظ یا خطبہ میں قرآن کریم کی آیات ضرور پڑھتا اور لوگوں کو سناتا ہے۔ ہر ایک مسلمان جب رات کو سونے کے لئے بستر پر لیٹتا تو قرآن مجید کی سورتیں اور آیتیں ضرور پڑھتا ہے۔ جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا ہے وہ مسجد میں امام بنایا جاتا ہے۔ جو قرآن سب سے زیادہ سمجھتا ہے وہ قابل اطاعت سمجھا جاتا ہے اِس طرح قرآن کریم کے یاد کرنے اور سمجھنے کی اور بھی زیادہ تحریک ہوتی ہے۔ مندرجہ بالا تمام باتیں قرآن مجید کی حفاظت کے سامانوں میں شمار ہو سکتی ہیں۔

قرآن مجید ایک کامل اور ناطق کتاب ہے

کسی مذہب کی کوئی الہامی و آسمانی کتاب ایسی نہیں بتائی جا سکتی جس کو ہر ایک اعتبار سے قرآن کریم کی طرح کامل اور ناطق کہا جا سکے قرآن مجید اُن تمام اعتراضات کا جو اُس کے زمانۂ نزول میں کئے گئے اور اُن تمام الزامات کا جو آنحضرت صلعم پر لگائے گئے خود جواب دیتا ہے کسی دوسرے کی وکالت کا قطعًا محتاج نہیں۔ اسلام پر آج تک بھی جس قدر اعتراضات کئے گئے ہیں قرآن مجید نے اُن سب کا اصولی اور پختہ طور پر جواب خود ہی دیا ہے۔ قرآن مجید پر جب کسی نے جس قسم کا اعتراض کیا ہے اُس کا جواب قرآن مجید ہی سے اُس کو مل گیا ہے۔ قرآن مجید خود ہی اپنا کلام الٰہی اور لوگوں کے لئے کامل ہدایت نامہ ہونا بتاتا اور خود ہی اُس کے دلائل بھی بیان فرماتا ہے۔ یہ نہیں کہ مدعی سست گواہ چست والا مضمون ہو کہ اس معاملہ میں وہ خود تو خاموش ہو اور لوگ

اُس کو کلام الٰہی اور کامل ہدایت نامہ بتائیں۔ وہ ہر ایک مسئلہ اور ہر ایک بات کے متعلق خود دلائل وبراہین بیان فرماتا ہے یہ نہیں کہ وہ صرف دعوے اور احکام بیان کرے اور اُن دعاوی و احکام کے درست و صحیح ہونے کے دلائل کسی دوسری جگہ سے تلاش کیئے جائیں۔ یہ بھی ایک زبردست دلیل اس امر کی ہے کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام اور آخری مکمل ہدایت نامہ ہے۔ اس خصوصیت میں دنیا کی کوئی بھی کتاب قرآن مجید کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مثلاً نبوت کے سمجھنے اور نبی کے متعلق قیاس کرنے میں انواع و اقسام کی غلطیوں اور غلط فہمیوں میں لوگ مبتلا تھے اور اوہام پرستی کی بنا پر بہت سی باتیں لوگوں نے نبیوں کی نسبت اپنی طرف سے گھڑلی تھیں چنانچہ وہ نبوت کو بشریت سے بالاتر اور نبیوں کو ایک قسم کا خدا سمجھنے لگے تھے اسی لئے انہوں نے آنحضرت صلعم کو نبوت کا دعویٰ کرتے ہوئے سُن کر تعجب سے کہا کہ

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۱۱) کیا خدائے تعالیٰ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے!؟

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (سورۃ الفرقان ع ۱) — یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا اور بازاروں میں پڑا پھرتا ہے۔

پھر آنحضرت صلعم سے بطور طنز و طعنہ کے کہا کہ

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ○ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ○ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ○ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۱۰ — ہم تو اس وقت تک تم پر ایمان لانے والے ہیں نہیں کہ یا تو ہمارے لئے کوئی چشمہ زمین سے بہا نکالو یا کھجوروں اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو اور اُس کے بیچ بیچ میں تم بہت سی نہریں جاری کر دکھاؤ۔ یا جیسا تم کہا کرتے تھے آسمان کے ٹکڑے ہم پر لا گراؤ یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کر دو یا رہنے کے لئے کوئی تمہارا طلائی گھر ہو یا تم آسمان میں چڑھ جاؤ۔

اس قسم کے تمام اعتراضات و شبہات کا جواب قرآن مجید اس طرح دیتا ہے۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ (سورۂ انعام رکوع ۵) — اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا — اے پیغمبر لوگوں سے کہو کہ میرا اپنا ذاتی نفع نقصان بھی میرے

إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ (سورۂ اعراف رکوع ۲۳)

اختیار میں نہیں میں بہتیرا چاہوں مگر وہی ہو کر رہتا ہے جو خدا چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھ کو کسی طرح کا بھی گزند نہ پہنچتا۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ (سورۂ حم سجدہ رکوع ۱)

اے پیغمبر تم لوگوں سے کہو کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں مگر مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود بس وہی ایک معبود ہے۔

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ (سورہ انعام ع)

میں تو بس اُسی حکم پر چلتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَّبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ (سورۂ اعراف رکوع ۲۳)

میں تو اُن لوگوں کو جو ایمان لانا چاہتے ہیں دوزخ کا ڈر اور بہشت کی خوشخبری سنانے والا ہوں۔

إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُوْنَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (سورۂ زمر رکوع ۲)

اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ مجھ کو تو خدا کے یہاں سے یہی حکم ملا ہے کہ میں خالص خدا ہی کی فرمانبرداری مدنظر رکھ کر اُسی کی عبادت کیا کروں اور نیز مجھ کو یہ حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ (سورۂ انعام رکوع ۲)

اے پیغمبر کہو کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو اس صورت میں مجھے بڑے سخت دن یعنی روز قیامت کے عذاب سے بہت ہی ڈر لگتا ہے

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيِّيْنَ أَرْبَابًا (سورۂ آل عمران رکوع ۸)

اور وہ تم سے کبھی بھی نہیں کہیگا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا مانو۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (سورۂ آل عمران رکوع ۴)

اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو کہ اللہ بھی تم کو دوست رکھے۔

قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَأُوْحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ ط (سورۂ انعام رکوع ۲)

اے پیغمبر کہدے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور مجھ پر یہ قرآن بذریعہ وحی کے اُتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے میں تم کو اور اُن لوگوں کو جن کو یہ پہنچے آگاہ کروں۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ط (سورۂ مائدہ رکوع ۱۰)

اے رسول جو کچھ تیرے رب کے پاس سے تیری طرف نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں کو پہنچا دے اور اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو اُس کی رسالت کی تبلیغ نہیں کی۔

اتَّبِعُوْا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهِ أَوْلِيَاءَ (اعراف ع)

اُسی کی پیروی کرو جو تمہارے رب کے یہاں سے تمہاری طرف اُتارا گیا ہے اور اس کے سوا اور مولاؤں کی پیروی نہ کرو۔

پھر یہی نہیں کہ قرآن مجید نے اپنے زمانۂ نزول کے معترضین کا جواب دیا ہو بلکہ آج تک نئے نئے تجربوں اور نئی نئی سرگرمیوں کے نتیجے میں جو نئے علوم مدون ہوئے ہیں اور اُن علوم کی بنا پر جب کبھی کسی نے کوئی اعتراض قرآن مجید پر کیا ہے اُس کا جواب قرآن مجید نے ہمیشہ ایسا دیا ہے کہ معترض خود اپنی غلطی اور قرآن مجید کی صداقت تسلیم کرنے پر مجبور ہوا ہے چنانچہ یورپی علوم اور سائنس جدیدہ کی جس قدر ترقی ہوتی جاتی ہے اُسی قدر قرآن مجید کی عظمت کا زیادہ اظہار ہوتا جاتا ہے۔ مثلاً سر اسحٰق نیوٹن نے زمین کی کشش معلوم کی کہ ہر چیز کو زمین اپنی طرف کھینچتی ہے لیکن اسحٰق نیوٹن سے سیکڑوں برس پہلے قرآن مجید اس حقیقت کو بیان فرما چکا تھا کہ

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا (سورۃ المرسلات رکوع ۱)	کیا ہم نے زمین کو زندہ و مردہ ہر ایک کی سمیٹنے والی نہیں بنایا؟

یا مثلاً یہ بات اب تحقیق ہوئی ہے کہ اگر اس کرۂ زمین پر پہاڑ نہ ہوتے یعنی پہاڑوں کے نہ ہونے سے اس کرۂ ارض کا ثقل کم ہوتا تو آفتاب کی کشش اُس کو ساڑھے نو کروڑ میل کے فاصلہ پر نہ رہنے دیتی بلکہ یہ زمین اپنے موجودہ مدار اور مقررہ مقام کو چھوڑ کر آفتاب سے جا لگتی۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کا ذکر پہلے ہی سے اس طرح ہے کہ

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ (سورۃ الانبیاء رکوع ۳)	اور ہم نے زمین میں میخیں لگا دیں کہ جنبش نہ کرنے پائے۔

یا مثلاً اسّی نوّے (۹۰) سال کے قریب عرصہ گذرتا ہے کہ فرانس کے ایک ہیئت داں نے پہلی مرتبہ اپنی تحقیق کا اعلان کیا کہ نظامِ شمسی یعنی آفتاب معہ اپنے متعلقہ سیاروں کے کسی خاص سمت کو جا رہا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے آفتاب ساکن مانا جاتا تھا۔ اِس جدید انکشاف اور نئی تحقیق نے قرآنِ کریم کے اس بیان کی تصدیق کی کہ

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (سورہ یٰس رکوع ۳)	اور آفتاب ہے کہ اپنے ایک مستقر کی طرف کو چلا جا رہا ہے یہ اندازہ عزیز اور علیم خدا کا باندھا ہوا ہے۔

یا مثلاً ایک عرصہ دراز کے بعد یہ بات تحقیق ہوئی کہ سورج ذاتی طور پر روشن ہے اور چاند سورج سے روشنی پا کر عارضی طور پر منور ہے۔ قرآن مجید نے اس کے متعلق صاف فرما دیا تھا کہ۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا (سورۂ یونس رکوع ۱)	وہی قادر مطلق ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن۔

ضیاء، ذاتی روشنی کو اور نور عارضی روشنی کو کہتے ہیں۔
سورج اور چاند کی حرکت محوری کو محققین نے اب معلوم کیا ہے لیکن قرآن مجید پہلے فرما چکا ہے کہ

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (سورۂ رحمٰن رکوع ۱) | آفتاب و ماہتاب حسبان سے ہیں۔

اسی قسم کی ہزارہا باتیں ہیں جو دنیا کو پہلے معلوم نہ تھیں اب معلوم ہوئی ہیں لیکن جب اُن جدید باتوں کو لیکر کوئی شخص قرآن شریف پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو فوراً خود ہی مُنہ کے بل گر پڑتا ہے۔ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ قرآن مجید تہذیبِ اخلاق اور تہذیب نفس سکھانے والی اور رضائے الٰہی کی راہوں پر چلا کر سعادت انسانی تک پہنچانے والی کتاب ہے۔ وہ کوئی فلسفہ۔ سائنس یا ہیئت کی کتاب نہیں ہے نہ اُس کا یہ دعویٰ کہ میں نجاری۔ آہنگری۔ بیطاری وغیرہ کی تعلیم دینے آیا ہوں۔ لیکن کسی علم اور کسی فن کی طرف سے اگر قرآن مجید پر کوئی حملہ ہوتا ہے یا قرآن مجید کی کسی تعلیم کو غلط ثابت کرنے کی کوشش ہوتی ہے تو قرآن مجید چونکہ خدائے تعالیٰ کا بھیجا ہوا مکمل ہدایت نامہ ہے لہٰذا وہ اپنی صداقت اور معترض کی لغویت و حماقت کا بلا امداد غیرے خود ہی جواب دے دیتا ہے کیونکہ اُس نے شروع ہی میں دعویٰ کیا ہے کہ

لَا رَيْبَ فِيْهِ (سورۂ بقرہ رکوع ۱) اس میں کوئی شک اور ہلاکت کی بات نہیں ہے۔

قارئین کرام کو جو اس کتاب کا مقدمہ اور پہلا باب ملاحظہ فرما چکے ہیں غور کرنا چاہئے کہ جن معقولی دلائل سے دہریوں پر بھی اتمام حجت کیا گیا ہے وہ تمام کی تمام دلیلیں قرآن کریم ہی سے ماخوذ ہیں اور اب تک جو کچھ بھی بیان ہو سکا ہے قرآن مجید ہی کے سہارے سے بیان ہوا ہے۔

تعلیم قرآنی کی صداقت اور حقانیت اس قدر زبردست اور مردم افگن ہے کہ نہ صرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے زبردست شخص ہی اس کی چند آیات سُن کر اپنی فطری سعادت کے تقاضے سے از خود رفتہ ہو گئے اور نہ صرف کفار مکہ ہی نے تعلیمات قرآنی کا نام جادو رکھا بلکہ دنیا کی اُن تمام قوموں اور مذہبوں نے بھی جنہوں نے اپنے عناد و حسد کے سبب قرآن مجید کو علی الاعلان نہیں مانا مگر زبانِ حال سے اس مقولہ کی تصدیق کر دی کہ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ ملک عرب جو بت پرستی کا مرکز اور تنزل کی انتہائی گہرائی تھا قرآن مجید نے اس ملک سے بت پرستی کا نام و نشان گم کر دیا اور اپنی تعلیمات پر عامل بنا کر اُس کو تمام دنیا کا فاتح۔ معلم۔ مقنن اور مصلح بنا دیا۔ عیسائیت کی ناکامی و نارسی اپنے انتہائی نقطہ تک پہنچ چکی تھی اور دین کیتھلک

فرقہ کی بت پرستی نے یورپ کو جس قعرِ مذلت میں دھکیل دیا تھا۔ اس سے نکلنے اور سنبھلنے کے لئے جن اعمال اور جن اصولوں پر عیسائیوں نے عمل کیا وہ سب لوتھر کی کوششوں سے منسوب کئے جاتے ہیں لیکن کون نہیں جانتا کہ لوتھر نے عیسائیوں میں جو روشن خیالی پیدا کی وہ قرآنی تعلیم کا نتیجہ تھی۔ یہی سبب تھا کہ رومن کیتھلک فرقہ کے پیشواؤں نے لوتھر کو "محمدی کتے" کا خطاب دیا تھا۔ تم اندلس کے مدارس اور شام کے صلیبی حملوں کے نتائج اور یورپ کی بیداری کے تعلقات کو تاریخوں میں تلاش کرنے کی زحمت اگر گوارا نہیں کرسکتے تو آج عیسائیوں کی ترقیات کے حقیقی اور صحیح اسباب تلاش کرو اور اُن تمام اعمال کی ایک فہرست بناؤ جن کی وجہ سے عیسائیوں کو مادّی فوقیت دنیا میں حاصل ہے۔ تم حیران ہو جاؤ گے کہ اُن باعثِ فوقیت اعمال میں سے ایک کی تعلیم بھی تم کو انجیل میں نہ ملیگی اور قرآن مجید کی تعلیمات میں وہ سب کے سب موجود نگے۔ اسی طرح ہندوستان کی تاریخ کو پڑھو مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوؤں کے عقائد و اعمال کیا تھے اور اُن کی معاشرت کس قسم کی تھی نہایت غور و احتیاط کے ساتھ تلاش کرو پھر دیکھو کہ مسلمانوں کی آمد اور قرانی تعلیم سے روشناس ہونے کے بعد ہندوؤں کے عقائد اور اُن کے اعمال میں کس کس قسم کے تغیرات ہوئے اور آریہ سماج و برہمو سماج وغیرہ کی بنیادیں پڑنے تک ہندوؤں کے عقائد۔ اُن کی تصانیف اور اُن کی معاشرت وغیرہ میں کس کس قسم کی تبدیلیاں ہوئیں اور کیوں ہوئیں۔ پھر آج تک بھی یہ اصلاح کا سلسلہ کس طرح جاری ہے۔ قاضی محمد سلیمان صاحب نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمیں میں خوب ہی لکھا ہے کہ

جن قوموں اور مذہبوں نے قرآن مجید کی تعلیم کو علی الاعلان نہیں مانا اُنہوں نے بھی اپنی کتابوں میں جو سیکڑوں سال اس سے پہلے کی ہیں یا سیکڑوں سال بعد کی ہیں اسی تعلیم کے موجود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ صدق اللہ تعالیٰ لایاتیہ الباطل من یدہ ولا من خلفہ میرے فقرہ کا مطلب آپ پر واضح ہو جائیگا جب آپ یہودیت، عیسائیت، موبدیت، بودمت اور ہندومت کے سناتن یا آریہ دھرم کے حالات قبل از نزول قران مجید کو پڑھیں گے اور پھر بعد از نزول قرآنِ پاک آپ اِن مذاہب کی ترقیات تا زمانہ حال پر غور فرمائیں گے اور اِن ترقیات کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھتے جائیں گے کہ اس ملک میں اس انقلاب سے پیشتر قرانی تعلیم کا رواج ہو چکا تھا یا نہیں۔ اب خواہ کوئی قرآن کریم کے فیوض کو مانے جیسا مشہور بانیِ برہمو سماج کا حال ہے۔ یا جیسا کہ رومن کیتھولک نے لوتھر کو الزام دیتے ہوئے اس امر کا اظہار

گیا ہے کہ اس کے مسائل قرآن سے مستخرج ہیں۔ خواہ کوئی نہ مانے جیسا کہ بہت سے فرقوں کا حال ہے مگر عملاً اُنہوں نے قرآن مجید کی تعلیم کو لے لیا ہے لے رہے ہیں اور ہر ایک ترقی کنندہ قوم (علیٰ رغم الف) مجبور ہے کہ اس کی تعلیم کو لیتی رہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی کی بشارت سُناتا ہے۔

مولانا حافظ محمد اسلم صاحب نے بھی تاریخ القرآن میں خوب فقرہ لکھا ہے کہ۔

"کوئی ایسی تعلیم جو انسان کی روحانیت کے لئے مفید ہو اور دنیا کی کسی کتاب سے نکالی جا سکتی ہو یہ ناممکن ہے کہ وہ قرآن مجید میں نہ ہو"۔

تعلیماتِ قرآنی کا نمونہ

آدمی جب پیدا ہوتا ہے تو الٰہی علوم سے عاری ہوتا ہے

واللّٰہ اخرجکم من بطون امھٰتکم لا تعلمون شیئًا (سورہ نحل رکوع ۱۱) اور اللہ نے تمہیں نکالا تمہاری ماؤں کے اندر سے اور تمہیں کسی چیز کا علم نہ تھا۔

جب انسان عاقل و بالغ ہو جاتا ہے اُس وقت قرآن مجید جامع و مانع آداب سکھاتا ہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (سورہ اعراف رکوع ۳)

کھاؤ اور پیو اور بیجا کھانے پینے سے بچو اللہ نہیں پسند کرتا اسراف کرنے والوں کو۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ (سورہ مائدہ رکوع)

حرام کیا گیا تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جس پر غیر خدا کا نام پکارا جائے۔

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ

شراب اور جوا اور بت اور تقسیم کے تیر شیطانی کام ہیں اُن سے بچو تاکہ فلاح پاؤ۔ شیطان چاہتا ہے کہ تم میں عداوت اور بغض ڈالے شراب اور جوئے کے ذریعہ اور تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے پھر کیا تم باز آتے ہو یا نہیں۔

(سورہ مائدہ رکوع ۱۲)

آریہ ورت کے ماتنگی اور بام مارگی فرقہ کے لوگوں کو ماں سے بیٹی سے بہن سے بھوگ کر لینے میں تامل نہیں۔ بڑے بڑے ہندو راجا دو حقیقی بہنوں کو ایک وقت میں بیاہ لیتے تھے۔ ایران کے مزدکی بھی ہندوستان کے بام مارگیوں سے پیچھے نہ تھے۔ عرب میں بھی بعض بداحتیاطیاں موجود تھیں۔ ان ناپاک مراسم کی بیخ کنی کے لئے فرمایا۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَ
اَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ
وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ
وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ
وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ
الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ
اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا
بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (سورۂ نساء رکوع ۴)

حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں
اور پھوپیاں اور خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن
کی بیٹیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ
پلایا اور دودھ کی بہنیں اور تمہاری ساسیں اور وہ
لڑکیاں جو تمہاری گودوں میں ہیں اُن عورتوں سے
جن سے تم نے جماع کیا اور اگر تم نے اُن سے جماع نہیں
کیا تو تم پر اُن کے نکاح میں کوئی گناہ نہیں اور حرام کی
گئیں تمہارے اُن بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پیٹھوں سے
ہیں اور حرام کیا گیا تم پر ایک ہی وقت میں دو حقیقی بہنوں
سے نکاح کرنا ہاں جو گذر چکا اسلام سے پہلے تو اللہ غفور رحیم ہے۔

شادیوں میں نکاح کے بعد جھگڑے بھی پیدا ہو سکتے ہیں لہذا فرمایا

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ
(سورۂ نساء رکوع ۱)

جو عورت تمہیں پسند آئے اُس سے نکاح کرو۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً
(سورۂ نساء رکوع ۱)

اور اگر بے انصافی کا خوف ہو تو ایک ہی سے نکاح کرو

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْۤ
اَخْدَانٍ (سورۂ مائدہ رکوع ۱)

نکاح سے یہ غرض ہو کہ تم پابندی میں رہنے والے ہو نہ مستی
نکالنے والے اور نہ یارانے کے طور پر عورتوں کو رکھنے والے

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا
(سورۂ نساء رکوع ۳)

اور جائز نہیں کہ تم اکراہ سے عورتوں کے وارث بن جاؤ۔

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا (سورہ بقر رکوع ۲۹)

اور اُن کو ضرر دینے کے لئے مت روکو۔

وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ (سورۂ طلاق رکوع ۱)

اور اُن کو ضرر مت دو۔

فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ
وَاضْرِبُوْهُنَّ ـ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ
بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا
مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ

اور نافرمان عورت کو پہلے وعظ کرو پھر اُس کا بستر الگ کر دو
پھر خفیف سی مار مارو پھر بھی پھوٹ رہے اور اصلاح نہ ہو تو
دونوں خاندانوں کے چودھریوں کو جمع کرو اگر میاں بیوی کا یا
ان کا سچا ارادہ اصلاح کا ہوگا تو اللہ انہیں آپس میں موافق

اللّٰہُ بَیْنَھُمَا (سورۂ نسار رکوع ۶)

بنا دیگا۔

وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا (سورۂ نسار رکوع ۳)

اور عورتوں سے نیک برتاؤ کرو اور اگر تم اُنہیں ناپسند کرو تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کو تم ناپسند کرو اور اللہ اُس میں بڑی برکت اور خیر ڈال دے۔

امور معاشرت اور تعلقاتِ فیمابین کے متعلق فرمایا۔

لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا (سورۂ نور رکوع ۴)

اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل مت ہو جب تک اُن سے اجازت نہ لو اور داخل ہوتے ہی گھر والوں پر سلام کہو۔

وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِھَا (سورۂ بقر رکوع ۲۴)

اور گھروں میں دروازوں کی راہ سے داخل ہو۔

وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَا (سورۂ نسار رکوع ۱۱)

اور جب تمہیں سلام کہا جائے تو جواب میں اُس سے بہتر سلام کہو۔

وَاِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا (سورۂ مجادلہ رکوع ۲)

اور جب تمہیں نشست گاہوں میں کھل کر بیٹھنے کو کہا جائے تو کھل جایا کرو یعنی ہمنشینوں کے لئے جگہ کو تنگ نہ کرو۔

وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ (سورۂ لقمان رکوع ۲)

اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو۔

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (سورۂ بقر رکوع ۱۰)

ماں باپ سے۔ رشتہ داروں سے اور یتیموں سے نیک سلوک کرو اور لوگوں سے اچھی باتیں کرو اور خوش معاملگی کا برتاؤ کرو۔

مساواتِ حقوق و عدل۔

وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۝ (سورۂ رحمٰن رکوع ۱)

اور خدا نے ایک میزان مقرر کی کہ تم اُس میزان میں کسی طرح افراط تفریط نہ کرو اور انصاف کے ساتھ معیار کو درست رکھو اور میزان مقرر کردۂ الٰہی میں کسی قسم کی تقصیر نہ کرو۔

بہترین شخص وہ ہے جو نسل انسانی کا خیر خواہ ہے۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ

تم لوگ باقی لوگوں کے لئے ایک بہترین قوم صفحۂ ہستی پر لائے گئے ہو شرع و فطرت کے موافق حکم دیتے برائیوں سے منع کرتے

وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ (سورہ آل عمران رکوع ۱۲)	اور خدا کی ذات و صفات پر یقین کامل رکھتے ہو۔
وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (سورہ مائدہ رکوع ۱)	اور ایک دوسرے کی مدد کرو خدا ترسی اور نیکی کے کاموں میں اور مت مدد کرو بغاوت اور بدکاری کے کاموں میں۔

اخوت کی بنیاد۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (سورہ حجرات)	تمام مسلمان آپس بھائی ہیں۔

ترکِ شر کی نسبت فرمایا۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ (سورہ بقر رکوع ۲۳)	آپس میں ایک دوسرے کے مالوں کو ناحق نہ کھاؤ اور حکام تک بواسطہ اِن مالوں کے اِس لئے نہ پہنچنا چاہئے کہ کسی طرح لوگوں کا کچھ مال خرد برد کرلو۔
قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (سورہ نور رکوع ۴)	مومنوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں اور مومن عورتوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔
وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۴)	اور زنا کے نزدیک نہ جاؤ زنا تو بہت کھلی بیحیائی اور بری راہ ہے۔
اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورہ نور رکوع ۲)	جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بیحیائی کی باتیں پھیلیں اُن کے لئے دنیا اور آخرت میں عذاب الیم ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔
اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (سورہ نور رکوع ۳)	جو لوگ شوہردار سادہ بے خبر مومن عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں ملعون ہوئے اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہوگا جس دن اُن کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں اُن کے تمام کرتوتوں کی گواہی دینگے۔

ایصال خیر کی بابت فرمایا۔

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (سورہ آل عمران رکوع ۱۴)

اور غصہ کو پی جانیوالے اور لوگوں کو معاف کرنیوالے اور دوست رکھتا ہے اللہ احسان کرنے والوں کو۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (سورہ ممتحنہ رکوع ۲)

جن لوگوں نے تم سے جنگ نہیں کی دین کے بارے میں اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اللہ تم کو منع نہیں کرتا اس بات سے کہ تم اُن سے نیک سلوک کرو اور اُن سے انصاف کا برتاؤ کرو بیشک اللہ پسند کرتا ہے انصاف کرنے والوں کو۔

امانت و دیانت کے متعلق فرمایا۔

لَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ (سورہ نساء رکوع ۱)

کم عقلوں نشیب و فراز نہ سمجھنے والوں کو مال سپرد نہ کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَھْلِھَا (سورہ نساء رکوع ۸)

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے مالکوں کو واپس دو۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓي اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْھُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْھِمْ اَمْوَالَھُمْ (سورہ نساء رکوع ۱)

اور یتیموں کو جو تمہاری نگرانی کے نیچے ہیں اچھی طرح آزماؤ آخر جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں پھر اگر تم دیکھو کہ اُن میں رُشد و سعادت ہے تو اُن کے مال اُن کے سپرد کردو۔

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ (سورہ نساء رکوع ۱)

اور امانت کی اچھی قیمتی چیزوں کے بدلے میں خراب ردی چیزیں نہ دو یا حرام حلال کے بدلے نہ لو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِھِمْ نَارًا (نساء رکوع ۱)

جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۝ (سورہ انفال رکوع ۷)

اللہ تعالی خیانت کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (سورہ اعراف رکوع ۱۱)

اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ مچاؤ۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَي النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (سورہ تطفیف رکوع ۱)

کم تولنے والوں کے لئے ہلاکت ہے کہ جب دوسروں سے ماپ کرلیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب انہیں ماپ تول کردیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔

صلح کے متعلق فرمایا۔

اَلصُّلْحُ خَيْرٌ (سورۂ نسار رکوع ١٩)

وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (سورۂ انفال رکوع ١)

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (انفال رکوع ٨)

يَآاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (سورۂ نسار رکوع ١)

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (سورۂ فرقان رکوع ٦)

صلح خیر و برکت ہے۔

اور اپنی عداوتوں اور کینوں کی اصلاح کرو۔

اور اگر لوگ صلح کرنے پر مائل ہوں تو تو بھی صلح کی طرف جھک جا

اے لوگو ڈرو اپنے رب سے جس نے تمہیں پیدا کیا ایک جی سے اور پیدا کیا اس کی جنس سے اُس کا جوڑا اور پھیلائے اُن سے بہت مرد اور عورتیں اور ڈرو اللہ سے جس کے نام پر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور بچو قطع رحم سے بیشک اللہ تم پر نگراں ہے۔

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر صلحکاری سے چلتے ہیں اور جب جاہل اُن سے خطاب کریں تو سلامتی کی باتیں کرتے ہیں۔

حسن خلق کی بابت فرمایا۔

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ (سورۂ حجرات رکوع ٢)

مرد مردوں سے ہنسی اور تمسخر نہ کریں ہوسکتا ہے کہ وہی اُن سے اچھے ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے ہوسکتا ہے کہ وہی اُن سے اچھی ہوں اور ایک دوسرے کی نکتہ چینی اور عیب گیری مت کرو بُرے بُرے اور چھیڑ کے ناموں سے کسی کو مت پکارو مومن ہونے کے بعد یہ ناپاک نام بہت بُری بات ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ

اللہ حکم کرتا ہے عدل کا اور احسان کا اور رشتہ داروں کو دینے کا اور منع کرتا ہے بدکاری کی باتوں اور بُرے کاموں اور بغاوت سے تمہیں وعظ کرتا ہے تاکہ تم دھیان کرو۔

شجاعت کے متعلق فرمایا۔

اَلصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (سورۂ بقر رکوع ٢٢)

تکلیفوں، بیماریوں، قحطوں اور لڑائیوں میں صبر کرنیوالے وہی صادق ہیں اور وہی متقی۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا

وہ جنہیں منافقوں نے اطلاع دی کہ دشمنوں نے تمہارے

لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَّقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (آل عمران رکوع ۱۸) وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ (سورۂ انفال رکوع ۶)	مقابلہ میں بڑی فوج جمع کی ہے اب ان سے تمہیں ڈرنا چاہئے لیکن یہ بات سُن کر انکا ایمان بڑھ گیا اور کہنے لگے اللہ ہمارے لئے بس ہے اور بہت اچھا کارساز۔ اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جو اپنے گھروں سے گھمنڈ کے طور پر اور لوگوں کو دکھانے کے لئے نکلے۔

صدق کے متعلق فرمایا۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۝ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۝ (سورہ حج رکوع ۴)	بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی باتوں سے بچو اور اللہ کی طرف جھکنے والے اور شرک سے بیزار ہو جاؤ۔
كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ (سورۂ نساء رکوع ۲۰)	انصاف پر کھڑے ہو جانیوالے اللہ کے لئے گواہ بنو اگرچہ اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے برخلاف گواہی دینی پڑے
لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا (سورۂ مائدہ رکوع ۲)	کسی قوم کی عداوت کے سبب سے اُن سے بے انصافی مت کرو۔ انصاف کرو۔

رضا بالقضا کی نسبت فرمایا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (بقرہ رکوع ۱۹)	اور ہم تم کو آزمائیں گے کسی قدر خوف سے اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے کم کرنے سے اور خوشخبری دو صبر کرنیوالوں کو کہ جنہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے ہیں اور اُسی کی طرف رجوع کرنیوالے ہیں۔

سیاست کے متعلق فرمایا۔

أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (سورۂ نساء رکوع ۸)	کہا مانو اللہ کا اور رسول کا اور اپنے حکام کا۔
وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران رکوع ۱۷)	اور معاملات میں اُن سے مشورہ کر۔
وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (سورہ شوریٰ ع ۴)	اور مومن اپنے امور کو مشورہ سے طے کیا کرتے ہیں۔
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران ۱۱۰)	اور سب کے سب مل کر اللہ کے دین کو مضبوط پکڑو اور فرقہ فرقہ مت بنو

شرک کی مذمت۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (سورۂ نسا، رکوع ۱۸)

اور جو شخص کسی کو اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے وہ بہت گمراہ ہوا۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا (سورۂ نسا، رکوع ۷)

اور جس شخص نے اللہ کا شریک ٹھہرایا اُس نے بڑی بھاری بدی تراشی۔

ظاہری و باطنی طہارت و پاکیزگی

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (سورۂ بقر رکوع ۲۸)

اللہ دوست رکھتا ہے توبہ کرنیوالوں کو اور دوست رکھتا ہے پاک صاف ہونیوالوں کو۔

ایمان کے ذریعہ ہر اعلیٰ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران رکوع ۱۴)

آپ اپنے کو ذلیل نہ سمجھو اور رنجیدہ نہ بنو تم ہی سب سے برتر رہو گے اگر تم ایماندار ہو۔

سچے دین کی تعریف۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (روم رکوع ۴)

یہ خدا کی بنائی ہوئی سرشت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی بناوٹ میں ادل بدل نہیں ہوتی۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (شوریٰ رکوع ۲)

خدا نے تمہارے لئے دین کا وہ راستہ بنایا ہے جس کا حکم نوح کو دیا گیا اور پھر محمد صلعم پر اُس کی وحی بھیجی اور ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی اُسی کا حکم دیا تھا کہ دین پر سیدھے چلو اور اُس میں تفرقہ نہ ڈالو

ہستیٔ باری تعالیٰ پر ایمان لانے سے ہی انسان کے دل میں اخلاق فاضلہ کی ترغیب اور رذائل سے بچنے کی تحریک پیدا ہو سکتی ہے۔ دنیا کی بہت سی مذہبی کتابوں یعنی الہامی ہدایت ناموں میں خدا کی ذات پر ایمان لانے کی ترغیب تو مل سکتی ہے لیکن قرآن مجید کے سوا کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں جس میں ہستیٔ باری تعالیٰ کا ثبوت اور ضرورت باریتعالیٰ کے دلائل بیان کئے گئے ہوں۔ قرآن مجید نے ہستیٔ باری تعالیٰ کے متعلق بہت زور دیا ہے اور نہایت واضح دلائل کثرت سے پیش کئے ہیں جیسا کہ اِس کتاب کے گذشتہ اوراق میں بھی بعض دلائل مذکور ہو چکے ہیں۔

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۔ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ

(سورہ بقر رکوع ۲۰)

تمہارا معبود و مقصود و مطلوب ایک ہی ہے بجز اُس کے اور کوئی معبود نہیں وہ رحمٰن و رحیم ہے آسمانوں کی اور زمین کی بناوٹ میں ۔ رات اور دن کے اختلاف یا آگے پیچھے آنے میں اور جہازوں میں جو سمندروں میں چلتے ہیں لوگوں کی نافع چیزوں کو اپنے اندر لے کر اور بارش میں جو اللہ نے اوپر سے اُتاری پھر زندہ کیا اُس سے زمین کو خشک ہو جانے کے بعد اور پھیلائے اُس میں ہر قسم کے رینگنے والے اور ہواؤں کے ادلنے بدلنے میں اور بادلوں میں جو گھرے ہوئے ہوتے ہیں آسمان اور زمین کے درمیان نشانیاں ہیں عقلمندوں کیلئے۔

چونکہ محض ہستیٔ باری تعالیٰ کے دلائل انسان کو ہستی باری تعالیٰ کے اقرار پر مائل کر سکتے ہیں مگر ذاتِ الٰہی کے ساتھ کمال محبت اور اعلیٰ ایمان نہیں پیدا کر سکتے کہ مقاماتِ قرب اور رضوان الٰہی میسر ہو سکے لہٰذا قرآن مجید جہاں جہاں ہستیٔ باری تعالیٰ کے دلائل بیان فرماتا ہے اُن کے ساتھ ساتھ احسانات الٰہی کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے ۔ انسان فطرۃً اپنے محسن کے ساتھ محبت کرنے اور اُس کی اطاعت کے لئے آمادہ ہو جانے والا مخلوق ہوا ہے ۔ اسی لئے ضرورت تھی کہ دلائل کے ساتھ احسانات الٰہی کا ذکر کیا جائے ۔ یہ بھی فطرت انسانیہ کا تقاضا ہے کہ ہر شخص اپنے آپ سے زیادہ جاننے والے، زیادہ سمجھدار، زیادہ طاقتور کی بات کو قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھتا اور اُس کی ماتحتی کو اپنے لئے موجب فخر و عزت سمجھتا ہے اسی لئے قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ کی ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت مالکیت وغیرہ صفاتِ حسنہ کاملہ کا ذکر بار بار اور نہایت پُر زور و مُوثر طریقہ سے بیان ہوا ہے تاکہ انسان کا ایمان و یقین احکام الٰہیہ پر بڑھے اور وہ سعادتِ انسانی و رضوان الٰہی کے بلند مقام پر فائز ہو سکے جس کی نسبت ارشاد ہے کہ

قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ

(سورہ انعام رکوع ۲۰)

کہہ میری نماز اور قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا مسلم ہوں۔

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

ہاں جس نے فرمانبردار کیا اپنی ساری طاقتوں کو

فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورۂ بقر رکوع ۱۳)	اللہ کا اور وہ محسن بھی ہو پس اس کے لئے اجر ہے اُس کے پروردگار کے پاس اور ایسے لوگوں پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

صلح کلی کی دعوت۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (سورۂ بقر رکوع ۲۵)	ایمان والو دینِ اسلام میں (جو مبنی برامن ہے) بالکلیہ ہمہ تن داخل ہوجاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

قرآن مجید غیر مسلم لوگوں کی نگاہ میں

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

چیمبرز اِن سائکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ:-

"مذہب اسلام کا وہ حصہ بھی جس میں بہت کم تغیر و تبدل ہوا ہے اور جس سے اُس کے بانی کی طبیعت نہایت صاف صاف معلوم ہوتی ہے۔ اِس مذہب کا نہایت کامل اور روشن حصہ ہے اِس سے ہماری مُراد قرآن کریم کے اخلاق سے ہے ناانصافی، کذب، غرور، انتقام، غیبت، استہزاء، طمع، اسراف، عیاشی، بے اعتباری، بدگمانی، نہایت قابل ملامت بیان کی گئی ہیں۔ نیک نیتی، فیاضی، تحمل، صبر، بردباری، حیا، کفایت شعاری، سچائی، راستبازی، ادب، صلح، سچی محبت اور سب سے پہلے خدا پر ایمان لانا اور اُس کی مرضی پر توکل کرنا سچی ایمانداری کا رکن اور سچے مسلمان کی نشانی خیال کی گئی ہے"

مسٹر جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب "اپالوجی فار دی محمد اینڈ قرآن" میں لکھتے ہیں کہ

"اس بات کا خیال کرنا جیسا کہ بعضوں نے کہا ہے بہت بڑی غلطی ہے کہ قرآن میں جس عقیدہ کی تلقین کی گئی ہے اُس کی اشاعت بزور شمشیر ہوئی تھی۔ کیونکہ جن لوگوں کی طبائع تعصب سے خالی ہیں وہ سب بلا تامل اس بات کو تسلیم کرینگے کہ حضرت محمدؐ کا دین مشرقی دنیا کے لئے ایک حقیقی برکت تھا اور اس وجہ سے خاصکر اُس کو اُن خونریز تدبیروں کی حاجت نہ پڑی ہوگی جس کی حضرت موسیٰؑ کی بت پرستی کے استیصال کے لئے پڑی تھی۔ پس ایسے اعلیٰ وسیلہ کی نسبت جس کو قدرت نے بنی نوع انسان کے خیالات اور مسائل پر مدت دراز تک اثر ڈالنے کو پیدا کیا ہے گستاخانہ پیش آنا اور جاہلانہ مذمت کرنا کیسی لغو اور بیہودہ بات ہے جب ان معاملات پر خواہ اُس مذہب کے بانی کے لحاظ سے خواہ اُس مذہب کے عجیب و غریب

عروج و ترقی کے لحاظ سے نظر کیجائے تو بجز اس کے اور کچھ چارہ نہیں ہے کہ اس پر تہ دل سے توجہ کیجائے اِس امر میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا کہ جن لوگوں نے مذہب اسلام اور مذہب عیسائی کی خوبیوں کو بمقابلہ ایک دوسرے کے تحقیق کیا ہے۔ نیز غور کیا ہے اُن میں سے بہت ہی کم ایسے ہیں جو تحقیقات و تردد کے بعد اکثر اوقات اِس بات کے تسلیم کرنے پر مجبور نہ ہوئے ہوں کہ مذہب اسلام کے احکام بہت ہی عمدہ اور مفید مقاصد پر مبنی ہیں بلکہ اس بات کا اعتقاد کرنے پر بھی مجبور ہوئے ہیں کہ آخر کار مذہب اسلام سے انسان کو فائدہ کثیر ہوگا"

مشہور مؤرخ گبن (متوفی ۱۷۹۴ء) لکھتا ہے کہ

"قرآن کو مسلمانوں کا ایک عام مذہبی، تمدنی، ملکی، تجارتی، قومی، دیوانی اور فوجداری وغیرہ کا ضابطہ کہہ سکتے ہیں۔ وہ ہر ایک امر پر حاوی ہے، مذہبی عبادات سے لے کر رات دن کے کاروبار اور روحانی نجات سے لے کر صحت جسمانی، جماعت کے حقوق سے لے کر حقوق افراد، اخلاق سے لے کر جرائم اور دنیاوی سزا سے لے کر دینی سزا و جزا وغیرہ تک کے تمام احکام قرآن میں موجود ہیں اِسی سبب سے قرآن اور بائبل دو مختلف چیزیں ہیں کیونکہ کوب کہتا ہے کہ بائبل میں دینیات کا کوئی قاعدہ اور ضابطہ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں قصص ہیں جن سے عبادت و پرہیز گاری کے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں۔ قرآن اناجیل سے ملتا ہے کہ اُس کو ہم صرف مذہبی رایوں اور افعال کی اصلاح ہی کا معیار قرار دیں بلکہ بخلاف اُس کے قرآن میں سیاسی اصول بھی موجود ہیں انہی اصول پر حکومت کی بنیاد پڑی۔ انہی سے ملکی قوانین اخذ کئے جاتے ہیں اور روزمرہ کے مقدمات جانی و مالی فیصل ہوتے ہیں"

راڈویل لکھتا ہے کہ

"قرآن میں ایک نہایت گہری حقانیت ہے جو اُن لفظوں میں بیان کی گئی ہے جو باوجود مختصر ہونے کے قوی اور صحیح رہنمائی اور الہامی حکمتوں سے مملو ہیں"

مسٹر جان ڈیون پورٹ نے ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ

"منجملہ ان خوبیوں کے جن پر قرآن فخر کرسکتا ہے دو نہایت ہی عیاں ہیں ایک تو وہ مؤدبانہ انداز اور عظمت جس کو قرآن اللہ کا ذکر یا اشارہ کرتے ہوئے ہمیشہ مدنظر رکھتا ہے کہ وہ اُس کی طرف خواہشات رذیلہ اور انسانی جذبات کو منسوب نہیں کرتا کہ وہ تمام نامہذب اور ناشایستہ خیالات حکایات اور بیانات سے بالکل پاک ہے جو بدقسمتی سے یہود کے صحیفوں میں عام ہیں۔ قرآن تمام ناقابل انکار عیوب سے مبرا ہے۔ اس پر خفیف سے خفیف حرف گیری نہیں ہوسکتی اس کو شروع سے

آخر تک پڑھ جائیے مگر تہذیب کے رخساروں پر ذرا بھی جھیپ کے آثار نہیں پائے جائیں گے۔"
جرمن مستشرق عمانوئیل ڈیوش لکھتا ہے کہ
اس کتاب قرآن مجید کی مدد سے عربوں نے سکندر اعظم اور رومیوں کی سلطنتوں کی بڑی دنیا فتح کرلی۔ فتوحات کا جو کام رومیوں سے سیکڑوں برس میں ہوا تھا عربوں نے اُسے اس کے دسویں حصہ وقت میں انجام پر پہنچایا۔ اسی قرآن کی مدد سے تمام سامی اقوام میں صرف عرب ہی یورپ میں شاہانہ حیثیت سے داخل ہوئے۔ جہاں اہل فنیشیا بطور تاجروں کے اور یہودی لوگ پناہ گزینوں اور اسیروں کی حالت میں پہنچے۔ ان عربوں نے بنی نوع انسان کو روشنی دکھلائی جبکہ چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ان عربوں نے یونان کی عقل و دانش کو زندہ کیا اور مغرب و مشرق کو فلسفہ، طب اور علم ہیئت کی تعلیم دی اور موجودہ سائنس کے جنم لینے میں انہوں نے حصہ لیا۔ ہم ہمیشہ اس روز کا ماتم کرینگے جس دن غرناطہ عربوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔"
ڈاکٹر سموئیل جانسن لکھتا ہے کہ
"قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر ہیں اور ہر زمانہ کے لئے اس قدر موزوں ہیں کہ زمانہ کی تمام صدائیں خواہ مخواہ اس کو قبول کرلیتی ہیں اور وہ محلوں۔ ریگستانوں شہروں اور سلطنتوں میں گونجتا ہے۔ قرآن نے اول تو اپنے منتخب قلوب کو تمام دنیا کے فتح کرنے کے لئے مشتعل کردیا اور اس کے بعد وہ ایسی کارکن قوت بن گیا جس کے ذریعہ سے جس وقت عیسائیت تاریکی کی ملکہ بنی ہوئی تھی یونان اور ایشیا کی تمام روشنی عیسائی یورپ کے گہرے اندھیرے میں پہنچی۔"
مارگولیتھ انگریزی ترجمۂ قرآن مترجمہ راڈویل کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ
قرآن نے اول تو جزیرہ نما عرب کے مختلف صحرائی قبیلوں کو ایک مشاہیر کی قوم میں تبدیل کردیا اور اس کے بعد اس نے اسلامی دنیا کی وہ عظیم الشان سیاسی مذہبی جمعیتیں قائم کیں جو آج یورپ اور مشرق کے لئے ایک بڑی طاقت کا درجہ رکھتی ہیں۔ قرآن کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس جدید علمی اور فلسفی تحریک کا آغاز کرنیوالا ہے جس نے ازمنہ وسطیٰ میں بہترین دل و دماغ رکھنے والے یہودیوں اور عیسائیوں

پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ تحقیقات سے یہ ظاہر ہوگیا ہے کہ یورپ میں علم کے دورِ جدید سے کئی صدیوں پیشتر یورپ کے علمائے فلسفہ، ریاضی، ہیئت اور دیگر علوم کے متعلق جو کچھ جانتے تھے وہ تقریباً سب کا سب اصلی عربی کتابوں کے لاطینی ترجموں کے ذریعہ سے انہیں حاصل ہوا تھا۔ قرآن ہی نے شروع میں کنایۃً اِن علوم کو حاصل کرنے کا ذوق شوق عربوں اور اُن کے دوستوں میں پیدا کیا تھا"

مشہور جرمن فاضل گوئٹے لکھتا ہے کہ

قرآن جلد اپنی طرف متوجہ کرلیتا ہے اور متحیر کردیتا ہے اور آخر میں ہم اس کی عزت اور احترام کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں ..... اس طرح یہ کتاب تمام زمانوں میں نہایت قوی اثر کرتی رہیگی۔

لڈولف کرہیل (جنے ۱۸۸۴ء میں آنحضرت صلعم کے حالات شائع کئے تھے) لکھتا ہے کہ

"قرآن میں عقائد، اخلاق اور ان کی بنا پر قانون کا مکمل مجموعہ موجود ہے اس میں ایک وسیع جمہوری سلطنت کے ہر شعبہ کی بنیادیں بھی رکھدی گئی ہیں۔ تعلیم۔ عدالت۔ حربی انتظامات۔ مالیات اور نہایت محتاط قانونِ غربا وغیرہ کی بنیادیں خدائے واحد کے یقین پر رکھی گئی ہیں"۔

ڈاکٹر گستاولی بان فرانسیس اپنی کتاب تمدن عرب میں لکھتا ہے۔

کسی مذہبی کتاب کے فوائد عامہ کا اندازہ کرتے وقت یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ اس میں فلسفی خیالات کیسے ہیں (کیونکہ یہ عموماً بہت ہی کمزور ہوا کرتے ہیں) بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ جن اعتقادات دینی کی تعلیم اُس کتاب میں دی گئی ہے انہوں نے دنیا میں کیا اثر پیدا کیا اور جس وقت اسلام کو اس نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ دنیا کے اُن مذاہب میں جنہوں نے قلوب پر حکومت کی ہے یہ ایک نہایت عالیشان مذہب ہے۔ البتہ اسلام میں بھی نیکی، انصاف، عبادت وغیرہ کی ویسی ہی تعلیم ہے جیسی کل اور ادیان میں ہیں لیکن یہ تعلیم ایسی سادگی اور وضاحت کے ساتھ کی گئی ہے کہ ہر شخص کی سمجھ میں آتی ہے۔ اسلام قلوب میں اس قسم کا زندہ اور پرزور جوشِ ایمان پیدا کردیتا ہے کہ پھر اُس میں مطلقاً شک اور تذبذب کی گنجایش نہیں رہتی۔ ..... اسلام وہ مذہب ہے جس کے اعتقادات کا خاصہ یہ ہے

کہ ہمارے اخلاق کو نرم کریں اور ہم میں نیکی اور انصاف اور دوسرے مذاہب کی رواداری پیدا کریں ..... مذہب اسلام کے اعتقادات کو زمانہ نہیں مٹا سکا اور آج بھی اُن کا اثر ویسا ہی پر زور ہے جیسا پہلے تھا ہمارے اس زمانہ میں جبکہ اسلام سے کہیں پُرانے مذاہب کی حکومتیں قلوب پر سے کم ہوتی جاتی ہیں قانونِ اسلام کی وہی پہلی حکومت اس وقت تک قایم ہے ..... اُن آیات قرآنی میں جو اوپر نقل کی گئیں ہم دیکھ چکے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے اپنے ماقبل کے مذاہب کی اور علی الخصوص مذہب یہود و نصاریٰ کی بے انتہا رواداری کی ہے یہ اُس قسم کی رواداری ہے جو مذاہب کے بانیوں میں نہایت شاذ ہے"

راڈویل اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ

"یہ ضرور تسلیم کرنا پڑیگا کہ اللہ تعالیٰ کا جو تخیل بلحاظ صفات - قدرت - علم - عام ربوبیت اور وحدانیت کے قرآن میں موجود ہے اس بنا پر قرآن بہترین تعریف اور توصیف کا مستحق ہے - اِس کتاب میں آسمان و زمین کے واحد خدا پر کامل یقین اور بھروسہ کی گہری اور پُر جوش تعلیم موجود ہے - قرآن نے یہ ثابت کردیا ہے کہ اِس کتاب کی تعلیم میں ایسے عناصر موجود ہیں جن کے ذریعہ سے زبردست اقوام اور فتوحات کرنیوالی سلطنتیں بن سکتی ہیں .... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا سیدھے سادھے چرواہے اور عرب کے بادیہ گرد بدوی لوگ ایک ساحر کی طلسمی چھڑی کی مدد سے یکایک سلطنتوں کے بانیوں - بڑے شہروں کے تعمیر کرنے والوں اور کتب خانوں کے قایم کرنیوالوں کی حیثیت میں منتقل ہو گئے ..... قرآن مجید اس قوتِ عظیم کا حامل ہے اور اس کی تعلیم میں وہ اصول موجود ہیں جو علمی قوتوں کا سرچشمہ ہیں ...... بہ حیثیت ایک مجموعۂ قوانین ہونے کے اور بہ حیثیت اپنے مذہبی نظام تعلیم کے اِس کتاب کی فوقیت اور خوبیوں کا اندازہ ان تبدیلیوں سے ہوسکتا ہے جو اس کتاب کے ذریعہ سے ان لوگوں کے عادات و اطوار اور عقائد میں واقع ہوئیں جنہوں نے اِس کتاب کو قبول کیا ..... قرآن بیشک اپنے پیرو کیلئے باعثِ رحمت و برکت ہے"

قرآن کو ہم نے مومنوں کے لیے شفا اور رحمت کر کے بھیجا ہے۔	وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنی اسرائیل رکوع ۹)

باب چہارم

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آخری اور کامل شریعت لے کر جو آخری اور کامل نبی آئے اور انسانوں کے لیے اپنا کامل نمونہ پیش کرے اُس کے لئے ضروری ہے کہ

(۱) انبیائے سابقین کے ذریعہ خدائے تعالیٰ نے اُس کے آنے کی خبر دی ہو اور لوگوں کو اُس کامل نبی کی آمد کا اُمیدوار بنا کر اُس کے علوئے مرتبت کا اظہار فرمادیا ہو یعنی جس طرح اُس خاتم اور کامل نبی کے لئے ضروری تھا کہ وہ تمام انبیائے سابقین کی تصدیق کرے (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے) اسی طرح انبیائے سابقین بھی اُس کے مصدق ہوں تاکہ اُس کے مخاطبین پر جن میں پیروانِ انبیائے سابقہ کی بھی کافی تعداد کا ہونا ضروری ہے اتمامِ حجت پوری ہو سکے۔

(۲) پہلے تمام نبی چونکہ محدود مدت تک کے لئے شریعتیں لے کر آئے تھے لہٰذا اُن کے نمونہ یا اُن کی زندگی کی محدود مدت تک ہی ضرورت تھی یعنی اُن کی زندگیوں کے تفصیلی حالات کا آج تک محفوظ رہنا ضروری نہ تھا چنانچہ وہ محفوظ نہیں رہے لیکن اس آخری نبی کی زندگی کے تفصیلی حالات کا قیامت تک محفوظ رہنا ازبس ضروری ہے کیونکہ اس کی زندگی قیامت تک کے لئے نمونہ اور دستور العمل ہے۔

(۳) پہلے تمام انبیاء چونکہ محدود زمانہ اور محدود اقوام کے لئے ہادی بن کر آئے تھے لہٰذا اُن کی زندگیوں میں انسانی زندگی کے ہر ایک شعبہ اور انسانی طبقات میں سے ہر ایک طبقہ کے لیے نمونہ کا ہونا ضروری نہ تھا لیکن یہ آخری اور کامل نبی چونکہ ہر ایک قوم اور ہر ایک ملک اور قیامت تک کے لئے نمونہ بن کر آیا ہے لہٰذا اس کی زندگی کے ہر ایک شعبہ اور انسانوں کے ہر ایک طبقہ کے لئے نمونہ ہونا چاہئے تاکہ اس کی پیروی کسی انسان کے لئے کسی وقت میں بھی موجبِ ناکامی و نامرادی نہ ہو سکے۔

(۴) پہلے تمام انبیاء چونکہ محدود مدت اور محدود اقوام کے لئے آئے تھے لہٰذا اُن کی زندگیاں

اور اُن کے نمونے نسل انسانی کے لئے ترقی کے درمیانی مدارج تھے اسی لئے اُن کی زندگیوں میں ہم اعلیٰ سے اعلیٰ، بہتر سے بہتر، کامل اور مکمل اخلاقی نمونے تلاش نہیں کر سکتے لیکن یہ آخری اور کامل نبی چونکہ نسل انسانی کو اُس کی معراج کمال تک پہنچا دینے کا کام انجام دینے آیا ہے لہذا اُس کی زندگی میں ہم کو اعلیٰ ترین نمونے تلاش کرنے چاہئیں۔

(۵) اس کامل ہادی کے اعلیٰ اخلاقی و روحانی نمونہ میں ایسا جذب اور ایسی قوت بھی ہونی چاہیے کہ نہ صرف اُس کے پیرو اور امتی ہی بلکہ اُس کے مخالف اور معاند بھی ہر زمانہ میں اُس کی عظمت کے قائل و معترف ہوتے رہے ہوں اور اس طرح اُس کو تمام بنی نوع انسان کے لئے جاذب توجہ بننے کا موقع ملتا رہا ہو تا کہ حجت الٰہی نوعِ انسان پر بآسانی پوری ہو سکے۔

مذکورہ پانچ باتوں پر اس باب میں ہم کو اسی مذکورہ ترتیب سے نظر کرنی اور محققانہ طور پر جانچنا ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تنقیحات میں پورے اُتر کر آخری اور کامل نبی ثابت ہوتے ہیں یا نہیں؟

(۱) آنحضرت کے متعلق پیشگوئیاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق گذشتہ انبیاء بالخصوص اُن انبیاء نے جن کے ماننے والے عرب اور شام کے ملکوں میں آباد تھے صاف الفاظ میں اپنی اپنی اُمتوں کو خوشخبریاں سُنادی تھیں کہ ہمارے بعد ایک کامل نبی ملک عرب میں مبعوث ہونیوالا ہے۔ اُن انبیاء کے لائے ہوئے صحائف اور اُن کے کلمات طیبات تمام و کمال تو موجود اور محفوظ نہیں ہیں تاہم اُن کے محرف و مبدل صحائف اور ناقص و ناتمام حالات میں جو ہم تک پہنچ سکے ہیں آنحضرت صلعم کے متعلق پیشگوئیوں کا ایک معقول حصہ موجود ہے اور اُن کے ماننے والے آپ کے منتظر تھے۔ اسی لئے بہت سے ذی علم اور سمجھ دار اہل کتاب جو خلوص اور نیک طینتی سے متصف تھے آنحضرت صلعم کے دعوئے نبوت کو سنتے ہی آپ پر ایمان لے آئے تھے (مثلاً حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا جو یہودی عالم تھے ایمان لانا وغیرہ) اور بہت سے باوجود اس کے کہ آپ کو موعود نبی یقین کر چکے تھے ضد اور حمیۃ الجاہلیۃ کی وجہ سے آپ کی مخالفت پر کمر بستہ رہے اسی لئے قرآنِ کریم میں صاف ارشاد ہے کہ

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ	جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توریت وغیرہ) دی ہے وہ جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اسی طرح ہمارے اس پیغمبر محمد صلعم کو بھی پہچانتے ہیں اور اُن میں سے کچھ لوگ

يَعْلَمُوْنَ ٥ (سورہ بقر رکوع ۱۷) ایسے بھی ہیں جو دیدہ و دانستہ حق بات کو چھپاتے ہیں۔

پھر دوسری جگہ ارشاد ہے کہ

اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ٥ (سورہ طٰہٰ رکوع ۸)

کیا اگلی کتابوں کی پیشین گوئیوں کی گواہی ان کے پاس نہیں پہنچی کہ وہ رسالت کا کافی نشان ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (سورہ اعراف رکوع ۱۹)

کچھ ایسے اہل کتاب ہیں جو ہمارے اس رسول نبی اُمّی محمد صلعم کی پیروی کرتے ہیں جس کی بشارت کو اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں

کتب تاریخ و سیر میں بالتفصیل یہ حالات مذکور ہیں کہ اکثر علمائے یہود و نصاریٰ کو صحف سابقہ کی مندرجہ پیشین گوئیوں کی بنا پر آنحضرت صلعم کی پیدائش اور بعثت کا زمانہ معلوم تھا چنانچہ سیف حاکم یمن نے عبدالمطلب کو آپ کی پیدائش کے قریب زمانہ میں خبر دی تھی کہ آپ کے خاندان میں نبی آخرالزماں پیدا ہونے چاہئیں۔ آپ کی عمر بارہ سال کی تھی کہ آپ کو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر پیش آیا وہاں ایک نصرانی عالم بحیرا راہب نے آپ کو دیکھ کر ابوطالب سے کہا کہ "اپنے بھتیجے کی بڑی خبرداری رکھو یہ نبی آخرالزماں ہوگا میں نے کتب سماویہ میں نبی آخرالزماں کے جو علامات دیکھے ہیں وہ سب کے سب اس میں موجود ہیں یہودی اس کی جان کے دشمن ہو جائیں گے"۔ دوسری مرتبہ آپ پچیس سال کی عمر میں دوبارہ تشریف لے گئے تو وہاں نسطورا راہب نے آپ کو بغور دیکھا اور پھر کتب سماویہ اور اپنے قدیمی نوشتے نکال کر مطالعہ کئے اور آپ کے ہمراہی قافلہ والوں سے کہا کہ یہ شخص نبی آخرالزماں ہونے والا ہے۔ کیونکہ ہمارے نوشتوں میں کتب سماویہ کی بنا پر جو علامات خاتم الانبیاء کی نسبت مندرج ہیں وہ تمام خط و خال اس شخص میں موجود ہیں۔ پھر ابتدائی وحی نازل ہونے کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے جو بہت بڑے عالم تھے آپ کی نسبت کہا کہ آپ نبی آخرالزماں ہیں۔ حضرت سلمان فارسی ابتداءً مجوسی تھے اس مذہب سے بیزار ہو کر یہودی مذہب اختیار کیا لیکن یہودیت میں بھی تسکین قلب میسر نہ ہوئی چنانچہ یہودی مذہب چھوڑ کر عیسائی بن گئے۔ ان مذاہب میں انہوں نے نبی آخرالزماں کی پیشگوئیاں دیکھیں جب آنحضرت صلعم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سلمانؓ نے انہی پیشین گوئیوں کی بنا پر آپ کو

نبی آخرالزماں مانا اور صدق دل سے آپ پر ایمان لائے۔ نجاشی پادشاہ حبش نے بھی صحف قدیمہ کی پیشگوئیوں کے موافق پاکر آپ کو نبی آخرالزماں تسلیم کیا اور مسلمان ہوا۔ سنہ ہجری کے ابتدا میں قیصر روم یعنی ہرقل کے پاس جبکہ وہ بیت المقدس میں آیا ہوا تھا آنحضرت صلعم کا خط پہنچا کہ مسلمان ہو جاؤ۔ تو اُس نے بھی صحف انبیاء کی پیشگوئیوں سے واقف ہونے کے سبب آپ کے دعوئے نبوت کی تصدیق کی گو باقاعدہ اسلام کو قبول نہ کر سکا۔ ہرقل کے پاس جب آنحضرت صلعم کا خط پہنچا تو اُس نے خط کے مضمون سے واقف ہو کر حکم دیا کہ اگر کوئی شخص ملک حجاز کا باشندہ اور اس مدعی نبوت کا ہم وطن بیت المقدس میں موجود ہو تو اُس کو بلاؤ۔ چنانچہ ابوسفیان بغرض تجارت وہاں گیا ہوا تھا وہ ہرقل کے دربار میں پیش کیا گیا۔ ابوسفیان آنحضرت صلعم کا سخت مخالف اور دشمن تھا۔ دربار میں ابوسفیان اور ہرقل کا مکالمہ ترجمان کے ذریعہ اس طرح ہوا۔

ہرقل۔ تم محمدؐ کو جانتے ہو؟

ابوصفیان۔ خوب اچھی طرح سے۔

ہرقل۔ نسب کے اعتبار سے محمدؐ کیسے ہیں؟

ابوصفیان۔ بہت اچھے ہیں۔

ہرقل۔ پہلے بھی تم میں سے کسی نے اس طرح پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوصفیان۔ کسی نے نہیں کیا۔

ہرقل۔ محمدؐ کے آبا و اجداد میں کوئی پادشاہ ہوا ہے؟

ابوصفیان۔ کوئی نہیں۔

ہرقل۔ محمدؐ کے قول کی پیروی امیر کرتے ہیں یا غریب وضعیف؟

ابوصفیان۔ غریب وضعیف پیروکار زیادہ ہیں۔

ہرقل۔ اب اُس کے پیروکار بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟

ابوصفیان۔ روز بروز ترقی ہے۔

ہرقل۔ دعوئے نبوت سے پہلے کبھی اُس نے جھوٹ بھی بولا؟

ابوصفیان۔ کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

ہرقل۔ کبھی تم لوگوں میں لڑائی بھی ہوئی؟

ابوصفیان۔ کئی مرتبہ۔

ہرقل۔ پھر نتیجہ کیا ہوا؟
ابوصفیان۔ کبھی وہ غالب ہوئے اور کبھی ہم۔
ہرقل وہ تم سے کیا کہتا ہے؟
ابوصفیان۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ خدا کو ایک مانو۔ اُس کا شریک کسی کو نہ جانو۔ مجھ کو اُس خدا کا رسول سمجھو۔ جھوٹ، دغا، فریب، چوری زناکاری، بدعہدی سے پرہیز کرو، نماز پڑھو، صدقہ اور زکوٰۃ دو اور کہتا ہے کہ اپنے باپ دادا کی بت پرستی کی رسموں کو چھوڑ دو اور میرے حکم کی پیروی کرو۔
ہرقل نے یہ باتیں سُن کر ترجمان سے کہا مجھ کو تو یہ شخص وہی پیغمبر معلوم ہوتا ہے جس کا ہم کو انتظار تھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ ہزارہا پیشین گوئیوں میں سے صرف چند پیشگوئیاں بطور نمونہ توریت و انجیل میں سے درج کر دی جائیں آنحضرت صلعم کے متعلق بشارتیں اور پیشگوئیاں یقیناً ہر ایک صحیفہ اور ہر ایک الہامی کتاب میں موجود ہونگی اور اب بھی اکثر تلاش کیجا سکتی ہیں۔ لیکن جو صحیفے زیادہ پُرانے ہوگئے ہیں وہ اسی قدر زیادہ مسخ شدہ ہیں۔ توریت و انجیل کے صحیفے نسبتاً قریب زمانہ کے ہیں اور زیادہ تر شام و عرب وغیرہ ممالک سے تعلق رکھتے ہیں اور بعثت نبوی صلعم کے وقت ملک عرب میں انہی صحیفوں کے ماننے والے موجود تھے لہذا انہی صحیفوں میں ہم کو زیادہ بشارتیں ملنی چاہئیں تھیں اور ملتی ہیں۔

(۱) بنی اسمٰعیل یعنی اہل عرب اور بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ صحیفہ ابراہیم تو دنیا میں موجود نہیں۔ لیکن توریت کی کتاب پیدائش میں اس بات کا ذکر موجود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی گئی تھی کہ اُن کی اولاد میں نبوت و امامت کا منصب رہیگا۔ کتاب پیدائش باب ۱۲۔ آیت ۲ و ۳ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خدائے تعالیٰ ان الفاظ میں وعدہ کرتا ہے کہ

"میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤنگا، تجھ کو مبارک کرونگا۔ تیرا نام بڑا کرونگا اور اُن کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دونگا۔"

ظاہر ہے کہ اس پیشگوئی کے مصداق بنی اسمٰعیل ہیں اُنہی میں پیغمبر اسلام پیدا ہوئے اور مسلمان ہی اپنی نمازوں میں پانچوں وقت پڑھتے ہیں کہ

اللھم بارک علیٰ محمد و علیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ | اے اللہ محمد اور آل محمد کو برکت دے جیسی کہ تونے

ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید	ابراہیمؑ اور آل ابراہیم کو برکت دی۔

پھر کتاب پیدایش باب ۱۷۔ آیت ۲۰ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا گیا ہے کہ۔

"اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری دعا سُنی دیکھ میں اسے برکت دونگا اور اُسے برومند کرونگا اور اُسے بہت بڑھاؤنگا اور اُس سے بارہ سردار پیدا ہونگے اور میں اُسے بڑی قوم بناؤنگا۔"

یہاں حضرت اسمٰعیل اور اُن کی اولاد کے حق میں بعینہ وہی وعدہ ہے جو ابراہیم اور اُن کی اولاد کے حق میں تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور اُن کی اولاد کے حق میں یہ دعا مانگی تھی کہ۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (سورہ بقر رکوع ۱۵)	اے ہمارے پروردگار اِن مکہ والوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجیو کہ اُن کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب آسمانی اور عقل کی باتیں سکھائے اور اُنکی نفوس کی اصلاح کرے بیشک تو ہی بااختیار اور صاحب تدبیر ہے

پھر کتاب پیدایش باب ۱۷۔ آیت ۸ میں کنعان کے تمام ملک کی حکومت کا وعدہ ہے جو بعثت نبوی صلعم کے بعد بہت جلد مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

(۲) خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت بنی اسرائیل کو جو احکام پہنچائے اُن میں سے ایک جو کتاب استثنا باب ۱۸۔ آیت ۱۸ میں ہے یہ ہے کہ

"میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا اور اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالونگا۔"

ظاہر ہے کہ سوائے آنحضرت صلعم کے کسی نبی نے حضرت موسیٰ کے بعد مثیل موسیٰ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ کوئی آنحضرت کے سوا مثیل موسیٰ ہوا۔ کتاب یوحنا باب ۱ آیت ۱۹ و ۲۲ میں ہے کہ "لوگوں نے یوحنا بپتسمہ دینے والے سے دریافت کیا کہ کیا تو مسیح ہے اُس نے کہا نہیں۔ پھر اُنہوں نے پوچھا کہ کیا تو الیاس ہے اُس نے کہا کہ نہیں پھر اُنہوں نے پوچھا کہ کیا تو وہ نبی ہے اُس نے کہا نہیں"۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُن کو ایک تو مسیح کا انتظار تھا اور ایک الیاس کی دوبارہ آمد کا اور تیسرے ایک اور نبی کا جس کی اس قدر شہرت تھی کہ نام لینے کی بھی

ضرورت نہ تھی بلکہ صرف "وہ نبی" کہہ دینا ہی کافی ہوتا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ وہی نبی تھا جس کا ذکر کتاب استثنا باب ۱۸ والی پیشگوئی میں ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں صاف طور پر ارشاد ہے کہ

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۢ بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِۦ (سورۂ الاحقاف رکوع ۱)	بنی اسرائیل کے ایک عظیم الشان شاہد نے اپنے مثل کی گواہی دی تھی۔
إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَٰهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا (سورۂ مزمل۔ رکوع ۱)	لوگو جس طرح ہم نے فرعون کی طرف موسیٰ کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا تمہاری طرف بھی محمد کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ جو قیامت کے دن تمہارے مقابلہ میں گواہی دینگے۔

(۳) کتاب استثنا باب ۳۳۔ آیت ۲ میں مذکور ہے۔

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت اُن کے لئے تھی۔

سینا سے آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہے جو سینا پر ہوا اور شعیر سے طلوع ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہے۔ جن پر سلسلہ بنی اسرائیل ختم ہوا اور فاران مکہ کے پہاڑوں کا نام ہے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آنے والا ایک ہی انسان دنیا میں ہے یعنی آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دس ہزار برگزیدہ صحابہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اور وہی آتشی شریعت والا نبی ہے جس کی شریعت شریعت بیضا کے نام سے آج بھی موسوم ہے۔ کیونکہ اُس نے تمام امور پر روشنی ڈالی۔ پھر کتاب حیقوق باب ۳۔ آیت ۳ میں ہے۔

"آئے گا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑ سے۔ آسمانوں کو جمال سے چھپا دیا اُس کی ستایش سے زمین بھر گئی"۔

سر سید فرماتے ہیں کہ اکتوبر ۱۸۶۹ء کے کوارٹرلی ریویو میں ایک یہودی فاضل کا مضمون چھپا تھا۔ جس میں اُس نے لکھا تھا کہ آیات مذکورہ میں "فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا" اور "اس کے ہاتھ میں شریعت روشن" کے معنی یہ ہیں کہ عربی زبان میں شریعت دی گئی۔

(۴) کتاب غزل الغزلات یا تسبیحات سلیمان کے باب ۵ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے محبوب سے ملنا چاہتے ہیں اور جب مل نہیں سکتے تو خدا تعالیٰ سے مناجات کرتے اور اپنے اُس محبوب کی تعریف فرماتے ہیں جو اس طرح ہے۔

میرا محبوب نورانی گندم گوں ہے دس ہزار آدمیوں کے درمیان وہ جھنڈے کی طرح کھڑا ہوتا ہے" (تسبیحات سلیمان۔ باب۵، آیت ۱۰)
آخر باب تک اسی طرح اپنے محبوب کی تعریفیں کرتے ہیں۔ آخری یعنی سولھویں آیت میں صاف طور پر کہتے ہیں کہ

"اُس کا مُنہ شیریں ہے اور وہ محمدیم ہے یہ ہے میرا دوست اور میرا محبوب اے یروشلم کی بیٹیو"

اس جگہ صاف طور پر آنحضرت صلعم کا نام لیا گیا ہے مگر ذرا سا فرق ہے یعنی محمد کی جگہ محمدیم لکھا ہے۔ بائبل کے عربی ترجمہ میں بھی محمدیم ہے۔ بات یہ ہے کہ عبرانی زبان میں حروف "ی م" جمع یا تعظیم کے واسطے لاتے ہیں۔ اس جگہ بھی تعظیماً محمدیم کہا گیا ہے۔

(۵) کتاب دانیال باب۲۔ آیت ۳۱ تا ۳۵ میں فاتح بیت المقدس بنوکدنضر کی خواب اور اُس کے بعد حضرت دانیال کی تعبیر کا ذکر ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بیت المقدس پر بنوکدنضر کی سلطنت کے بعد ایرانیوں کی حکومت ہوگی ایرانیوں کی حکومت کے بعد یونانیوں کی اور یونانیوں کی حکومت کے بعد رومیوں کی سلطنت وحکومت بیت المقدس پر ہوگی۔ رومیوں کی حکومت پر ایک قدرتی اور غیر مترقبہ طور پر پیدا ہو جانے والی سلطنت حملہ آور ہوگی اور بیت المقدس پر حکمرانی کریگی یہ پانچویں سلطنت مدینہ میں یکایک قائم ہو جانے والی اسلامی سلطنت ہے جس نے رومیوں کو شام اور ایشیائے کوچک سے بیدخل کر دیا۔

عیسائی لوگ اس پانچویں سلطنت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانی سلطنت قرار دیتے ہیں لیکن سیاق عبارت خود بتلا رہا ہے کہ کسی روحانی سلطنت کا وہاں کوئی ذکر نہیں ہے، اِس پانچویں سلطنت کو ایک پتھر سے تشبیہہ دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ پتھر بہت جلد پہاڑ کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ یعنی اول وہ چھوٹی سی سلطنت تھی جبکہ رومیوں سے بیت المقدس کو چھینا اور اس کے بعد بہت جلد وہ تمام دنیا پر چھا گئی۔ یہی وجہ تھی کہ ہرقل کے پاس جب بیت المقدس میں نامۂ نبوی پہنچا اور اُس نے ابوسفیان سے گفتگو کی تو آخر میں صاف طور پر یہ بھی کہا کہ اِس جگہ جہاں میرا تخت بچھا ہوا ہے بہت جلد مسلمانوں کی حکومت ہو جائیگی اس جگہ حضرت دانیال کی اس پیشگوئی کا تذکرہ صرف اسلئے کیا گیا ہے کہ اس پیشگوئی میں اسلامی سلطنت کی نسبت یہ الفاظ ہیں کہ "یہاں تک کہ ایک پتھر بغیر اس کے کہ کوئی ہاتھ سے کاٹ کر نکالے خود بخود نکلا

جو اس مورت کے پاؤں پر لگا اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کیا اور لوہا۔ مٹی تانبا۔ چاندی سونا جن سے وہ مورت بنی ہوئی تھی ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور تابستانی کھلیان کے بھوسے کی مانند ہو گئے اور ہوا انہیں اُڑا لے گئی۔ یہاں تک کہ اُن کا پتہ نہ ملا۔ اور وہ پتھر جس نے اُس مورت کو مارا ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین کو بھر دیا۔"

اس موقع پر عاتکہ بنتِ عبدالمطلب کے خواب پر بھی غور کرنا چاہئے جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ جب قریباً ایک ہزار کفار سات سو اونٹ اور سو گھوڑے اور دیگر سامان حرب ہمراہ لے کر ابوجہل مکہ سے مدینہ کی طرف جنگ بدر کے لئے چلا ہے تو قبل از روانگی عاتکہ بنت عبدالمطلب نے یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک شتر سوار نے مکہ میں باآواز بلند تین مرتبہ یہ کہا کہ اے کفار قریش جلد قتل ہونے کے لئے آؤ پھر وہ شتر سوار مسجد الحرام میں گیا اور خانہ کعبہ پر چڑھ کر بھی اسی طرح اعلان کیا۔ پھر وہ سوار کوہ ابو قبیس پر گیا اور وہی آواز دی اور ایک پتھر اُٹھا کر نیچے پھینکا وہ پتھر زمین تک پہنچنے سے پہلے تمام مکہ کی سرزمین پر پھیل گیا۔ عاتکہ نے یہ خواب عباس سے (جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے) کہا اُنہوں نے اوروں سے کہا۔ ابوجہل نے راستہ میں اس خواب کا حال سُنا تو کہنے لگا کہ تعجب ہے اولاد عبدالمطلب پر کہ اپنے مردوں کی نبوت پر تو رضامند نہیں مگر عورتوں کی نبوت پر رضامند ہیں۔ میں فتح مدینہ سے واپس آ کر عبدالمطلب کی عورتوں کا اچھی طرح تدارک کرونگا۔

اب اُس واقعہ پر بھی غور کرو کہ جنگ احزاب میں خندق کھودتے وقت ایک پتھر نکل آیا۔ جس کو آنحضرت صلعم نے تین ضربوں سے توڑ دیا اور ہر ضرب پر آپ نے شام۔ فارس اور یمن کے ملکوں اور سلطنتوں کے مفتوحِ اسلام ہونے کی پیشگوئی فرمائی۔ پھر اس پر غور کرو کہ خانۂ کعبہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حجر اسود برابر چلا آتا ہے اور وہ گویا تصویری زبان میں آنحضرت نبی عربی صلعم کے مکہ معظمہ میں مبعوث ہونے اور عرب کی وحشی اور جاہل قوم کے شائستہ اور ہادیٔ امم ہو جانے کی ایک تفسیر ہے جیسا کہ کتاب زبور باب ۱۱۸ آیت ۲۲ میں ہے کہ۔

"وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا کونے کا سرا ہو گیا یہ خداوند سے ہوا جو ہماری نظروں میں عجیب ہے۔"

"آنحضرت صلعم اور آپ کی شریعت کے متعلق آسمانی و الہامی کتابوں۔ نوشتوں اور روایتوں

میں پتھر کا جو استعارہ استعمال ہوا ہے اُس کی حقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُس تمثیل سے بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے جو متی۔ مرقس اور لوقا کی انجیلوں میں موجود ہے اور انگوری باغ کے ٹھیکہ داروں کی تمثیل کے نام سے مشہور ہے۔ انجیل لوقا میں یہ تمثیل باب ۲۰۔ آیت ۹ سے ۱۹ تک مسطور ہے جو اس طرح ہے کہ

پھر اُس نے (مسیح نے) لوگوں سے یہ تمثیل کہنی شروع کی کہ ایک شخص نے انگوری باغ لگا کر باغبانوں کو ٹھیکہ پر دیا اور ایک بڑی مدت کے لئے پردیس چلا گیا۔ فصل پر اُس نے ایک نوکر باغبانوں کے پاس بھیجا تاکہ وہ باغ کے پھل کا حصّہ اُسے دیں لیکن باغبانوں نے اُسے مار کر نکال دیا پھر باغ کے مالک نے ایک اور نوکر بھیجا اُنہوں نے اُس کو بھی مار کر اور بے عزت کر کے خالی ہاتھ لوٹا دیا پھر اُس نے تیسرا بھیجا اُنھوں نے اُس کو زخمی کر کے نکال دیا۔ اُس پر باغ کے مالک نے کہا کہ کیا کروں میں اپنے پیارے بیٹے کو بھیجونگا شاید اُس کا لحاظ کریں۔ جب باغبانوں نے اُسے دیکھا تو صلاح کر کے اُسے بھی قتل کرنے پر آمادہ ہوئے اور باغ کے باہر نکال کر قتل کر دیا۔ اب باغ کا مالک اُن کے ساتھ کیا کریگا۔ وہ آکر اُن باغبانوں کو ہلاک کریگا اور باغ اوروں کو دیدیگا اُنھوں نے یہ سُن کر کہا کہ خدا نہ کرے۔ اُس نے اُن کی طرف دیکھ کر کہا کہ پھر یہ کیا لکھا ہے کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ جو کوئی اُس پتھر پر گریگا اُس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے لیکن جس پر وہ گریگا اُسے پیس ڈالے گا۔ اُسی گھڑی فقیہ اور سردار کاہنوں نے اُس کے پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر لوگوں سے ڈرے۔ کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ اُس نے یہ تمثیل ہم پر کہی۔"

اِس تمثیل میں صاف طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمادیا ہے کہ بنی اسرائیل نے نبیوں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا۔ اِس لئے خدائے تعالیٰ بنی اسرائیل سے نبوت کا شرف چھین کر اوروں کو یہ شرف عطا فرمائیگا۔ اوروں سے مراد بنی اسمٰعیل اور باشندگان مکہ ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ اس تمثیل کے خاتمہ میں جو دوسری تمثیل بیان کی گئی ہے وہ صاف بتا رہی ہے کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا تھا وہ سوائے عرب کے کوئی دوسرا ملک نہیں ہو سکتا تھا۔ اس زمانہ کی تمام معلومہ

متمدن دنیا اور معلومہ اقوام میں کوئی ملک اور کوئی قوم عرب اور اہل عرب سے زیادہ پستی کی حالت میں نہ تھی۔ ایرانیوں نے شام و مصر کو فتح کیا مگر عرب (حجاز) کو اپنے مقبوضات میں شامل کرنے کا کبھی اُن کو خیال تک نہ آیا۔ اسی طرح یونانیوں نے مصر۔ شام۔ ایران۔ ہندوستان تک کو فتح کیا مگر عرب (حجاز) کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ اس سے زیادہ اس ملک اور اس میں رہنے والی قوم کی اور کیا بے قیمتی اور بے قدری ہوسکتی ہے کہ کسی قوم اور کسی سلطنت نے اس ملک کو نہ اپنے مقبوضات میں شامل کرنا چاہا اور نہ اس ملک میں رہنے والوں کو اپنی رعایا بنانا پسند کیا۔ بنی اسرائیل کو معلوم تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں مبعوث ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام وغیرہ بہت سے نبی شام و عراق وغیرہ میں مبعوث ہوچکے تھے۔ ملک حجاز کے رہنے والے بالکل منقطع اور الہامی روشنی سے بے نصیب سمجھے جاتے تھے۔ اُن کا تمدن بہت ہی ادنیٰ۔ اُن کی معاشرت نہایت پست اور اُن کے اخلاق بیحد خراب تھے۔ اِسی لئے وہ اقوام عالم میں اُس رد شدہ ناکارہ پتھر کی مانند تھے جس کو معمار خراب سمجھ کر پھینک دیتے ہیں اور سب سے زیادہ قیمتی اور اچھا پتھر وہ سمجھا جاتا ہے جو کونے کے سرے پر لگایا جاتا ہے۔ دیوار کے درمیانی حصہ میں چھوٹے اور ٹوٹے ہوئے پتھر بھی لگا دیے جاتے ہیں مگر کونے پر ہمیشہ گھڑا ہوا اور اچھا پتھر لگایا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زبور کی پیشگوئی یاد دلائی اور بنی اسرائیل کو بتایا کہ اب شرفِ نبوت بنی اسمٰعیل کو عطا ہوگا اور نبی آخر الزماں ملک حجاز میں مبعوث ہونیوالا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ جو اُس پر گریگا ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیگا اور جس پر وہ گریگا اُسے پیس ڈالیگا۔ یہ پیشگوئی جو زبور میں بھی بیان ہوئی تھی اور جسکی حضرت عیسیٰؑ نے تجدید فرمائی حرف بحرف پوری ہوئی۔

(۶) انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵ و ۱۶ میں ہے کہ

"اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے احکام کی تعمیل کرو اور میں باپ سے (خدا سے) درخواست کرونگا اور وہ تمہیں دوسرا تسلی دینے والا بخشیگا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیگا۔"

پھر انجیل یوحنا باب ۱۴۔ آیت ۲۶ میں ہے۔

"لیکن وہ تسلی دینے والا روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجیگا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا۔"

پھر انجیل یوحنا باب ۱۵۔ آیت ۲۵ و ۲۶ میں ہے۔

"لیکن یہ اِس لئے ہوا کہ وہ قول پورا ہو جو اُن کی شریعت میں لکھا ہے کہ اُنہوں

نے مجھ سے مفت عداوت کی لیکن جب وہ تسلی دینے والا آئیگا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجونگا یعنی سچائی کی روح جو باپ کی طرف سے آتا ہے تو وہ میری گواہی دیگا۔"

پھر انجیل یوحنا باب ۱۶۔ آیت ۷، میں ہے۔

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا ہی تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ تسلی دینے والا تمہارے پاس نہ آئیگا لیکن اگر جاؤنگا تو اُسے تمہارے پاس بھیجدونگا۔"

پھر انجیل یوحنا باب ۱۶۔ آیت ۱۲ اور ۱۳ میں ہے۔

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی روح حق آئیگا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائیگا اِس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہیگا۔ لیکن جو کچھ سُنیگا وہی کہے گا اور تمہیں آیندہ کی خبریں دیگا۔"

پھر انجیل متی باب ۳۔ آیت ۱۱ میں ہے۔

"میں تو تمہیں توبہ کے لئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے زور آور ہے۔ کہ میں اُس کے جوتے اُٹھانے کے لائق نہیں"۔

مذکورہ بالا انجیلی آیات میں ایک تسلی دینے والے یا روح حق یا روح صداقت کے آنے کی بشارت حضرت مسیح علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے اس بشارت کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ (سورہ صف رکوع ۱)

اور اے پیغمبر لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ یہ کتاب تورات جو مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے میں اُس کی تصدیق کرتا اور ایک اور پیغمبر کی تم کو خوشخبری سُناتا ہوں جو میرے بعد آئیگا اور اُس کا نام احمد ہوگا۔

(۷) انجیل برنا باس میں لکھا ہے کہ۔

"گمان کریگا ہر شخص کہ میں سولی دیا گیا ہوں لیکن یہ اہانت اور مسخرے پن باقی رہیں گے یہاں تک کہ آئیگا اللہ کا رسول محمد (صلعم) پس جب آئیگا دنیا میں خبردار کریگا اور تنبیہ کریگا اُس کو جو کوئی اِس غلطی پر ہوگا اور اُٹھائیگا یہ شبہ لوگوں کے دلوں سے"

(دیکھو مقدمۂ ترجمہ قرآن مرقومہ پادری سیل مطبوعہ ۱۸۵۰ء)

آنحضرت صلعم کی مقالات و حالات زندگی کی حفاظت

مشاہیر عالم کی فہرست بہت طویل ہے اس فہرست میں انبیاء، حکماء، سلاطین، شعراء علماء، وغیرہ ہر قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ موسیٰ۔ داؤد۔ سلیمان علیہم السلام وغیرہ انبیاء۔ رامچندر۔ کرشن۔ گوتم بدھ۔ زردشت۔ کنفیوشس وغیرہ بانیان مذاہب و رہبرانِ قوم۔ سقراط۔ بقراط۔ افلاطون۔ ارسطو۔ بوعلی سینا۔ بیکن وغیرہ حکماء۔ کیخسرو۔ سکندر سیزر۔ تیمور وغیرہ سلاطین۔ والمیک۔ فردوسی۔ تلسی داس، سعدی، شیکسپیر، ہومر وغیرہ شعراء نصیرالدین۔ غزالی۔ ابن رشد۔ رازی وغیرہ علماء۔ خالد بن ولید، ضرار بن ازور۔ رستم ارجن۔ ہنی بال وغیرہ شجاعت پیشہ لوگ دنیا میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ مشاہیر کی تعداد ہزاروں سے کم ہرگز نہیں ہے۔ قوموں اور ملکوں کی خصوصی توجہ ان مشاہیر کے حالات و واقعات کی طرف مبذول رہی ہے۔ ہمارے زمانہ میں اکثر کے حالات زندگی پر الگ الگ مستقل کتابیں بھی موجود ملتی ہیں لیکن اِن ہزارہا مشاہیر میں سے کوئی ایک بھی قسم کھانے کو ایسا نہیں مل سکتا جس کی زندگی کے حالات اس وسعت، جامعیت اور احتیاط کے ساتھ ہم کو معلوم ہوسکیں جیسے کہ آنحضرت صلعم کے حالات زندگی ہر قسم کی تحریف و تبدیل و تنقیص سے محفوظ و موجود مل سکتے ہیں۔ کسی بادشاہ، کسی نبی، کسی حکیم کسی عقلمند کو یہ بات دنیا میں میسر نہیں ہوئی کہ اُس کی ایک ایک حرکت و سکنت اور زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو اس اہتمام اور اس تحقیق و تدقیق کے ساتھ محفوظ رکھا گیا ہو۔ جیسا کہ آنحضرت صلعم کے حرکات و سکنات اور زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو لانظیر اور حیرت انگیز احتیاط کے ساتھ محفوظ کیا گیا ہے آپ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور آپ کے اعمال و افعال کو روایت کرنیوالے ہزارہا راویوں کی زندگیاں بھی اس لئے زیر تحقیق لائی گئیں کہ شک و شبہ کا کوئی شائبہ آپ کی زندگی کا مطالعہ کرنے والے کے لئے باقی نہ رہ سکے ایک ایک بات اور ایک ایک واقعہ کو اپنی چشم دید

شہادت کی بنا پر بیان کرنے والے کئی کئی اشخاص ہیں ہر ایک واقعہ کے مختلف راویوں اور روایت کے مختلف سلسلوں پر غور کرنے کے بعد ایک مابہ الاشتراک کو نکال لینے سے اُس واقعہ کے متعلق ہم کو وہ یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے جو عینی مشاہدہ کے مساوی اور شک و شبہ سے بکلی پاک و مبرا ہوتا ہے۔ صحاح ستہ اور دوسری کتبِ احادیث کے دیکھنے سے انسان کو جو حیرت ہوتی ہے اور اور اُس کے دل پر آنحضرت صلعم کے اقوال و اعمال کی حفاظت کے حیرت انگیز انتظام و اہتمام کی جو عظمت طاری ہوتی ہے وہ اُس مرعوب کن عظمت سے ہزار ہا درجہ زیادہ ہے جو کوہ ہمالہ یا بحرالکاہل کے دیکھنے یا نظام شمسی اور ستارگان و سیارگانِ فضائے آسمانی کے تصور سے انسان کے دل پر طاری ہو سکتی ہے۔

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ زبانِ مبارک سے فرمایا۔ جو کام آپ نے کیا جو کام آپ کے سامنے ہوا۔ اور آپ نے اُس کو جائز رکھا سب کو حدیث کہتے ہیں۔ اس طرح قولی، فعلی، تقریری حدیث کی تین قسمیں ہوئیں۔ روایت کے اعتبار سے حدیث کی دو قسمیں متواتر اور آحاد ہیں۔ متواتر وہ حدیث ہے جس کو ہر زمانہ میں اس قدر کثرت سے لوگوں نے روایت کیا ہو کہ عقل اُن کے جھوٹ بولنے کو محال جانے۔ احاد کی تین قسمیں ہیں مشہور۔ عزیز اور غریب۔ مشہور اُس حدیث کو کہتے ہیں جسے ہر زمانہ میں تین یا زیادہ راویوں نے روایت کیا ہو۔ عزیز وہ ہے جس کو ہر زمانہ میں کم از کم دو راویوں نے روایت کیا ہو۔ غریب وہ ہے جس کی روایت کسی زمانہ میں ایک ہی راوی سے ہوئی ہو۔ پھر احاد کی ہر سہ اقسام کو قراین و درایت سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک مقبول دوسری مردود۔ مقبول احاد کی دو قسمیں ہیں ایک صحیح دوسری حسن۔ صحیح وہ حدیث ہے جس کو دیندار۔ پرہیزگار۔ خوب یاد رکھنے والے لوگوں نے ہر زمانہ میں برابر روایت کیا ہو نہ اُس میں کوئی چھپا عیب ہو نہ معتبر لوگوں کے مخالف ہو۔ حسن وہ ہے جو صحیح حدیث کی طرح ہو لیکن اُس کے راویوں کا حافظہ اور یاد صحیح کے راویوں کی برابر نہ ہو۔ پھر صحیح حدیث کی سات قسمیں ہیں غرض احادیث نبوی کی صحت اور جانچ پرتال کے لئے محدثین نے اس قدر سخت ضوابط و قواعد مرتب کر دیے ہیں اور اس طرف اُمت محمدیہ نے اس قدر توجہ اور محنت صرف کی ہے کہ اصولِ حدیث اور اسماء الرجال وغیرہ کئی مستقل علوم ایجاد ہو گئے ہیں جن کا منشا صرف یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے اقوال و افعال و اعمال اور آپ کی زندگی (بحیثیت رسول و ہادی) بالکل محفوظ رہے اور کسی شخص کو اپنی زندگی

کے لئے رسول کی زندگی سے نمونہ تلاش کرنے میں کوئی شک وشبہ زنجیر پا نہ ہوسکے۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ موطا امام مالک۔ ابن ماجہ۔ دارقطنی وغیرہ حدیث کی ضخیم ومستند کتابوں کے ذخیرہ میں کسی شخص کی مجال نہیں کہ ایک لفظ کی بھی کمی یا بیشی کرسکے۔ پھر ان کتابوں کی مندرجہ احادیث میں سے بھی ایک ایک حدیث کو تحقیق و تدقیق کی کسوٹی پر کس کر ہر ایک حدیث کی حیثیت اور درجہ الگ الگ قایم کردیا گیا ہے کہ کونسی حدیث صحیح ہے کونسی حسن کونسی مرسل ہے اور کونسی منقطع۔ کونسی موضوع ہے اور کونسی متروک وغیرہ اس کام کے لئے ہزارہا راویوں میں سے ہر ایک راوی کی زندگی کو محاسبہ اور تحقیق و تفتیش کی کسوٹی پر نہایت سختی کے ساتھ کسا گیا۔ اگر راویوں میں سے کسی ایک راوی کی نسبت یہ ثابت ہوگیا کہ اُس نے مدت العمر میں کوئی ایک کام ایسا کیا جو اسوۂ نبوی کے خلاف اور بدعت تھا تو اُس حدیث کو منکر قرار دیا گیا۔ اگر کسی راوی کی نسبت یہ ثابت ہوگیا کہ اس نے ایک مرتبہ کوئی بات خلاف واقعہ غلط بیان کردی تھی تو اُس حدیث کو موضوع یا متروک قرار دیا۔ پھر لطف یہ کہ آنحضرت صلعم سے روایت کرنیوالے یعنی صحابۂ کرام میں سے کوئی ایک شخص بھی قسم کھانے کو دروغگو ثابت نہیں ہوا۔ صحابۂ کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی اتنی بڑی جماعت میں سے کسی فرد واحد کی نسبت کسی قوم کا کوئی شخص یہ ثابت نہیں کرسکا کہ اُس نے کبھی جھوٹ بولا یہ خصوصی امتیاز بھی کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اِن پہلے راویوں کے بعد دوسرے اور تیسرے درجہ کے راویوں کی زندگیاں بھی عام طور پر محفوظ پائی جاتی ہیں اور اُن سب کا یہ عقیدہ تھا کہ آنحضرت صلعم کی نسبت کوئی بات اپنی طرف سے ملا کر بیان کرنا گناہ کبیرہ ہے عام طور پر حدیث کی مشہور کتابیں اِسی محفوظ زمانہ اور محتاط لوگوں کے عہد میں مرتب و مدون ہوچکی تھیں۔ ان کتابوں کے مرتب و مدون ہوچکنے کے بعد اُن کے مصنفین ہی کے زمانہ میں لوگوں نے اُن کو پڑھنا اور حفظ یاد کرنا شروع کردیا تھا اور آج تک اِن کتابوں کی سندیں متواتر سلسلوں سے دنیا میں موجود اور لاکھوں علماء کے سینوں اور دماغوں میں محفوظ ہیں فن طباعت کی ایجاد اور ان کتابوں کے چھپ جانے کے بعد بھی علمائے حدیث نے باقاعدہ اُستاد سے درس لینے اور سندِ حدیث حاصل کرنے کو ترک نہیں کیا ہے۔

اب سوچنے والا سوچے اور غور کرنیوالا غور کرے کہ کیا دنیا میں کبھی کسی شخص کے اقوال و افعال کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ اہتمام اور یہ انتظام پایا گیا ہے اور کیا یہ کسی انسانی منصوبے

اور انسانی کوشش کا نتیجہ ہے اور کیا اُس کی نظیر تلاش کرنے کے لئے کسی شخص کو آمادہ کیا جاسکتا ہے۔ علم حدیث اور اُس کے متعلقہ علوم و فنون پر غور کرنے کے بعد دنیا کی تمام تاریخوں کا مرتبہ نگاہ سے گر جاتا ہے۔ جبکہ مورخین کی لکھی ہوئی کتابوں پر ہم یقین کر لیتے ہیں تو آنحضرت صلعم کی زندگی سے واقف ہونے میں ہم کو یا کسی کو کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ اس دنیا کی طویل زندگی اور بنی نوع انسان کی اب تک کی پوری مدت میں صرف آنحضرت صلعم ہی ایک ایسے انسان ہوئے ہیں کہ جن کی زندگی محفوظ کہی جا سکتی ہے اس خصوصیت میں کوئی بھی دوسرا انسان اُن کا شریک نہیں ہے اور اسی لئے وہ خاتم النبیین اور زندہ رسول ہیں۔ کسی دوسرے شخص کے حالاتِ زندگی کو اس طرح محفوظ رہنا بھی نہیں چاہیے تھا۔ کیونکہ کوئی دوسرا شخص تمام اقوام تمام ممالک اور قیامت تک کے لئے ہادی و رہبر بن کر نہیں آیا تھا۔

مجموعۂ احادیث کے علاوہ سوانح عمری کے طور پر بھی آپ کے حالاتِ زندگی پر جس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں کسی دوسرے شخص کی اس قدر سوانح عمریاں نہیں لکھی گئیں۔ ابن ہشام طبری۔ ابن کثیر۔ ابوالفدا مسعودی۔ واقدی۔ ڈاکٹر اسپرنگر۔ ولیم میور۔ ایڈورڈ گبن۔ جان ڈیون پورٹ۔ ٹامس کارلائل۔ سرسید۔ امیر علی وغیرہ سیکڑوں مصنفین نے آپ کی مستقل سوانح عمریاں لکھیں جن میں عیسائیوں نے خاص طور پر اپنی عداوت کے تقاضے سے غلط بیانیوں کو کام فرمایا لیکن چاند کے چہرہ پر خاک نہ ڈال سکے اور اُس مہر منور کی روشنی کو ذرا بھی مکدر نہ کر سکے اردو زبان میں بھی اب تک سیکڑوں کتابیں لکھی جاچکی ہیں جن میں شردھے پرکاش دیو صاحب برہمو سماجی کی کتاب۔ رحمۃ للعالمین۔ سیرۃ خیر البشر۔ تذکرۃ الحبیب۔ سیرۃ الرسول۔ اسوۂ حسنہ۔ سیرۃ نبوی مصنفہ شبلیؒ۔ پیغمبر عالم وغیرہ۔ خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں۔

آنحضرت صلعم کی زندگی میں انسانی زندگی کے تمام شعبے موجود ہیں

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھے کہ یتیم ہوگئے۔ چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ بھی فوت ہوگئیں۔ والدہ کی وفات کے بعد آپ کے دادا عبدالمطلب آپ کے سرپرست تھے۔ دو برس کے بعد جبکہ آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی عبدالمطلب بھی فوت ہوگئے۔ نہ کوئی بھائی تھا نہ بہن کہ موجب تقویت ہوتے۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کے چچا ابو طالب آپ کے سرپرست ہوئے۔ بچپن میں آپ نے حلیمہ سعدیہ

کے یہاں بکریاں چرائیں۔ اس بے سروسامانی و بیکسی کو دیکھو پھر دوسری طرف اس بات پر غور کرو کہ آپ تمام ملک عرب کے بادشاہ تھے۔ ایسے اوقات بھی آپ پر گذرے کہ کئی کئی وقت تک کھانا نہیں ملا اور ایسے حالات بھی آپ پر گذرے کہ درہم و دینار کے انبار ذراسی دیر میں محتاجوں اور ضرورتمندوں کو اپنے اختیار اور اپنے ہاتھ سے تقسیم کرکے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک وہ وقت بھی آپ پر گذرا کہ کوئی متنفس یار و یاور اور غمگسار و مددگار نہ تھا۔ طائف میں ہر طرف سے آپ پر اینٹ پتھر کی بارش ہو رہی تھی آپ کے جسم مبارک سے خون جاری تھا۔ پاؤں زخمی ہو گئے تھے۔ لڑکوں اور غنڈوں کی بھیڑ غل مچاتی اور بُرا کہتی ہوئی مصروفِ کلوخ اندازی تھی۔ غار ثور میں آپ ایک رفیق کے ساتھ پوشیدہ تھے اور خون کے پیاسے دشمن آپؐ کا کھوج لگاتے اور تلاش کرتے ہوئے پھر رہے تھے۔ پھر ایک وہ وقت بھی آیا کہ آپؐ قیصر روم کے حملہ کی خبر سُن کر تیس ہزار جرار فوج لے کر مقام تبوک (سرحد شام) کی طرف مدافعت اور مقابلہ کے لئے بڑھے اور قیصر روم آپؐ کے مقابلہ پر آنے کی ہمت نہ کرسکا۔ مدینہ منورہ میں یہودی عیسائی بت پرست ستارہ پرست وغیرہ مختلف مذاہب اور مختلف عقائد کے لوگ موجود تھے سب کی متفقہ انجمن یا کونسل کے صدر پریسیڈنٹ آپ ہی قرار پائے اور سب آپؐ کے فیصلہ اور حکم کو آخری فیصلہ اور آخری حکم سمجھ کر قبول کرتے۔ پھر وہ زمانہ آیا کہ آپؐ مدینہ منورہ کے تنہا مطلق العنان فرمانروا تھے یعنی انجمن اقوام کے صدر ہونے کی حالت میں آپ کے حکم اور فیصلہ کا دوسرا اثر تھا اور بادشاہِ عرب ہونے کی حیثیت میں دوسرا۔ آپ نے ایک جج کی خدمات بھی انجام دیں اور ایک خندق کھودنے والے مزدور کا کام بھی کیا۔ آپ اُمی بھی تھے اور تمام علماء و فضلاء کے معلم بھی۔ آپ ایک مستعد سپاہی کی حالت میں بھی رہے اور ایک بہادر سپہ سالار کی حالت میں بھی دیکھے گئے۔ آپ نے بکھرے ہوئے اوراق کو مجتمع کرکے ایسی شیرازہ بندی کی اور ایک ایسی قوم بنائی جس کی نظیر دستیاب نہیں ہو سکتی آپؐ نے وحشیوں اور جاہلوں کو تہذیب و علم کا سب سے بڑا وارث بنا دیا۔ آپ مقنن بھی تھے اور مجسٹریٹ بھی۔ آپؐ تاجر بھی تھے اور مزدور بھی آپؐ مالدار بھی تھے اور مفلس بھی۔ آپؐ محتاج بھی تھے اور غنی بھی آپؐ واعظ بھی تھے اور محتسب بھی آپ دلسوز شفیق بھی تھے اور بارعب حاکم بھی۔ آپ بے تکلف دوست بھی تھے اور باوقار اُستاد بھی آپؐ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں سے بھی خط و کتابت رکھتے تھے اور مفلس و نادار اصحاب صفہ

میں بھی ملے جلے نظر آتے تھے۔ بڑے بڑے شہنشاہ آپ سے مرعوب تھے اور ایک معمولی بڑھیا آپ سے بلا جھجک گفتگو کرتی تھی۔ آپؐ دستکار بھی تھے اور شہسوار بھی۔ آپؐ اعلیٰ درجہ کے سپہ سالار بھی تھے اور عابد شب زندہ دار بھی۔ آپؐ بچوں کے باپ اور بیبیوں کے شوہر بھی تھے اور رعایا کے حاکم اور اُمت کے پیشوا اور رسول بھی۔ غرض انسانی زندگی کے جس قدر شعبے اور جس قدر مدارج و مراتب تجویز کئے جا سکتے ہیں وہ سب کے سب ہم کو ایک آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی میں یکجا موجود نظر آسکتے ہیں۔ اسی لئے ہر شخص آنحضرت صلعم کو اپنے لئے نمونہ ٹھہرا سکتا اور آپؐ کی پیروی سے کامیاب و بامراد ہو سکتا ہے۔ بخلاف اس کے دوسرے تمام بانیان مذاہب اور پیغمبران عالم کی زندگیوں کے حالات اگر ہم کو معلوم بھی ہو سکے ہیں تو اُن میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ملتا جس کی زندگی کو ہر شخص اپنے لئے مشعلِ راہ بنا سکے۔ مثلاً ایک بادشاہ کسی شہر کو فتح کرتا اور فاتحانہ اُس میں داخل ہوتا ہے تو اُس کو یہ معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ ایسی حالت میں میرے ہادی اور میرے پیشوا نے مفتوحین سے کیا سلوک کیا تھا تاکہ میں بھی اُسی کے نقش قدم پر چل کر رضائے الٰہی حاصل کر سکوں۔ اس حالت میں اُس کو فوراً فتح مکہ کا واقعہ یاد آجائیگا کہ آنحضرت صلعم نے کس سیر چشمی کے ساتھ مکہ والوں کو معاف کیا اور لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ "آج تم پر کوئی الزام نہیں" فرمایا تھا۔ اسی طرح اس کو مہاراجہ رامچندر کی زندگی میں بھی لنکا کی فتح کا واقعہ یاد آسکتا ہے کہ اُنھوں نے مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا اور لنکا میں آگ لگا کر کس طرح مغلوب دشمنوں سے بدلہ لیا تھا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں اُس کو کوئی نمونہ نہیں مل سکتا۔ کیونکہ اُن کو کسی شہر کے فتح کرنے اور مفتوحین سے کسی قسم کے سلوک کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ ایک شخص اپنے والدین کے ساتھ برتاؤ اور معاشرت کے متعلق جب کسی ہدایت اور رہبری کا خواہاں ہوتا ہے تو اُس کو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تمام وہ ارشادات یاد آجاتے ہیں جو والدین کے متعلق آپ نے فرمائے اور لوگوں کو تاکیدی طور پر بتائے اور اپنے سامنے اُن پر عملدرآمد کرایا۔ اسی طرح اُس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بھی وہ واقعہ یاد آجاتا ہے جہاں اُنھوں نے اپنی والدہ ماجدہ کو "او عورت" کہہ کر مخاطب فرمایا اور ناکام واپس چلے جانے پر مجبور کیا تھا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں اطاعت والدین کے متعلق بائیبل کے ذریعہ کوئی نمونہ دستیاب

نہیں ہوتا۔ ایک عیالدار آدمی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کرے اس کے لئے آنحضرت صلعم کی زندگی میں اُس کو قولی و فعلی ہر قسم کے نمونے مل سکتے ہیں اسی طرح گوتم بدھ کی زندگی میں بھی اُس کو نمونہ ملجاتا ہے کہ اُنہوں نے کس طرح بیوی بچوں کو پریشان و نامراد چھوڑ کر ترک علائق کیا لیکن مسیح علیہ السلام کی زندگی میں ایسے نمونے کا تلاش کرنا فضول ہے خلاصہ کلام یہ کہ دوسرے تمام بانیان مذاہب کی زندگیاں خاص خاص پہلوؤں میں نمونہ بنائی جاسکتی تھیں اور بنی نوع انسان کے تمام افراد اور تمام زمانوں کے لئے نمونہ کا کام نہیں دے سکتیں صرف آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی زندگی ایک جامع زندگی ہے اور اِسی لئے وہ قیامت تک ایک نمونہ ہے اور اِسی لئے اُس کو محفوظ رہنا چاہئے تھا۔ اور اسی لئے وہ تمام انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں کے قابل اقتدا پہلوؤں کو اپنے اندر مجتمع رکھتی ہے۔ موسیٰ کی جوانمردی ہارونؑ کی نرمی۔ ایوبؑ کا صبر۔ داؤدؑ کی سپہ گری۔ سلیمانؑ کی شان و شوکت۔ یحییٰؑ کی سادگی مسیحؑ کی حلیمی و فروتنی۔ سب کچھ آنحضرت صلعم کی زندگی میں اعلیٰ و اتم طریقہ پر موجود نظر آتی ہے۔

ع۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ کوئی اتفاقیہ بات نہ تھی کہ آپ کو اپنی زندگی میں وہ تمام واقعات پیش آئے جو بہت سے آدمیوں کو مختلف حیثیتوں میں پیش آسکتے ہیں۔ بلکہ آپؐ کی زندگی میں اِن تمام مختلف واقعات کا پیش آنا ضروری اور لازمی تھا۔ کیونکہ آپ خاتم الانبیاء تھے۔ خدائے تعالیٰ نے جبکہ آپؐ کو خاتم الانبیاء بنایا تو یتیمی سے لے کر بادشاہت تک کے تمام بیشمار مراتب طے کرادیے تاکہ کامل نبی جس طرح کامل ہدایت نامہ کا حامل ہو اِسی طرح اُس کی زندگی بھی نوع انسان کے لئے کامل نمونہ بن سکے۔

آنحضرت صلعم کی زندگی میں اعلیٰ ترین اخلاقی نمونے

حضرت عائشہ صدیقہ نے آنحضرت کے اخلاق و عادات کی نسبت فرمایا ہے کہ کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنُ "آپ کا خلق قرآن تھا" یعنی قرآن کریم کی تعلیم کا عملی نمونہ آپکی زندگی تھی جس طرح قرآن شریف انسانی زندگی کے سارے شعبوں اور قوائے انسانی کی ساری شاخوں کی پرورش کے لئے اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم دیتا ہے اسی طرح آنحضرت صلعم کی زندگی ہر قسم کے اخلاق کا مکمل مجموعہ ہے علمی طور پر مکمل تعلیم قرآن مجید میں موجود ہے تو عملی نمونہ آنحضرت صلعم کی زندگی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۂ احزاب رکوع ۳)	مسلمانوں تمہارے لئے پیروی کرنے کو رسول اللہ کا عمدہ نمونہ موجود تھا۔

سادگی اور اخلاص کو آپ کے خصائل حسنہ کا خلاصہ کہا جا سکتا ہے۔ اخلاق فاضلہ آپ کی فطرت وجبلت میں ودیعت کئے گئے تھے۔ اکتسابی طور پر آپ نے حاصل نہ کئے تھے آپ کے اخلاق فاضلہ کا پورا حال بیان کرنے کے لئے ایک بہت بڑی ضخیم کتاب کی ضرورت ہے اور اُن کے متعلق صحیح اندازہ کرنے کے لئے سیرت نبوی پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ طالب حق کو اُن کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اس جگہ چند باتیں نہایت ہی مختصر طور پر بطریق اشارات درج کی جاتی ہیں۔

آپ نے کبھی اپنے آپ کو دنیوی کام کاج میں اوروں سے ممتاز نہیں کیا بلکہ جیسے سب لوگ اپنے گھروں میں اپنا کام کرتے ہیں ایسے ہی آپ بھی کیا کرتے تھے۔ آپ خود ہی اپنی بکریوں کا دودھ دوہتے خود ہی اپنے کپڑے سیتے خود ہی جوتیاں گانٹھ لیتے۔ غرض اپنے سب کام خود کر لیتے تھے۔ (بخاری وترمذی) مدینہ منورہ میں جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی تو آپ بہ نفس نفیس سب کاموں میں شریک تھے یہاں تک کہ معمولی مزدوروں کی طرح آپ بھی اینٹیں اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے (بخاری) غزوۂ خندق کے موقع پر آپ نے بھی خندق کھودنے میں سب لوگوں کا ساتھ دیا اور خود اپنے ہاتھوں سے مٹی اُٹھانے اور پتھر توڑنے میں تامل نہیں فرمایا (بخاری) کھانے میں سادگی کا یہ حال تھا کہ آپ کی غذا عموماً جَو کی روٹی ہوتی تھی (بخاری وترمذی) چونکہ آپ کے یہاں چھلنی نہ تھی اس لئے آٹے کی بھوسی پھوک مار کر جُدا کر دی جاتی تھی (ترمذی) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم کی زندگی میں آپ کو اور آپ کے اہل و عیال کو کبھی پیٹ بھر کر جَو کی روٹی بھی متواتر دو دن تک نہیں ملی (ترمذی) اہل بیت آنحضرت صلعم کے گھروں میں بعض مرتبہ ایک ایک مہینہ تک آگ نہیں جلی اور سب نے صرف پانی اور کھجوروں پر گزارا کیا (شفا) ابو طلحہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر بھوک کی شکایت کی اور دامن اُٹھا کر دکھایا کہ پیٹ پر پتھر باندھ رکھے ہیں آنحضرت صلعم نے ہماری تسکین کے لئے اپنا دامن اُٹھایا تو ہم نے دیکھا کہ شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے (مشکوٰۃ) ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ آپ نے کبھی کسی کھانے کو بُرا نہیں کہا جو کچھ موجود ہوتا تھا وہی تناول فرما لیتے تھے اگر بھوک نہیں ہوتی تھی تو چھوڑ دیتے تھے (بخاری) حضرت عائشہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلعم کا بستر آپ کے گھر میں کس چیز کا تھا اُنہوں نے فرمایا کہ ادھوڑی کا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (بخاری و ترمذی) یہی سوال حضرت حفصہ سے کیا گیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ ایک ٹاٹ کا ٹکڑا تھا جسے ہم دوہرا کر دیا کرتے تھے آپؐ اسی پر استراحت فرمایا کرتے تھے۔ ایک رات میں نے خیال کیا کہ اس کی چار تہیں کر دیں تو آپؐ کو زیادہ آرام ملیگا چنانچہ ایسا ہی کیا جب صبح ہوئی تو آپؐ نے پوچھا کہ رات تم نے میرے لئے کیا بچھایا تھا میں نے کہا وہی آپ کا ٹاٹ تھا مگر اُس کی چار تہیں کر دی تھیں تاکہ آپ کو زیادہ آرام ملے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں تم اُس کو جیسا کہ پہلے تھا ویسا ہی کر دو اُس نے مجھے رات نمازِ شب سے باز رکھا (ترمذی) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپؐ کے اونٹ کا پالان پورانا تھا جس کی قیمت ہمارے خیال میں چار درہم یعنی ایک روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی (شفا) آپؐ کے خادم حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں آٹھ برس کا تھا جب آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور برابر دس برس تک خدمت میں حاضر رہا مگر اس تمام مدت میں آپ نے کبھی اُف تک نہیں کہا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا یا وہ کام کیوں نہیں کیا (مشکوٰۃ) حضرت انسؓ ہی کا بیان ہے کہ آنحضرت صلعم کی زبانِ مبارک سے نہ کبھی فحش اور بیہودہ کلمہ نکلتا تھا نہ آپ کسی پر لعنت کرتے تھے اور نہ کسی کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ اگر کسی پر بہت ہی خفا ہوتے تو فقط اتنا فرماتے مَالَہٗ تَرِبَ جَبِینُہٗ یعنی اُسے کیا ہو گیا اسکی پیشانی خاک آلودہ ہو (بخاری) آپ نے خانگی تعلقات کو آدمی کی نیکی اور خوشخوئی کا معیار قرار دیا اور ارشاد فرمایا ہے خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ یعنی تم میں سے اچھے وہی ہیں جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھے ہوں (مشکوٰۃ) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ کی طبیعت میں کسی قسم کی بیہودگی اور لغویت نہیں تھی نہ آپ کبھی چلاتے تھے نہ کسی بدی کے عوض بدی کرتے تھے بلکہ ہمیشہ درگذر کرتے اور معاف فرما دیتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ آپ نہایت فراخ حوصلہ۔ نہایت صادق البیان۔ نہایت نرم مزاج اور نہایت خوش خلق تھے۔ آپ اپنے اصحاب سے خوش طبعی بھی فرماتے اور اُن کی سب باتوں میں شریک ہوتے آپؐ بچوں سے بھی کھیلا کرتے اور اُن کو اپنی گود میں بٹھالیا کرتے تھے۔ شہر کے دور دراز حصّوں میں بھی مریضوں کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے تشریف لیجاتے تھے کوئی شخص اگر کچھ عذر پیش کرتا تو قبول فرما لیتے اور اُسے معذور سمجھتے تھے (شفا) کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے آپؐ سے مصافحہ کیا ہو اور آپؐ

نے اُس کے ہاتھ کھینچنے سے پہلے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہو جس کسی سے ملتے پہلے خود سلام کرتے اور خود مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے تھے۔ جب کوئی شخص آپ کے پاس آتا تو آپ اکثر اُس کے لئے اپنی چادر بچھا دیتے تھے۔ آپ اپنے اصحاب کو تعظیماً کنیت سے مخاطب فرماتے اور محبت آمیز و پسندیدہ ناموں سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ آپ کبھی کسی کا قطع کلام نہ کرتے تھے۔ ہاں اگر کوئی شخص نازیبا بات کہتا تو آپ اُسے منع فرما دیتے یا خود اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے تاکہ وہ خود ہی رُک جائے (شفا) عبداللہ بن حارث کا قول ہے کہ میں نے کسی شخص کو آنحضرت صلعم سے زیادہ خوش خلق اور خوش مزاج نہیں دیکھا (شفا) آپ کا ارشاد ہے کہ "وہ پہلوان نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ اصل پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کا مالک ہو" (مشکوٰۃ) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ آپ اشجع الناس یعنی انتہا درجہ کے بہادر تھے۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ اہل مدینہ یکایک گھبرا اُٹھے کیونکہ ڈاکہ پڑنے یا دشمن کے چڑھ آنے کا خطرہ تھا لوگ اُس آواز کی جانب چلے مگر اُدھر سے آنحضرت صلعم واپس آتے ہوئے ملے کیونکہ آپ سب آدمیوں سے پہلے تنہا اُدھر تشریف لے گئے تھے آپؐ نے تسلی کے طور پر فرمایا کہ ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ اُس وقت ابو طلحہؓ کے برہنہ پشت گھوڑے پر سوار تھے اور گردن مبارک میں تلوار لٹکی ہوئی تھی (بخاری) براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم سب جنگِ حنین میں آنحضرت صلعم کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے میں نے کہا کہ ہاں لیکن آنحضرت صلعم اپنی جگہ پر قایم رہے اور میں نے آپؐ کو دیکھا کہ آپؐ ایک سفید خچر پر سوار تھے اور ابوسفیان بن حارث آپؐ کے چچا زاد بھائی آپؐ کی رکاب تھامے ہوئے تھے اور حضرت عباس آپؐ کی لگام پکڑے ہوئے تھے اور آنحضرت صلعم یہ رجز پڑھ رہے تھے۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب (میں سچا پیغمبر ہوں، میں ابن عبدالمطلب ہوں) اُس روز آپ سے زیادہ بہادر اور شجاع کوئی شخص نظر نہیں آیا اور خدا کی قسم جب لڑائی بہت تند و تیز ہوتی تھی تو ہم آپ ہی کی پناہ ڈھونڈھا کرتے تھے اور ہم میں سب سے زیادہ دلیر اور بہادر وہی شخص ہوتا تھا جو آپ کے ساتھ کھڑا رہ سکتا تھا۔ (بخاری) حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ کہ جب لڑائی شدت کی ہوتی تھی اور جوش و محنت سے آنکھیں سُرخ ہو جاتی تھیں تو ہم آنحضرت صلعم کی آڑ لیتے تھے اور ہم میں سے کوئی آدمی آپ سے زیادہ دشمن سے قریب نہ ہوتا تھا۔ اور میں نے جنگِ بدر میں دیکھا کہ ہم آپؐ ہی کی پناہ ڈھونڈتے تھے۔ اور آپؐ اُس دن سب سے زیادہ مستقل مزاج اور قوی القلب تھے (شفا) توحید

باری تعالیٰ کی تبلیغ اور بت پرستی کی مذمت سُنتے سُنتے قریشیوں نے آنحضرت صلعم کے چچا ابو طالب سے شکایت کی ایک دو مرتبہ تو ابو طالب نے اِن لوگوں کو سمجھا بجھا کر ٹال دیا مگر جب آنحضرت صلعم کے وعظ کا سلسلہ برابر جاری رہا تو ایک دن اُن کے اکابر جمع ہو کر پھر ابو طالب کے پاس آئے اور کہا کہ تم اپنے بھتیجے کو منع کر دو ورنہ پھر ہماری تمہاری لڑائی ہو گی اور اُس وقت تک صلح نہ ہو گی جب تک ایک فریق مارا نہ جائے وہ یہ کہہ کر چلے گئے۔ ابو طالب نے آنحضرت صلعم کو بلوایا اور کہا کہ اے بھتیجے لوگوں نے مجھ سے یہ کہا ہے اب تم خود اپنے اور میرے حال پر رحم کرو اور مجھے ایسی بات پر مجبور نہ کرو جو میری طاقت سے باہر ہے۔ آنحضرت نے ابو طالب کی باتیں سُن کر سمجھا کہ ابو طالب نے بھی میرا ساتھ چھوڑنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ تاہم آپ نے نہایت استقلال سے جواب دیا کہ اے چچا اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں اور چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تب بھی خدا گواہ ہے کہ میں اپنا کام نہ چھوڑونگا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اسے پورا نہ کر دے یا میں مر نہ جاؤں یہ کہہ کر آپ وہاں سے اُٹھ کر چلنے لگے اِس استقلال اور ثبات و ہمت کا یہ اثر ہوا کہ ابو طالب نے آپ کو پھر بلا کر کہا کہ بھتیجے جاؤ جو تمہارا جی چاہے کہو خدا کی قسم میں کبھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑونگا۔ (سیرت ابن ہشام) جب اہل مکہ ابو طالب کی طرف سے مایوس ہوئے تو اُنھوں نے ایک جلسہ منعقد کیا اُس میں آنحضرت صلعم کو بلایا آپ آئے تو اوّل اہل مکہ نے آپ سے بہت کچھ شکایتیں کیں پھر کہا کہ اگر تم نے یہ نئی نئی باتیں اس لئے پھیلانی شروع کی ہیں کہ دولتمند ہو جاؤ۔ تو ہم نے تمہارے لئے اِس قدر روپیہ جمع کر لیا ہے کہ تم سب سے زیادہ دولتمند ہو جاؤ اگر تم ہم میں بزرگی چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا سردار بنانے کے لئے تیار ہیں اگر تم ملک اور سلطنت کے خواہاں ہو تو ہم تم کو اپنا بادشاہ بنا لینے پر آمادہ ہیں۔ اگر تم کو آسیب ہو گیا ہے تو ہم اپنے خرچ سے تمہارا علاج کرا سکتے ہیں۔ اگر تم پھر بھی اچھے نہ ہو تو خیر ہم تم کو دیوانہ سمجھ کر معذور رکھیں گے لیکن یہ تو نہیں دیکھا جاتا کہ تم ہمارے بتوں کو بُرا کہو اور ہمارے درمیان تفرقہ ڈال دو اور ایک دوسرے کو جُدا کر دو۔ کُفار مکہ کی یہ باتیں سُن کر آپ نے فرمایا نہ میں مال چاہتا ہوں نہ بزرگی نہ بادشاہت کا خواہاں ہوں نہ دیوانہ ہوں خدائے تعالیٰ نے مجھ کو تمہاری ہدایت کے لئے مامور کیا ہے۔ میں اللہ کا پیغام تم تک پہنچاتا اور تم کو سمجھاتا ہوں۔ اگر تم مانو تو تمہارے لئے دین و دنیا کی بہتری ہے۔ اگر نہ مانو تو میں اللہ کے حکم پر صبر کرونگا یہاں تک کہ اللہ مجھ میں اور تم میں فیصلہ کر دے یہ سُن کر کفار نے کہا کہ اچھا تو اگر خدا کا رسول ہے تو ہمارے ملک میں سے پہاڑوں کو

ہٹادے اور عراق و عجم کی سی نہریں بہادے اور ہمارے بزرگوں کو زندہ کردے۔ آپ نے فرمایا مجھے
اللہ نے اِن باتوں کے لیے نہیں بھیجا۔ مجھے تو جو حکم دیا گیا ہے وہی کرتا ہوں اور جو پیام مجھے پہنچا
ہے وہی تم تک پہنچاتا ہوں اُس کا ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ اِسی قسم کی باتیں ہونے کے بعد
کفار نے آخر میں کہا کہ ہم یوں تو نہیں مانیں گے جب تک کہ ہم تجھے قتل نہ کر ڈالیں یا تو ہم کو نہ
مار ڈالے۔ یہ سُن کر آنحضرت صلعم اُس مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور واپس تشریف لے آئے
مگر آپ کے استقلال میں ذرا بھی کمی واقع نہ ہوئی (سیرۃ ابن ہشام) جنگ احد میں آنحضرت
صلعم کا ایک دندان مبارک عتبہ ابن ابی وقاص کے پتھر سے شہید ہو گیا اور چہرۂ مبارک عبد اللہ
ابن شہاب الزہری کے حملہ سے مجروح و خون آلود ہوا تو صحابہ کرام رض نے آپ سے عرض کیا۔
کہ کاش آپ ان لوگوں کے حق میں دعائے بد فرماتے اور یہ اپنی کیفر کردار کو پہنچتے آنحضرت
نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں لعنت اور بد دعا کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ راہِ راست
کی طرف بلانے کیلئے آیا ہوں اور خدا نے مجھے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پھر آپ نے خدائے تعالیٰ سے دعا کی۔
"الٰہی میری قوم کو بخش دے اور اُنکو راہ راست کی ہدایت کر کیونکہ وہ جانتے نہیں (شفا) ایک مرتبہ ایک یہودی زید
بن سعنہ اسلام لانے سے پیشتر آپ کے پاس اپنے کچھ قرض کا تقاضا کرنے آیا اور شانۂ مبارک سے چادر کھینچ لی اور
بہت کچھ بُرا بھلا کہہ کر کہا کہ "تم بنی عبد المطلب بڑے ہی نادہند اور وعدہ خلاف ہو" اُسکی اس بدزبانی پر بھی آنحضرت صلعم
برابر مسکراتے رہے مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے جھڑک کر ایسی بیہودہ گوئی سے روکنا چاہا تو آپ نے فرمایا۔
"اے عمرؓ تم نے ہم دونوں سے وہ طرز عمل اختیار نہیں کیا جو ہونا چاہئے تھا اور جسکی ہم کو ضرورت تھی یعنی مناسب یہ تھا کہ تم اُسے جھڑکنے
کے بجائے مجھ سے ایفائے وعدہ اور ادائے قرض کے لئے کہتے اور اُس کو حسنِ طلب اور تقاضے
میں نرمی کی نصیحت کرتے" یہ کہہ کر آپ نے حضرت عمر رض سے ارشاد فرمایا کہ اس کا قرض ادا کردو
اور جھڑکنے کے معاوضہ میں اسے بیس صاع (تقریباً ڈیڑھ من) جو اور دیدو" حالانکہ میعاد قرض
میں ابھی تین دن باقی تھے۔ اِس حلم۔ نیک نیتی اور خوش خوئی نے اس یہودی کے دل پر ایسا
اثر کیا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ اُس کا بیان ہے کہ مجھے آپ میں نبوت کی تمام نشانیاں معلوم ہوتی
تھیں مگر صرف دو باتیں میں نے نہیں آزمائی تھیں ایک تو یہ کہ اُن کا حلم اُن کے غضب
سے زیادہ ہے دوسرے یہ کہ اُن پر جس قدر سختی کیجائے اُسی قدر اُن کی نرمی اور مہربانی
بڑھتی جاتی ہے۔ اب میں نے ان دونوں صفتوں کو آپ میں اپنی آنکھ سے دیکھ لیا اور مجھے آپ
کی رسالت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا (شفا) ایک مرتبہ مسجد نبوی میں ایک بدو آیا۔ صحرائی

اور وحشی لوگوں میں تمیز کہاں۔ اُس نے اپنی بدتمیزی سے مسجد ہی میں بیٹھ کر پیشاب کر دیا اُس کی یہ بے ادبی اور بدتہذیبی سب کو شاق گذری لوگ اُسے مارنے کے لئے اُٹھے مگر آنحضرت صلعم نے سب کو روک دیا اور فرمایا کہ اسے جانے دو اور پیشاب پر پانی بہا دو کیونکہ تم آسانی اور نرمی کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو۔ سختی اور تشدد کرنے کے لئے نہیں (بخاری) فتح مکہ کے روز تمام مکہ والوں کو جنہوں نے آپ پر بڑی بڑی زیادتیاں اور ظلم کئے تھے لا تثریب علیکم الیوم کہہ کر معاف فرما دیا۔ (بخاری) جب آپؐ ہجرت سے پیشتر کعبہ میں نماز ادا فرماتے تھے تو کفار ہر طرح آپ کو چھیڑتے اور پریشان کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ پر کیچڑ ڈال دی اور آپ اُسی حال میں گھر تشریف لائے۔ آپؐ کی صاحبزادی سر دُھلاتی ہوئی روتی جاتی تھیں آپ نے فرمایا بیٹی روؤ مت اللہ تیرے باپ کا محافظ ہے۔ (سیرت ابن ہشام) ایک روز آپ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے اُس روز مکہ میں اونٹ ذبح ہوئے تھے ابوجہل وغیرہ نے اُن کی آلایش لا کر آپؐ کے اوپر ڈال دی اُس وقت اتفاق سے حضرت فاطمہؓ پہنچ گئیں اور اُنہوں نے آلایش کو آپؐ پر سے ہٹایا (بخاری) جبیر بن مطعم کا بیان ہے کہ جب ہم جناب رسولِ خدا کے ہمرکاب جنگ حنین سے واپس آ رہے تھے تو ایک جگہ بدوی آپؐ سے مانگتے مانگتے لپٹ پڑے یہاں تک کہ آپؐ کو ایک ببول کے درخت تک دھکیلتے ہوئے لے گئے اور اِس کشمکش میں آپؐ کی چادر اُس کے کانٹوں میں اُلجھ گئی آپؐ نے وہاں رُک کر اُن سے فرمایا کہ میری چادر تو مجھے دیدو۔ اگر میرے پاس جنگل کے اِن درختوں کی برابر بھی اونٹ ہوتے تو میں سب تم میں تقسیم کر دیتا اور تم مجھے نہ تو بخیل پاتے اور نہ جھوٹا اور نہ ڈرپوک (بخاری) ابوسعید الخدری فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ انصار کے بعض لوگوں نے آپؐ سے کچھ مانگا۔ آپؐ نے اُن کو دیدیا، اُنہوں نے اور مانگا آپؐ نے اُن کو اور دیا یہاں تک کہ آپ کے پاس جو کچھ تھا سب دے ڈالا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جو مال آتا ہے میں اُسے تم لوگوں سے بچا کر جمع نہیں کر رکھتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے یہ چاہتا ہے کہ اُسے سوال کی ذلت سے بچائے اللہ تعالیٰ اُسے بچا لیتا ہے اور جو استغنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے غنی کر دیتا ہے اور جو شخص صبر اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے صابر بنا دیتا ہے اور کسی شخص کو عطایائے الٰہی میں سے کوئی عطیہ صبر سے زیادہ اچھا نہیں دیا گیا (بخاری) حضرت حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ دستِ بلند (دینے والا ہاتھ) دستِ پست (لینے والے ہاتھ) سے بہتر ہے" (بخاری)

بعض اوقات جب آپؐ کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا اور کوئی حاجتمند آجاتا تھا تو آپؐ قرض لے کر اُسکی حاجت پوری کرنے میں تامل نہ ہوتا تھا اور بالعموم آپ اِسی قسم کے قرض ہوتے تھے ورنہ آپ اپنی ذاتی ضرورتوں کو قرض لے کر پورا کرنے سے بالکل بے نیاز تھے۔ ایک بار آپ کہیں جنگل میں تشریف لئے جاتے تھے ایک صاحب اور بھی آپؐ کے ساتھ تھے آپؐ نے ایک جگہ کھود کر دو مسواکیں نکالیں ایک سیدھی تھی ایک ٹیڑھی آپ نے ٹیڑھی خود لی اور سیدھی اُس شخص کو دی۔ اُس نے عرض کیا کہ سیدھی آپ رہنے دیں مگر آپؐ نے نہیں لی اور فرمایا کہ جو شخص کسی کی صحبت میں رہتا ہے، خواہ گھڑی بھر ہی کیوں نہ ہو قیامت کے دن پوچھا جائیگا کہ حقِ صحبت بجالایا یا نہیں (الحقوق والفرائض) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن آپؐ میرے یہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے سُنا ہے کہ تم رات بھر نماز پڑھتے ہو اور دن کو روزہ رکھتے ہو میں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو جاگو بھی اور سوؤ بھی۔ روزہ بھی رکھو اور ناغہ بھی کرو کیونکہ تمہارے اوپر تمہارے جسم کا بھی حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے تمہارے دوستوں اور بھائیوں کا بھی حق ہے اور گھر والوں کا بھی (بخاری) سعد ابن وقاص فرماتے ہیں کہ میں مکہ میں بیمار پڑا اور میری حالت نازک ہو گئی مگر میرا اس شہر میں مرنے کو جی نہیں چاہتا تھا جہاں سے میں ہجرت کر چکا تھا۔ آپؐ میری عیادت کے لئے تشریف لائے تو میں نے کہا یا رسول اللہ میں اپنا تمام مال خیرات کرنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا اچھا آدھا۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا اچھا تہائی۔ آپ نے فرمایا تہائی بھی بہت ہے مگر خیر۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے وارثوں کو دولتمند چھوڑو بہ نسبت اس کے کہ تم اُن کو نادار چھوڑو (بخاری) آنحضرت صلعم بعثت سے پیشتر بھی تمام ملک میں الامین کے خطاب سے مشہور تھے آپؐ کی امانت و دیانت پر سب کو اعتماد تھا۔ اختلافاتِ قریش میں آپ حَکَم بنائے جاتے تھے۔ یہود مدینہ بھی اپنی ذاتی خصومتوں میں آپ ہی سے تصفیہ چاہتے تھے حالانکہ اُن کو آپ کی نبوت سے انکار تھا۔ کبھی کسی کو آپ کے انصاف پر کوئی شک و شبہ نہیں ہوا۔ آپؐ کا عدل و انصاف اِس قدر یقینی تھا کہ کبھی مسلم اور غیر مسلم میں کوئی جھگڑا ہو جاتا تھا تو دونوں فریق آپ ہی سے فیصلہ چاہتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد ایک عورت فاطمہ بنت الاسود چوری کے جرم میں پکڑی گئی ثبوت جرم کے بعد آپ نے اُس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ شرفائے قریش کو یہ عار ناگوار گذرا اور اُنہوں نے چاہا کہ آپ سے سفارش کر کے اس عورت کو اس سزا سے بچالیں مگر آنحضرت صلعم سے عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی آخر اُسامہؓ بن زید کو کہہ سُن کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آپ سے اس عورت کے

لئے سفارش کریں۔ آپ نے اسامہ کی سفارش سن کر فرمایا کہ اُسامہ تم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزا میں سفارش کو دخل دیتے ہو پھر آپ اُٹھے اور خطبہ میں فرمایا کہ "اے لوگو تم سے پہلے کی قومیں اسی لئے تباہ ہوگئیں کہ جب ان میں کوئی بڑا خاندانی شخص چوری کرتا تھا تو لوگ اُسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تھا تو اُسے سزا دیتے تھے خدا گواہ ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمد (صلعم) نے چوری کی ہوتی تو یقیناً میں اُس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا (بخاری) ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تم میری تعریف میں زیادہ مبالغہ مت کرو جیسے مسیحیوں نے عیسیٰ بن مریم کو حد سے زیادہ بڑھا دیا میں تو اللہ کے بندوں میں سے ایک اللہ کا بندہ ہوں اس لئے مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہا کرو۔ ایک روز آپ باہر تشریف لائے تو سب صحابہؓ تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے اس پر آپ نے فرمایا کہ جیسے عجمی آپس میں ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اس طرح تم کو کھڑا نہ ہونا چاہیئے۔ پھر آپ نے فرمایا میں بھی ایک بندہ ہوں جیسے اور لوگ کھاتے ہیں ویسے ہی میں بھی کھاتا ہوں جیسے اور لوگ بیٹھتے ہیں ویسے ہی میں بھی بیٹھتا ہوں (شفا) آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ بیوگان اور مسکینوں کے لئے کوشش کرنیوالا مجاہد فی سبیل اللہ اور قائم اللیل اور صائم النہار کی برابر درجہ رکھتا ہے (مشکوٰۃ) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ جنت پانے کا عمل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا صدق کیونکہ جب آدمی سچا ہوتا ہے تو نیکی کرتا ہے اور جب نیکی کرتا ہے تو نور ایمان پیدا ہوتا ہے اور جب ایمان دار ہوتا ہے تو جنت میں داخل ہوتا ہے۔ ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا کہ خبردار ہمیشہ سچے رہو خواہ تم کو سچائی میں ہلاکت ہی کیوں نہ نظر آئے۔ کیونکہ بلاشبہ نجات اسی میں ہے (ترغیب وترہیب) آپ نے فرمایا جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ بدکاری کی طرف لیجاتا ہے اور بدکاری آگ کی طرف رہبری کرتی ہے۔ جو شخص جھوٹا ہوتا ہے وہ بارگاہ کبریائی میں کذاب لکھا جاتا ہے (بخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی) روایت ہے کہ جنگ بدر میں اخنس بن شریق ابوجہل سے ملا تو اُس نے ابوجہل سے کہا کہ اے ابوالحکم میں تجھ سے ایک بات پوچھتا ہوں یہاں ہم دونوں کے سوا اور کوئی ہماری بات سننے والا نہیں ہے تو مجھے سچ سچ بتا دے کہ آیا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچا آدمی ہے یا جھوٹا ابوجہل نے جواب دیا کہ واللہ یقیناً محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیشہ سچ بولتا ہے اور اُس نے کبھی غلط بیانی نہیں کی (شفا) بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نضر بن حارث (جو کفار قریش میں سے تھا) ایک دن آنحضرت صلعم کے متعلق اکابر قریش سے کہنے لگا کہ محمد صلعم جب تم میں نوعمر

لڑکا تھا تب وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ کردار راست گفتار اور امانت دار سمجھا جاتا تھا مگر جب اُس کی داڑھی کے بال سفید ہونے لگے اور اُس نے تم سے وہ باتیں کہنی شروع کیں جو وہ کہتا ہے تو اب تم کہتے ہو کہ وہ جادوگر ہے۔ نہیں خدا کی قسم وہ جادوگر نہیں ہے۔ ہم نے جادوگروں کے شعبدے دیکھے ہیں۔ اور تم کہتے ہو کہ وہ کاہن ہے تو واللہ وہ کاہن بھی نہیں ہے۔ ہم نے کہانت کے تماشے بھی دیکھے ہیں اور تم کہتے ہو کہ وہ دیوانہ ہے تو واللہ وہ دیوانہ بھی نہیں ہم دیوانوں کی دیوانگی اور خبط کو بھی جانتے ہیں اور تم کہتے ہو کہ وہ شاعر ہے تو واللہ وہ شاعر بھی نہیں ہے ہم شعر کے تمام اصناف سے بھی واقف ہیں پس اے معشر قریش تم اس معاملہ پر غور کرو۔ واللہ تم پر ایک امر عظیم واقع ہوا ہے (سیرۃ ابن ہشام) ہجرت سے پہلے باوجودیکہ اہل مکہ آپ کے جانی دشمن اور قتل کے درپے تھے لیکن پھر بھی اُن کو آپ کی صداقت اور دیانت و امانت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جس کسی کے پاس کوئی ایسا سامان ہوتا تھا جس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ آپ کے پاس امانت رکھ جاتا تھا چنانچہ ہجرت کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پیچھے چھوڑ جانے کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ وہ تمام امانتیں اُن کے مالکوں کے پاس پہنچا کر مدینہ کی طرف آئیں چنانچہ حضرت علیؓ نے وہ تمام امانتیں مالکوں کے پاس پہنچا دیں اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (سورۂ نساء رکوع ۸) ترجمہ:۔ "بیشک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے مالکوں کو واپس کر دیا کرو اور جب تم لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو"۔

آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسلام کی خاص خصلت حیا ہے (مشکوٰۃ) حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم شریف پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے اور جب کوئی بات آپ کو ناپسند ہوتی تھی تو ہم لوگ فوراً آپ کے چہرہ سے سمجھ جاتے تھے اگر آپ کو کسی کی بات اچھی نہ معلوم ہوتی تھی تو اُسے اشارہ کنایہ سے آگاہ فرما دیتے تھے تاکہ وہ خفیف نہ ہو (بخاری) خارجہ بن زید انصاری کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نہایت ہی باوقار تھے اور مجلس میں کبھی آپ سے کوئی بیجا حرکت سرزد نہیں ہوتی تھی۔ آپ بیشتر اوقات خاموش رہتے تھے بلاضرورت بات نہیں کرتے تھے آپ کا کلام صاف اور واضح ہوتا تھا نہ اتنا طویل کہ اس میں کوئی بات فضول اور زائد از ضرورت ہو نہ اتنا مختصر کہ کوئی کام کی بات رہ جائے یا سمجھ میں نہ آئے۔ آپ کی مجلس میں حکمت۔ امانت۔ حیا اور نیکی کی گفتگو ہوتی تھی کسی قسم کی نازیبا اور

ناپسندیدہ گفتگو نہیں کیجاتی تھی۔ نہ تو آپ بہت تیز چلتے تھے کہ ساتھ والوں پر گراں ہو نہ اس قدر آہستہ چلتے تھے کہ اُس سے تکان اور سستی مترشح ہو۔ غرض اعتدال اور میانہ روی آپ کی ہر ایک بات سے ہویدا تھی۔ ابومسعودؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر کچھ عرض کرنا چاہا مگر رُعب نبوی سے اُس کے بدن میں لرزہ پیدا ہوگیا۔ آپ نے فرمایا گھبراؤ مت اطمینان سے بات کرو میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں بلکہ میں بھی قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی (مقتبس از تذکرۃ الحبیب)

آپؐ جب بیٹھتے تو لوگوں کے اندر اس طرح ملے جلے ہوتے کہ کوئی نووارد آپؐ کو پہچان نہ سکتا تھا اور پوچھنے کی ضرورت پیش آتی تھی کہ نبی صلعم کون ہیں جب کوئی دوسرا بات کرتا تو آپ اُس کی بات کو کاٹتے نہ تھے کوئی چیز کھانے کے لئے سامنے آتی اور کھانے کے قابل ہوتی تو کھا لیتے اگر کھانے کے قابل نہ ہوتی تو نہ کھاتے لیکن اُس کا نقص نہ نکالتے۔ عموماً صرف ایک ہی کھانا کھاتے تھے۔ نظافت پسند تھے نا صاف برتن میں کھانا پسند نہ کرتے تھے۔ سڑی ہوئی یا بدبودار چیز کے پاس نہ جاتے تھے۔ ایسی چیز جس کے کھانے سے مُنہ بدبودار ہو جائے آپؐ پسند نہ فرماتے تھے۔ پیوند لگا ہوا کپڑا پہن لیتے اور اچھا کپڑا مل جائے تو اُسے پھینک نہ دیتے تھے۔ البتہ ریشمی کپڑا مردوں کے لئے آپ پسند نہ کرتے تھے۔ آپؐ کا لباس سادہ مگر صاف ہوتا تھا۔ مسواک کا استعمال آپ بہت کرتے اور دن میں کئی کئی مرتبہ مُنہ کو صاف کرتے تھے جسم کو بھی آپ نہایت صاف رکھتے تھے۔ سر کے بالوں کو اور داڑھی کو کنگھی سے اور دھو کر صاف رکھتے تھے خوشبو کا استعمال بھی کرتے تھے۔ آپ کے پاس بیٹھنے والے یہ شہادت دیتے ہیں کہ کبھی آپ کے جسم سے یا لباس سے یا مُنہ سے بو نہیں آئی۔ ہر وقت آپ خندہ پیشانی رہتے تھے۔ اپنی بڑائی اور تعلی کی باتیں آپ نہیں کرتے تھے۔ جس شخص نے آپؐ سے ایک مرتبہ دوستی کی آپ نے ہمیشہ اُس کی دوستی کی قدر کی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ہاں ایسے لوگوں کو بعض اوقات سزائیں بھی دیں جنہوں نے غداری کر کے اسلام کو نیست و نابود کرنا چاہا تھا۔ جہاں عفو سے اصلاح ہوتی وہاں آپؐ عفو کرتے۔ لیکن جہاں سزا کی ضرورت ہوتی وہاں سزا بھی دیتے کیونکہ ان شریروں کو جو شرارت سے باز نہ آتے تھے سزا نہ دینا بدی کی اعانت کرنا تھا۔ آپؐ کی فیاضی بلاتفریقِ قوم و ملت کام کرتی تھی۔ ایک عیسائی ایک یہودی ایک مشرک سے آپ اسی طرح

فیاضی کا اظہار فرماتے تھے جس طرح ایک مسلمان سے مسلمانوں کی خیرات کو آپ نے مسلمانوں تک محدود نہیں کیا۔ انصاف کے معاملہ میں آپ ایسے اعلیٰ اصول پر قایم تھے کہ سخت سے سخت دشمن اور عزیز سے عزیز دوست میں کوئی فرق نہ کرتے تھے یتیموں بیکسوں بیواؤں غریبوں ضعیفوں ناتوانوں کی آپ جائے پناہ تھے۔ آپ پر جو بڑی سے بڑی مصیبت آتی آسے آسانی سے برداشت کر لیتے مگر دوسروں کی مصیبت پر آپ کا دل بیچین ہو جاتا تھا جس شخص پر ظلم ہوتا دیکھتے اُس کی حمایت کے لئے آپ کھڑے ہو جاتے۔ بچوں اور عورتوں کے حقوق آپ نے مردوں پر قائم کئے۔ غلام کے حقوق آقا پر رعایا کے حقوق پادشاہ پر قائم کئے۔ آپ کے دل میں مخلوق خدا کی ہمدردی کا بہت ہی بڑا جوش تھا۔ مہماں نوازی کی صفت بھی آپ میں کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ آپ نے کبھی کسی کو گالی نہیں دی بلکہ سخت کلامی سے بھی کسی کے ساتھ پیش نہیں آئے دوسروں کو بھی سخت کلامی سے روکتے۔ آپ اپنے عہد کے پکے اور وعدہ کو پورا کرنیوالے تھے۔ آپ نے پچیس سال کی عمر تک شادی نہیں کی مگر آپ کی عفت پر کوئی شخص ہلکے سے ہلکے دھبہ کا نشان بھی نہیں بتلا سکتا۔ آپ نام لے کر کسی کا عیب بیان نہ کرتے بلکہ یوں سمجھا دیتے کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسا کرتے ہیں۔ نجاشی شاہ حبش کی طرف سے جب ایک وفد آیا تو آپ خود اُن کی خدمت کرتے جب صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم ہر طرح خدمت کو تیار ہیں تو فرمایا کہ اِن لوگوں نے میرے اصحاب کی عزت کی۔ اِس لئے میں چاہتا ہوں کہ خود اِن کی خدمت کروں حاتم طائی کی بیٹی قیدیوں میں آئی تو آپ نے فرمایا ایسے سخی آدمی کی بیٹی قید میں نہیں رہ سکتی اور پھر اُس کی خاطر سب قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ باوجود سادگی ہر شخص سے اُس کے مرتبہ کے موافق سلوک کرتے۔ آپ ایک پہاڑ کی طرح تھے اور زبردست سے زبردست مصیبت کی آمد بھی آپ کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکی۔ آپ اسباب سے کام لیتے تھے اور پھر نتیجہ کو خدا پر چھوڑ دیتے تھے اور کبھی اس بات سے نہیں گھبراتے تھے کہ نتیجہ خلاف اُمید ہوا (مقتبس از سیرۃ خیر البشر) آپ غربا میں رہ کر خوش ہوتے کسی فقیر کو اُس کی تنگدستی کی وجہ سے حقیر نہ سمجھا کرتے اور کسی بادشاہ کو اُس کی بادشاہی کی وجہ سے بڑا نہ جانتے۔ اپنے پاس بیٹھنے والوں کی تالیف قلوب کرتے۔ جاہلوں کی حرکات پر صبر فرمایا کرتے۔ دشمن اور کافر سے بکشادہ پیشانی ملا کرتے تھے۔ مویشی کو چارہ خود ڈالدیتے۔ اُونٹ کو باندھتے۔ گھر میں صفائی کر لیتے خادم

کو اُس کے کام کاج میں مدد دیتے۔ بازار میں جاکر چیز خود خرید لیتے خود اُسے اُٹھا لاتے۔ آپ ترشرو نہ تھے آپ میں تواضع تھی دنائت نہ تھی۔ ہیبت تھی مگر درشتی نہ تھی۔ سخاوت تھی مگر اسراف نہ تھا۔ کسی سے کچھ طمع نہ رکھتے۔ جو شخص آپ کے سامنے یکبارگی آجاتا وہ ہیبت زدہ ہو جاتا اور جو پاس آبیٹھتا وہ فدائی بن جاتا۔ معافی مانگنے والے کو معاف فرما دیتے۔ بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے۔ آپ نہایت شیریں کلام اور بکمال فصیح تھے۔ آپ کے کلام میں آورد ذرا نہ تھی۔ آپ کا سلسلہ سخن ایسا ہوتا تھا جس میں لفظاً و معناً کوئی خلل نہ ہوتا تھا۔ رات کو بھوکا سونے سے منع فرماتے کھانا کھاتے ہی سو جانے سے بھی منع فرماتے۔ تقلیل غذا کی رغبت دلاتے۔ متعدی امراض سے بچاؤ رکھتے اور تندرستوں کو محتاط رہنے کا حکم دیا کرتے۔ نادان طبیب کو طبابت سے منع کیا کرتے۔ حرام اشیاء کو بطور دوا استعمال کرنا ناپسند کرتے اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں میں تمہارے لئے شفا نہیں رکھی۔ زمین یا منبر پر کھڑے ہو کر یا شتر و ناقہ پر سوار ہو کر خطبہ فرمایا کرتے جس کا آغاز تشہد سے اور اختتام استغفار پر ہوا کرتا۔ قرآن مجید خطبہ میں ضرور ہوتا۔ صدقہ کی کوئی چیز ہرگز استعمال نہ کرتے البتہ ہدیہ قبول فرما لیتے۔ اپنی ایسی تعریف جس سے کسی دوسرے نبی کی کمی نکلتی ہو پسند نہ فرماتے اور ارشاد کرتے کہ نبیوں کے ذکر میں ایسی طرز اختیار نہ کرو کہ ایک کی دوسرے کے مقابلہ میں کمی نکلتی ہو۔ ایک شادی میں تشریف لے گئے وہاں چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اپنے بزرگوں کے تاریخی کارنامے گا رہی تھیں اُنہوں نے یہ بھی گایا کہ ہمارے درمیان ایسا نبی ہے جو کل (فردا) کی بات آج بتا دیتا ہے آپ نے فرمایا کہ یہ نہ کہو جو پہلے کہتی تھیں وہی کہے جاؤ۔ آپ کے فرزند سیدنا ابراہیم کا جس روز انتقال ہوا اُس روز سورج گہن ہوا۔ لوگوں نے کہا ابراہیم کی موت کے سبب سورج گہن ہوا آپ نے لوگوں کے مجمع میں خطبہ پڑھا اور فرمایا سورج چاند کو کسی کے مرنے یا جینے پر گہن نہیں لگا کرتا آپ اُن احکام و اعمال کو جو شانِ رسالت سے ظاہر ہوتے اُن افعال و اقوال سے جو بطور بشریت صادر ہوتے ہمیشہ نمایاں طور پر علیحدہ علیحدہ دکھانے کی سعی فرماتے جب کسی معاملہ میں دو صورتیں سامنے آتیں تو آسان صورت کو اختیار فرما لیتے۔ ثمامہ بن اثال نے نجد سے مکہ کو جانیوالا غلہ بند کر دیا اس لئے کہ اہل مکہ آنحضرت کے دشمن ہیں۔ آپ کو معلوم ہوا تو ثمامہ کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ اسیرانِ جنگ کی خبر گیری مہمانوں کی طرح فرماتے۔ تیر افگنی۔ نشانہ بازی گھوڑ دوڑ وغیرہ مردانہ ورزشوں میں بھی آپ شریک ہوا کرتے (مقتبس از رحمۃ للعالمین)

یہ فصل کسی قدر طویل ہو گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ سمندر میں سے ایک قطرہ۔ ریگستان

میں سے ایک ذرہ اور بن میں سے ایک پتا پیش نہیں کیا جا سکتا

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

اس فصل میں آنحضرت صلعم کی زندگی سے نہایت ہی اختصار کے ساتھ صرف وہ چند اشارات بیان کئے گئے ہیں جن سے آپ کے اخلاقِ فاضلہ کا تصور کرنے میں آسانی ہو آپ کی روحانیات الٰہیات۔ معجزات۔ تعلیمات۔ انتظامات وغیرہ کے لئے احادیث و سیرت نبوی کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

غیر مسلم محققین کی شہادتیں

اگرچہ ع حاجت مشاطہ نیست روئے دلارام را۔ تاہم اس فصل میں بعض غیر مسلم مصنفین و محققین کی رائیں جو انہوں نے آنحضرت صلعم کی نسبت ظاہر کی ہیں نقل کر دینے سے یہ فائدہ ضرور ہوگا کہ اس کتاب کے پڑھنے والے کو اپنی رائے قائم کرنے میں اس لئے کسی قدر سہولت ہو جائیگی کہ جس جامع جمیع کمالات انسانیہ کے حالات و اخلاق کا ایک ناقص و ناتمام سا خاکہ مطالعہ کیا گیا ہے اُس کے مخالف اور دشمن باوجود مخالفت و دشمنی کہاں تک اُس کی خوبیوں کا اقرار کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

سر ولیم میور ایک مشہور پادری مزاج انگریز مصنف ہے جو کسی زمانہ میں صوبہ متحدہ کا گورنر بھی رہ چکا ہے۔ اُس نے آنحضرت صلعم کی ایک سوانح عمری انگریزی میں "لائف آف محمدؐ" کے نام سے لکھی ہے یہ سوانح عمری اُس نے پادری فنڈر کی فرمائش سے لکھی ہے اور اس میں آپؐ کے حالات زندگی کو نہایت چالاکی اور فریب کے ساتھ کچھ کا کچھ کرکے دکھانا چاہا ہے اس کتاب (لائف آف محمدؐ) کا منشا یہی ہے کہ نہ صرف غیر مسلموں کو اسلام سے دور رکھا جائے بلکہ اُن مسلمانوں کو جو اپنے مذہب سے ناواقف ہوں اسلام سے دور کیا جائے۔ ایسے چالاک دشمن سے کسی دوستی کی توقع نہیں ہو سکتی۔ تاہم ع۔ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ ولیم میور اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ

"ابو طالب نے اپنی مجبوری کو کفارِ قریش کے مقابلہ میں ظاہر کرکے محمد (صلعم) سے کہا کہ اعلانِ حق سے باز رہیں لیکن آپ نے جواب دیا کہ اگر منکرین میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں پر ماہتاب رکھ کر مجھ کو امرِ حق کے اعلان سے روکنا چاہینگے تو میں باز نہ آؤنگا تاوقتیکہ مجھے کامیابی نہ ہو یا اس کوشش میں ہلاک نہ ہو جاؤں ..... ہم صاف طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم نے بہت سے خیالات فاسدہ

کو جو جزیرہ نمائے عرب میں پھیلے ہوئے تھے ہمیشہ کے لئے رفع کر دیا۔ اسلام کے نعرۂ اللہ اکبر کے روبرو بت پرستی معدوم ہوگئی۔ مسئلہ وحدانیت اور خدائے پاک کی اکمل الصفات ذات امت محمدیہ کے لئے ایک زندہ اصول تھا جو اس کے دل میں اس طرح گھر کر گیا تھا۔ گویا یہ انہی کا مسئلہ ہے جیسا کہ لفظ اسلام ظاہر کرتا ہے۔ سب سے پہلے اس مذہب کے پیرو کو توکل اور رضا کا سبق دیا جاتا ہے معاشرتی خوبیاں بھی ان لوگوں میں کچھ کم نہیں پائی جاتیں کل مومن اخوۃ کی تعلیم سب کے دل میں قائم کرائی جاتی ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ یتیموں کی خبر گیری کرو۔ غلاموں سے نرمی کا برتاؤ کرو۔ برائیوں کے نزدیک مت جاؤ۔

جی۔ ایم۔ راڈویل کہتا ہے کہ۔

"دلیلوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم کے سب کام اس نیک نیتی کی تحریک سے ہوتے تھے کہ لوگوں کو جہالت اور بت پرستی سے چھڑائیں اور یہ کہ ان کی زیادہ سے زیادہ خواہش یہ تھی کہ امر حق یعنی توحید الٰہی کا جوش جو ان کی روح پر غایت درجہ مستولی ہو رہا تھا۔ اس کا خوب اشتہار و اظہار کریں ان کی ذات کریم اور سیرت صداقت مشحون کی نسبت ان لوگوں کا تصور کرنا چاہئے جن کے اخلاق اور ایمان کو اپنے ابنائے جنس کے تمام امور دنیوی پر کامل اختیار حاصل ہے"۔

ڈاکٹر لیٹنر صاحب کا قول ہے کہ۔

"میں بہت ہی ادب کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اگر فی الواقع خدائے پاک کے ہاں سے جو تمام نیکیوں کا مخرج ہے الہام ہوتا ہے تو محمد (صلعم) کا مذہب الہامی مذہب ہے اور اگر ایثار نفسی۔ دیانت داری۔ راسخ الاعتقادی۔ نیکی بدی کی کامل جانچ اور برائی دور کرنے کے عمدہ ذرائع ہی الہام کی ظاہری علامات ہیں تو محمد (صلعم) کا مشن الہامی تھا"۔

پادری ڈاکٹر مارکس ڈیوڈز کا قول ہے کہ۔

"کیا محمد (صلعم) کسی طرح نبی نہیں ہیں؟ بیشک ان میں دو ایسی باتیں تھیں جن سے کہ ہم پہچان سکتے ہیں کہ وہ انبیاء کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اولاً تو

آپ نے خدائے تعالیٰ میں اُس سچائی کا نور دیکھا جس کو اُن کے ہموطن دیکھنے سے قاصر رہے۔ دوم اُن کے دل میں ایک ایسی حرکت تھی جو انہیں اپنی سچائی کے مشتہر کرنے میں اشتعال دلاتی تھی"۔

پادری اسٹیفن صاحب کا قول ہے کہ۔

"محمد صاحب (صلعم) کا منشا یہ تھا کہ اپنے ہم ملک عربوں میں اپنے جدامجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا سچا دین از سر نو تازہ کریں جس طرح کہ حضرت موسیٰ نے اپنے ہم ملک یہودیوں میں تازہ کیا تھا۔ اس میں وہ بخوبی کامیاب ہوئے"۔

پادری ریورنڈ بوسورتھ اسمتھ کا قول ہے کہ۔

"ملک کے بادشاہ اور نبی ہونے کی حیثیت سے وہ ایک وقت میں سیزر اور پوپ کا سا مرتبہ رکھتے تھے۔ وہ پوپ تھے لیکن پوپ کی سی دھوکہ بازی سے مبرا تھے۔ وہ سیزر تھے لیکن سیزر کی سی کارروائیوں سے پاک تھے۔ باقاعدہ فوج کے بغیر۔ حفاظت کے سپاہی نہ ہونے کے باوجود۔ محل کے بغیر مقررہ خراج کے نہ ہوتے ہوئے اگر کوئی آدمی یہ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ اُس نے خُدائی طاقت سے حکومت کی تو وہ محمد (صلعم) ہی تھے۔ کیونکہ اُن کو یہ طاقت و حکومت سب مہیا تھی لیکن ہتھیار نہ تھے۔

اڈورڈ گبن کا بیان ہے کہ۔

"محمد (صلعم) کا مذہب شکوک اور شبہات سے پاک و صاف ہے۔ قرآن مجید خدا کی وحدانیت پر ایک عمدہ شہادت ہے۔ مکہ کے پیغمبر نے بتوں۔ انسانوں۔ ستاروں اور سیاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے رد کیا کہ جو شے طلوع ہوتی ہے غروب ہو جاتی ہے اور جو حادث ہے وہ فانی ہوتی ہے اور جو قابل زوال ہے وہ معدوم ہو جاتی ہے اُس نے اپنی معقول سرگرمی سے کائنات کے بانی کو ایک ایسا وجود تسلیم کیا جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا نہ وہ کسی شکل میں محدود نہ کسی مکان میں مقید اور نہ کوئی اُس کا ثانی موجود ہے جس سے اُس کو تشبیہ دے سکیں۔ وہ ہمارے خفیہ ارادوں سے بھی آگاہ رہتا ہے۔ بغیر کسی اسباب کے موجود ہے۔ اخلاق اور فعل کا کمال جو اُس کو حاصل ہے وہ اُس کو اپنی ہی ذات سے حاصل ہے ان بڑے بڑے حقائق کو پیغمبر (صلعم) نے مشہور کیا اور اُس کے پیروؤں نے اُن کو نہایت

مستحکم طور سے تسلیم کیا اور قرآن کے مفسروں نے معقولات کے ذریعہ سے بہت درستی کے ساتھ اُن کی تشریح اور تصریح کی"۔

مسٹر طامس کارلائل کا قول ہے کہ

"ہم لوگوں (عیسائیوں) میں جو یہ بات مشہور ہے کہ محمد (صلعم) ایک پرفن اور فطرتی شخص اور گویا جھوٹ کے اوتار تھے (نعوذ باللہ نعوذ باللہ) اور اُن کا مذہب دیوانگی و خام خیالی کا ایک تودہ ہے۔ اب یہ سب باتیں لوگوں کے نزدیک غلط ٹھہرتی جاتی ہیں۔ جو جو غلط باتیں دور اندیش اور مذہبی سرگرمی رکھنے والی لوگوں (عیسائیوں) نے اِس انسان (محمد صلعم) کی نسبت قائم کی تھیں اب وہ الزامات قطعاً ہماری روسیاہی کا باعث ہیں۔ ... جو جو باتیں اس انسان (محمد صلعم) نے اپنی زبان سے نکالیں بارہ سو برس سے اٹھارہ کروڑ (پچاس کروڑ) آدمیوں کے لئے بمنزلہ ہدایت کے قائم ہیں۔ ... اُس وقت جتنے آدمی محمد (صلعم) کے کلام پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کسی کے کلام پر اس زمانہ کے لوگ یقین نہیں رکھتے۔ پھر کیا ہم خیال کر سکتے ہیں کہ جس کلام پر خدائے مطلق کی اس قدر مخلوق زندگی بسر کر گئی اور اسی پر مر گئی کیا وہ ایسا جھوٹا کھیل ہے جیسا کہ ایک بازی گر کا ہوتا ہے۔ ...... یہ امر یقینی ہے کہ بت پرستی کا معدوم کرنا اور واحد مطلق خدائے تعالیٰ کی عبادت کو ایسی قوم میں رواج دینا جو انتہا درجہ کی بت پرست ہو اور خدا کو بھول گئی ہو حقیقت میں ایسا کام تھا جس کو خود خدائے تعالیٰ ہی نے مقرر کیا ہو"۔

یہی مصنف اپنی کتاب "لیکچرز آن ہیروز" میں لکھتا ہے کہ۔

"اسلام کا عرب کی قوم کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب پہلے ہی پہل اُس کے ذریعہ زندہ ہوا۔ اہل عرب گلہ بانوں کی غریب قوم تھی اور جب سے دنیا بنی تھی عرب کے چٹیل میدانوں میں پھرا کرتی تھی اور کسی شخص کو ان کا کوئی خیال بھی نہ تھا۔ اس قوم میں ایک اولوالعزم پیغمبر ایسے کلام کے ساتھ جس پر وہ یقین کرتے تھے بھیجا گیا۔ اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور و معروف ہو گئی اور چھوٹی چیز نہایت ہی بڑی بن گئی اس کے

بعد ایک صدی کے اندر ایک جانب غرناطہ اور ایک طرف دہلی ہو گئی ...
... ایک چنگاری ایسے ملک میں پڑی جو ظلمت میں چھپا ہوا ریگستان تھا مگر دیکھو اس ریگستان نے زور شور سے اُڑ جانے والی بارود کی طرح نیلے آسمان تک اٹھتے ہوئے شعلوں کے ذریعہ دہلی سے تا بہ غرناطہ روشن کر دیا۔"

یہی مصنف ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ۔

"اس صحرا نشین شخص میں صرف سیر چشمی۔ صاف باطنی اور بلند نظری ہی نہ تھی بلکہ اور بات بھی تھی آپ نہایت سنجیدہ تھے اور اُن میں سے تھے جن کا شعار متانت ہے اور جن کو خدائے تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے صاف باطن خلق کیا ہے۔ ایسے آدمی کی آواز براہ راست خدا ہی کی آواز ہے۔ آدمی کو اُس کی تعمیل کئے بغیر بن نہیں آتی"۔

مسٹر جان ڈیون پورٹ صاحب کی رائے حسب ذیل ہے۔

"کیا یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ جس شخص (آنحضرت صلعم) نے اُس نہایت ناپسندیدہ اور ذلیل بت پرستی کے بدلے جس میں اُس کے ہموطن مدت سے ڈوبے ہوئے تھے خدائے برحق کی پرستش قائم کر کے بڑی بڑی دائم الاثر اصلاحیں کیں مثلاً دختر کشی کو موقوف کیا۔ شراب اور قمار بازی جس سے اخلاق کو بہت نقصان پہنچتا ہے منع کیا کثرت ازدواج کا جو بہت برا رواج تھا اُسے محدود کر کے بہت کچھ گھٹایا۔ غرض ایسے بڑے اور سرگرم مصلح کو کیا ہم فریبی ٹھہرا سکتے ہیں کہ ایسے شخص کی تمام کارروائیاں مکر پر مبنی تھیں؟ نہیں ہرگز ایسا نہیں کہہ سکتے۔ بیشک محمد (صلعم) بجز نیک دلی اور ایمانداری کے اور کسی سبب سے ایسے استقلال کے ساتھ اپنی کارروائی پر ابتدائے نزول وحی سے جو خدیجہ رضہ سے بیان کی آخر دم تک جبکہ حضرت عائشہ کے حجرہ میں شدتِ مرض سے وفات پائی مستعد نہیں رہ سکتے تھے جو لوگ ہر وقت اُن کے پاس رہتے تھے اور جو اُن سے بہت ربط ضبط رکھتے تھے اُن کو بھی کبھی اُن کی ریاکاری کا شبہ نہیں ہوا۔ اور کبھی اُنھوں نے اپنے نیک برتاؤ سے تجاوز نہ کیا۔ بیشک ایک نیک اور صادق طبیعت شخص جس کو اپنے خالق پر بھروسہ ہو اور جو ایمان اور رسم و رواج میں بہت بڑی اصلاح کرے حقیقت میں صاف صاف خدا کا ایک آلہ ہوتا ہے اُس کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا کا پیغمبر ہے۔ جس

طرح خدائے تعالیٰ کے اور وفادار خادم گذرے ہیں اگرچہ اُن کی خدمتیں کامل نہ تھیں اسی طرح محمد (صلعم) کو بھی ہم خدا کا ایسا ہی سچا خادم کیوں نہ سمجھیں جس نے خدائے تعالیٰ کی خدمت ایسی ہی وفاداری سے کی جیسی اوروں نے مگر بمقابلہ اوروں کی خدمت کے پوری اور کامل خدمت کی ..... یہ بات آپ (آنحضرت صلعم) کی صاف باطنی پر بخوبی دلالت کرتی ہے کہ سب سے پہلے جو لوگ ایمان لائے وہ آپ کے دوست اور اہل خاندان تھے جو آپ کی عادات سے خوب واقف تھے اگر (معاذ اللہ) آپ فریبی ہوتے تو یہ لوگ ہرگز آپ پر ایمان نہ لاتے اور اُن پر یہ فریب ظاہر ہو جاتا۔ درحقیقت یہ بات کبھی ثابت نہیں ہوئی کہ محمد (صلعم) نے ترویج شریعت یا اثبات دعوے نبوت کے لئے مکر اور حیلے کئے یا جھوٹے معجزات دکھائے۔ مجھے اس میں شک نہیں ہے کہ جس شخص کے آنے کی خبر اپنے بھائیوں میں سے حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو دی ہے اور فارقلیط جس کی خبر عیسیٰ مسیح نے انجیل یوحنا میں دی ہے محمد (صلعم) صاحب مراد ہیں"۔

مسز بیسنٹ صاحبہ کی رائے حسب ذیل ہے کہ۔

"پیغمبر اعظم (آنحضرت صلعم) کی جس بات نے میرے دل میں اُن کی عظمت و بزرگی قایم کی ہے وہ اُن کی وہ صفت ہے جس نے اُن کے ہموطنوں سے الامین (بڑا دیانت دار) کا خطاب دلوایا۔ کوئی صفت اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی اور کوئی بات اس سے زیادہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے قابل اتباع نہیں۔ ایک ذات جو مجسم صدق ہو اس کے اشرف ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ ایسا ہی شخص اس قابل ہے کہ پیغام حق کا حامل ہو"۔ (مقتبس از سوانح عمری پیغمبر عالم)

فرنچ پروفیسر سیڈیو لکھتا ہے کہ۔

آپ خندہ رو۔ ملنسار۔ اکثر خاموش رہنے والے۔ بہ کثرت ذکر خدا کرنیوالے لغویات سے دور۔ بیہودہ پن سے نفور۔ بہترین رائے۔ بہترین عقل والے تھے" (منقول از رحمۃ للعالمین)

شردھے پرکاش دیوجی پرچارک براہمہ دھرم اپنی کتاب "سوانح عمری محمد صاحب (صلعم) میں لکھتے ہیں۔

"حضرت محمد صاحب (صلعم) بانیٔ مذہب اسلام منجملہ اُن بزرگ اشخاص کے ہیں

جنہوں نے قانون قدرت کے موافق جہالت اور تاریکی کے زمانہ میں پیدا ہو کر دنیا میں صداقت کی روشنی کو پھیلایا اور لوگوں کو روحانی و دنیاوی ترقی کا راستہ دکھایا..... ریگستان عرب کے لئے محمد صاحب (صلعم) کا وجود اُس کی عزت وعظمت کا باعث ہے آنحضرتؐ کی ذات سے جو جو فیض دنیا کو پہنچے اُن کے لئے نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کو اُن کا شکر گذار ہونا مناسب ہے۔ کون کون سی تکلیفیں ہیں جو اس بزرگ نے نسل انسانی کے لئے اپنے اوپر برداشت نہیں کیں ..... عرب جیسے ایک وحشی کندۂ ناتراش ملک کو توحید خدا کی تعلیم دینا اور سیدھے راستہ پر لانا ایک ایسے ہی فلسفی مزاج کا کام تھا اور آخر اُسی سے انجام پذیر ہوا۔ تنگ دل اور متعصب لوگ ایسی بزرگ کی نسبت کچھ ہی کہیں لیکن جو لوگ باانصاف اور کشادہ دل ہیں وہ کبھی محمد صاحب (صلعم) کی اُن بے بہا خدمات کو کہ جو وہ نسل انسان کی بہبودی کے لئے بجالائے بھلا کر احسان فراموش نہیں ہو سکتے

ایک سکھ عالم یعنی سردار پریتم سنگھ صاحب ایم اے لکھتے ہیں کہ۔

"میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس بات کو نہیں مان سکتا کہ جو نبی جھوٹا ہو یا اُس کی زبان پر کچھ اور اُس کے دل میں کچھ اور ہو اور وہ اپنی تمام قوت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرے کہ میں خدا کا رسول ہوں لوگ اُس کا مقابلہ کریں اور اُس کو طرح طرح کے دکھ دیں مگر وہ اپنے کام میں ثابت قدم رہے اور آخر کار کامیاب ہو کر دم دیکیا تم مجھے اِس بات کا یقین دلا سکتے ہو کہ تیس کروڑ مسلمان جو آج قرآن مجید کو خدا کا کلام یقین کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سچا ایمان رکھتے تھے وہ تمام ایسے لوگ تھے جنہوں نے ایک جھوٹی بات پر اپنے ایمانوں کو جمایا۔ آپؐ کے احکام پر آج ایک دنیا اپنا سر جھکاتی ہے اور گذشتہ تیرہ سو سال سے مومنین کم از کم دن میں پانچ مرتبہ محمد رسول اللہ صلعم کا نام مبارک اپنی زبانوں پر جاری رکھتے ہیں۔ میرے مہربانو! مجھے بتاؤ کہ یہ طاقت یہ قوت کہاں سے آئی کیا یہ جو تم دیکھتے ہو الٰہی طاقت نہیں ہے ہیں نہیں سمجھ سکتا کہ الٰہی نصرت کے بغیر یہ طاقت پیدا ہو سکے" (از مضمون انبیائے عالم)

ڈاکٹر اسپرنگر اپنی کتاب سیرت محمدی میں لکھتے ہیں کہ۔

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تیز فہم اور نہایت مرتبہ کے عالی نظر تھے صائب رائے اور عالی مذاق تھے اُن کے خیال میں ہر وقت خدا کا تصور رہتا تھا اُن کو نکلتے ہوئے آفتاب اور برستے ہوئے پانی اور اُگتی ہوئی روئیدگی میں خدا ہی کا ید قدرت نظر آتا تھا غرض رعد۔ آوازِ آب اور نغمۂ طیور میں حمد الٰہی اور خدا ہی کی آواز سنائی دیتی تھی۔ سنسان جنگلوں اور پرانے شہروں کے خرابات میں خدا ہی کے قہر کے آثار دکھائی دیتے تھے"۔

رومن صاحب اپنی کتاب تذکرہ عیسیٰ علیہ السلام باب پنجم میں لکھتے ہیں کہ۔

"حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) فقط صاحبِ علم ہی نہ تھے بلکہ صاحبِ عمل بھی تھے اور ان دونوں پیغمبروں نے اپنے اہل وطن اور معاصرین کو عملی تاکید کی تھی پس یہی وجہ ہے کہ اُن کی اُمت میں انسانیت اور مروت ہے"

(منقول از صداقت الاسلام)

امریکہ کا ایک مشہور مصنف واشنگٹن ایرونگ جو متعصب عیسائی اور دشمنِ اسلام ہونے کے لئے خصوصی شہرت رکھتا ہے اور جس کی تصانیف کو یورپ اور امریکہ دونوں جگہ قبولیت حاصل تھی اور جو ۱۷۸۳ء میں پیدا اور ۱۸۵۹ء میں فوت ہوا ایک جگہ لکھتا ہے کہ

"اس معمے کا حل کرنا اور زیادہ مشکل ہو گیا کہ اُن کے (آنحضرتؐ) اوضاع واطوار کیسے تھے ہم کو نہیں معلوم ہو سکتا کہ ابتدائی حصہ سے لے کر زندگی کے درمیانی زمانہ تک اس ناپاک اور حیرت افزا مکر سے اُن کو کونسا خاص مقصد حاصل کرنا تھا جس کے سبب سے وہ مورد الزام ہیں۔ اگر حصول دولت کی طمع تھی تو خدیجہؓ کے ساتھ متاہل ہونے سے وہ سر دست دولتمند ہو چکے تھے اور اس مکر کے قبل کہ اُن پر وحی ربانی نازل ہوئی ہے اُنھوں نے کوئی خواہش اپنے سرمایہ میں اضافہ کی ظاہر نہیں کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ اعزاز کا حوصلہ تھا تو وہ پہلے ہی سے اپنے وطن میں بوجہ فراست ودیانت کے معزز تھے اور نامور قبیلۂ قریش کے ایک اعلیٰ خاندان میں سے تھے۔ اگر حکومت کا خیال کیا جائے تو کعبہ کی محافظت معہ اُس متبرک شہر کی حکومت کے پشتہا پشت سے اُن کے خاندان میں تھی اور بلحاظ حالات ومرتبہ کے وہ مستحق تھے کہ دلیری سے اُس عظیم الشان اہتمام کے اُمیدوار ہوں لیکن اُنھوں نے

اپنے اُس مذہب کے زیروزبر کرنے میں جس میں تعلیم پائی تھی ان تمام فوائد کی بیخکنی
کرڈالی کیونکہ اُن کے خاندان کے اقبال واقتدار کی بنیاد اُسی مذہب پر تھی اور
مباحثہ کرنے سے اُن کے رشتہ داروں کی عداوت شہر والوں کا عناد اور تمامی
ہموطنوں کا قہر وغضب مشتعل ہوتا تھا اور جو کعبہ کی پرستش کرنیوالے تھے اُن پر اور
بھی برانگیختہ ہوتے تھے۔ اس طریق نبوت کے آغاز میں نہ تو اُن کی کسی قسم کی طمع
تھی اور نہ یہ اُمید تھی کہ اُن کے نقصانات کا معاوضہ ہو جائیگا۔ بلکہ برخلاف اسکی
یہ طریقہ ایک مشتبہ اور پوشیدہ حالت میں شروع کیا گیا اور برسوں تک اُس کے
اسباب میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ جس وقت سے اُنہوں نے اپنے الہامات کا
افشا اور اپنے اصول مذہب کا اظہار کیا اُسی وقت سے وہ موردِ تضحیک و تذلیل و
لعنت وملامت ہو گئے۔ اور آخر میں ایسی شدید ایذا رسانی کی گئی جس نے خود
اُن کے اور اُن کے دوستوں کے اقتدار کو برباد کر دیا اور بمجبوری اُن کو اپنے
خاندان کے بعض اشخاص کے ساتھ معہ اپنے تابعین کے ایک دوسری جگہ پناہ
گزیں ہونا پڑا۔ اور بالآخر مثل ایک فراری کے اُن کو غیر معین مسکن کسی غیر مقام
میں تلاش کرنا پڑا۔ پس کیا وجہ ہے کہ وہ اپنے خروج کی حالت پر سالہا سال
تک ثابت قدم رہے جس سے اُن کا تمام دنیوی اقتدار برباد ہو رہا تھا اور جس
کی تجدید کا حوصلہ ایک موہومی امر تھا۔ دنیاوی خواہشات سے قطع نظر کرنے
کے بعد ہم اُن کے اطوار کی بابت دیگر بیانات کی تلاش کرتے پر مجبور ہیں تاکہ
اُن کے اس غامض طریق کا اندازہ ہو سکے۔"

(منقول از کتاب اسلام مصنفہ مسٹر الگزنڈر رسل وب)

گزشتہ اوراق میں ابوصفیان کی رائے جو ہرقل کے دربار میں بیان کی گئی تھی اور ابوجہل کی رائے
جو اُس نے اخنس بن شریق سے آنحضرت صلعم کی نسبت بیان کی درج ہو چکی ہے ان رایوں کو
بھی اسی سلسلہ میں شمار کر لینا چاہیے۔

باب پنجم

بعض اعتراضات

آفتاب کے طلوع ہونے سے پرندوں، چوپاؤں۔ انسانوں وغیرہ جانداروں کو روشنی اور حرارت حاصل ہوتی ہے۔ رات کی تاریکی میں جو جمود و معطلی لاحق ہوئی تھی وہ دور ہو کر کام کرنے اور زندگی کے علامات ظاہر کرنے کا موقع سب کو میسر ہو جاتا ہے۔ لیکن یہی دن کی روشنی اور آفتاب کا نمودار ہونا چمگادڑوں سانپوں اور بہت سے کیڑے مکوڑوں کے لئے بیکاری و گوشہ گیری کا موجب بنجاتا ہے۔ ہم انسان جس کو دن کی روشنی کہتے ہیں ایک چمگادڑ اور اُلّو کے لئے وہی گویا رات کی تاریکی ہے۔ اگر اُلّو سورج کی روشنی میں اندھا ہو جاتا ہے اور چمگادڑ کو دن کے وقت کچھ نظر نہیں آتا تو ہم یہ اُلّو پن کی بات نہیں کہہ سکتے کہ سورج تاریکی کا سرچشمہ اور روشنی کا زائل کر دینے والا ہے۔ جس طرح زمین پر بنی نوع انسان کی موجودگی میں چمگادڑوں اور تاریکی میں خوش رہنے والے کیڑوں کا وجود بھی ضرور پایا جاتا ہے۔ اسی طرح حقیقت و صداقت کی روشنی سے متنفر و ناخوش ہونے والوں کا وجود بھی حقیقت شناس اور صداقت پسند لوگوں کے ساتھ ساتھ ہمیشہ ضرور پایا گیا ہے اور پایا جائیگا۔ آدم اور شیطان۔ نوحؑ اور پرستاران نسر و یعوق۔ ابراہیم اور نمرود۔ موسیٰ اور فرعون۔ رامچندر اور راون۔ زرتشت اور ارجاسپ۔ یزداں اور اہرمن۔ پانڈے اور کورو۔ کرشن اور کنس وغیرہ کے تمام قصے درحقیقت نور اور ظلمت کے فرزندوں کی قدیمی مخالفت اور معرکہ آرائیوں کے سلسلہ کا جس طرح ثبوت ہیں۔ اسی طرح اس سلسلہ کے آئندہ بھی ہمیشہ قائم رہنے کی دلیلِ استقرائی ہو سکتے ہیں۔ پس دنیا کی فطرت میں جبکہ نور و ظلمت کی ہنگامہ آرائیاں شامل نظر آتی ہیں تو کسی سچے مذہب کو مخالفین و معترضین کے حملوں سے کہاں مفر حاصل ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ہم کو کوئی بھی ایک سچا ہادی اور بنی نوع انسان کا سچا ہمدرد ایسا نظر نہیں آتا جس کو آماجگاہِ انکار و مخالفت نہ بننا پڑا ہو۔ اسی اصول کے موافق آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ قرآن مجید اور اسلام بھی مخالفین و معترضین سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اس باب میں معترضین کے تمام اعتراضات کو تو شاید کسی طرح بھی جمع نہیں کیا جا سکتا کیونکہ

سارے کے سارے منکر و معترض ایسے نہیں ہوا کرتے کہ وہ انکار و اعتراض کرتے وقت عقل۔ عدل اور انسانیت کو بھی ضرور ملحوظ رکھیں چنانچہ زیادہ تر اعتراضات ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی نغویت ہی خود اُن کا جواب ہوتا ہے اور کسی سمجھ دار آدمی کو اُن کے جوابات کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ لہذا اِس باب میں چند اُن اعتراضات کا ذکر کیا جاتا ہے جو غیر مسلم لوگوں کی طرف سے اسلام پر کیے جاتے ہیں اور جن کے اندر ایسی چالاکی سے کام لیا گیا ہے کہ وہ عام طور پر زبردست اور قابل اعتنا بھی سمجھے جاتے اور مخالفین اسلام کے پاس گویا سب سے زیادہ زبردست سامان حرب اور قلعہ شکن توپیں ہیں جن کو وہ اسلام کے خلاف حملہ آور ہوتے وقت استعمال کیا کرتے ہیں۔ بنابریں ان اعتراضوں کی شہرت زیادہ اور اِن کا حلقہ اشاعت بھی وسیع ہے۔ آیندہ ابواب میں تفصیلی طور پر انشاءاللہ تعالیٰ اسلام کے متعلق تمام چھوٹے بڑے اعتراضات کا جواب مناسب موقعوں پر آجائیگا۔ وباللہِ التوفیق۔

عقل کا دخل

معترضین اسلام کی سب سے زیادہ دیدہ دلیری اور سب سے زیادہ دروغ بیانی یا جہالت کا اظہار اُس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ نہایت جرأت کے ساتھ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ

"اسلام عقل کے دخل کا روادار نہیں ہے"

اس اعتراض کا بے بنیاد ہونا غالباً گذشتہ صفحات سے ثابت ہوچکا ہے تاہم اس جگہ اس قدر عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے مروجہ مذاہب میں کوئی بھی مذہب ایسا نظر نہیں آتا جو کچھ نہ کچھ باتیں زبردستی اور بلا دلیل منوانی نہ چاہتا ہو (جیسا کہ آئندہ ابواب کے مطالعہ سے ثابت ہوجائیگا) لیکن اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو ہر ایک بات کے لئے دلیل برہان بیان کرتا اور سب سے زیادہ اپنے پیرو کو عقل و تدبر۔ فہم و فراست اور دلائل و براہین سے کام لینے کی ترغیب و تاکید فرماتا ہے۔ اسلام نہ صرف اپنے عقائد تسلیم کرانے کے لئے عقل و براہین سے کام لیتا بلکہ دوسرے مذاہب کی بھی اُن باتوں کے قبول کرلینے پر آمادگی ظاہر فرماتا ہے جو دلائل عقلیہ و براہین نیرہ کی کسوٹی پر پوری اُتر سکیں۔

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ (سورہ بقر رکوع ۱۳ و نمل رکوع ۵)	اے پیغمبر اِن لوگوں سے کہو کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اُس کی دلیل پیش کرو۔
قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ۔ (سورہ زخرف رکوع ۷)	اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ اگر بالفرض خدائے رحمٰن کے کوئی اولاد ہو تو سب سے پہلے اُسکی عبادت کرنے کو میں حاضر ہوں۔

قرآن کریم اپنی تعلیم کی خوبی اور سچائی کے اظہار اور ثبوت کے لیے عقل کے استعمال کی جابجا اور بار بار ہدایت کرتا ہے۔

یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (سورۂ بقر رکوع ۳۱)

اللہ تم لوگوں کی ہدایت کے لیے اپنے احکام کھول کھولکر بیان فرماتا ہے تاکہ تم اُن کی مصلحتوں کو سمجھو۔

پھر تذلیل اور اہانت کے طور پر اُن لوگوں کا حال بیان فرماتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے اور بے عقلی کے بدنتائج میں مبتلا ہوتے ہیں۔

وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ۝ (سورۂ مائدہ رکوع ۹)

اور جب تم اذان دے کر لوگوں کو نماز کے لیے بلاتے ہو تو یہ لوگ نماز کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں اور یہ حرکت بیجا اِن سے اس لیے سرزد ہوتی ہے کہ یہ ایسے بیوقوف لوگ ہیں کہ بالکل نہیں سمجھتے۔

پھر ایک بدقسمت قوم کا ذکر فرماتا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (تبارک الذی رکوع ۱)

اور یہ لوگ دوزخ کے فرشتوں سے کہیں گے کہ اگر ہم نے پیغمبروں کے کہنے کو سُنا یا سمجھا ہوتا تو آج کو دوزخیوں میں نہ ہوتے۔

پھر ایک جگہ مخالفین اسلام کے نفاق اور غلط کاریوں کے اسباب میں بیان فرماتا ہے کہ

تَحْسَبُھُمْ جَمِیْعًا وَّقُلُوْبُھُمْ شَتّٰی ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ (سورہ حشر رکوع ۲)

اور اے مخاطب تو ان کے ظاہر حال کو دیکھے تو ان کو سمجھے کہ سب ایک ہیں حالانکہ ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں یہ اس سبب سے کہ ان لوگوں میں مطلق عقل نہیں۔

اگر معترضین قرآن مجید پر ایک نظر ڈال لیں تو اُن کو ہرگز جرأت نہیں ہوسکتی کہ اس قسم کا بیہودہ اعتراض زبان تک لائیں۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (سورۂ بقر رکوع ۵)

کیا تم دوسرے لوگوں سے نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم کتاب الٰہی بھی پڑھتے رہتے ہو کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ (سورۂ بقر رکوع ۲۱)

کافروں کی مثال بُت پرستی میں اُس شخص کی سی ہے جو ایسی چیز کے پیچھے پڑا چلا رہا ہے جو خاک نہیں سُنتی اُس کا چلانا محض بے سود بُلانا اور پکارنا ہے اسی طرح بُت پرستوں کی حالت سمجھو جو بت پرستی کرتے وقت عقل سے ذرا بھی کام نہیں لیتے۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (سورۂ انفال رکوع ۳)

جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے وہ گویا خدا کے نزدیک بدترین حیوان ہیں نہ وہ حق باتوں کو سنتے ہیں نہ حقانیت کا اظہار کرتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (سورۂ یونس رکوع ۵)

یہ ممکن ہے کہ ایسے لوگوں میں سے بعض تمہاری باتوں کو سننا بھی چاہتے ہوں مگر آفت تو یہ ہے کہ جب تک یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیں گے تب تک یہ تمہاری باتوں کو سن کر بھی اُن سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (سورۂ یونس رکوع ۱۰)

حقیقت تو یہ ہے کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے خدا اُن پر ذلت نازل کرتا ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (سورہ بقر رکوع ۲۷)

تم سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ خدا کی راہ میں کس قدر خرچ کرنا چاہیے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جس قدر تمہاری ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد بچ رہے اُس کو تم خدا کی راہ میں خرچ کر سکتے ہو خدا تمام باتیں تم پر کھول کر بیان کر رہا ہے تاکہ تم خود بھی سوچ سمجھ سے کام لیا کرو۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (سورہ یونس رکوع ۳)

ہم جو قرآن مجید کی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کر رہے ہیں اس سے وہی لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جو سوچ سمجھ اور عقل و فکر سے کام لیتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ (سورۂ مومن رکوع ۳)

کیا وہ آنکھیں کھول کر دنیا کی تاریخ کا مطالعہ نہیں کرتے اور کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں کہ اُن لوگوں کا کیا حشر ہوا جو ان سے پہلے تھے اور جو ان سے زیادہ طاقتور اور اہل نشان تھے مگر اُن کے گناہوں کی پاداش میں خدا نے اُن کو تباہ کر دیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِىْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ ۙ اِنْ فِىْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ (مومن رکوع ۶)

وہ لوگ جو خدا کی آیتوں میں جھگڑا تو کرتے ہیں مگر کوئی دلیل محکم پیش نہیں کرتے وہ محض شیخی خورے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں۔

وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ لَا بُرْھَانَ لَہٗ (مومنون رکوع ۶)	وہ شخص جو خدا کے سوا کسی دوسرے معبود سے دعا کرتا ہے وہ اپنے اس فعل کے حق ہونے پر کوئی بُرہانِ قاطع نہیں رکھتا۔
یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (سورۂ نساء رکوع ۲۴)	اے لوگو! تمہارے خدا کی طرف سے تمہارے لئے یہ بُرہان یعنی قرآن نازل ہوا یہ وہ نور ہے جو ہر ایک معاملہ پر کھلی روشنی ڈالتا ہے۔
اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا ۝ (سورۂ محمد رکوع ۳)	کیا یہ لوگ قرآن کے مطالب پر غور و تدبر نہیں کرتے یا اُن کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔

غرض کہاں تک لکھا جائے قرآن مجید سے اس قسم کی بہت سی آیات نقل کیجا سکتی ہیں۔ بخوفِ طوالت بطور نمونہ اسی پر اکتفا کیا گیا۔ جس مذہب میں عقل۔ فکر۔ تدبر اور دلائل سے کام لینے کی اس قدر تاکید کی گئی ہو اور جو خلافِ عقل ایک بھی کام انسان سے نہ کرانا چاہتا ہو اُس کی نسبت یہ کہنا کہ وہ عقل کو دخل نہیں دیتا ایک بہتانِ عظیم ہے نہ کہ اعتراض۔

اسلام اور تلوار سب سے پہلے عیسائی معترضین نے اور اُن کی تقلید میں آریا سماجیوں نے بار بار اور بڑے شد و مد کے ساتھ یہ اعتراض مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے کہ۔

"دنیا میں اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا ہے اور قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے کہ غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بنانا چاہئے۔"

اس اعتراض کا جواب مسلمانوں کی طرف سے بار بار دیا جا چکا ہے لیکن حیرت ہے کہ ہر ایک معترض مسلمانوں کے دیئے ہوئے جواب کی طرف سے کور دل ہو کر اس اعتراض کی تکرار سے باز آنا نہیں چاہتا۔ میں نے کئی سال ہوئے اسی اعتراض کے متعلق ایک مستقل رسالہ "مذہب اور تلوار" کے نام سے شائع کیا ہے جو اس اعتراض کا مفصل اور مسکت جواب ہے لیکن توقع کے خلاف اسکے بعد بھی مجھ کو اس اعتراض کے دوہرانے والوں سے واسطہ پڑا اور میں نے اُن کے چہروں پر شرم و حیا کے علامات مطلق نہیں پائے۔ پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ بھی اس اعتراض کا ایک دوسرے رنگ میں نہایت مختصر طور پر ذکر کر دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک بھی آیت ایسی نہیں جس میں مال و دولت حاصل کرنے یا ملک گیری اور لوگوں کے پامال کرنے یا زیادتی اور اعتدا کی ہدایت یا اجازت دی گئی ہو

قرآن کریم کے تمام احکام جنگ محض دفاعی اور خود حفاظتی کے طریق پر مبنی ہیں۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو اس لئے جنگ کی اجازت دی ہے کہ وہ فتنہ وفساد اور بدامنی کو مٹا کر دنیا میں امن وامان قایم کردیں۔ اسلام چونکہ عین فطرت انسانی کے مناسب مذہب ہے لہذا اسلام کو سمجھنے اور اُس پر آزادانہ غور کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ دنیا میں امن وامان قایم اور ہر انسان کو اُس کی جائز آزادی حاصل ہو تاکہ مذہب کے سمجھنے اور اُس کے اختیار کرنے میں کوئی بیجا رُکاوٹ حائل نہ رہے۔ بنابریں اسلام سب سے زیادہ امن وامان اور صلح وآشتی کا خواہاں ہے اور اسی لئے وہ فساد کے مٹانے اور امن وامان قائم کرنے کی غرض سے اگر ضرورت ہو تو جنگ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے۔ دنیا میں کون سمجھدار شخص ایسا ہے جو اسلام کی اِس تعلیم کو قابل اعتراض اور مذموم قرار دے سکتا ہے۔ عیسائیوں مجوسیوں۔ یہودیوں آریاؤں اور ہندوؤں وغیرہ کے مذاہب میں جس جس قسم کی لڑائیوں کے احکام ہیں وہ اُن مذاہب کے حالات میں ذکر کئے جائیں گے۔ اس وقت صرف اس قدر اشارہ کافی ہے کہ اِن مذاہب میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس نے جنگ کے لئے ترغیب نہ دی ہو یا اُس مذہب کی جائز قرار دادہ جنگ اسلامی جہاد سے زیادہ یا اسلامی جہاد کی برابر معقول اور مناسب قرار دیجا سکے۔ قرآن مجید صاف صاف فرماتا ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۝ (سورۂ بقر رکوع ۳۴) یعنی "دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ ہدایت اور گمراہی میں یقیناً کھلا کھلا فرق ظاہر ہو گیا ہے جبر اور زبردستی کی کیا ضرورت ہے" قرآن مجید نے کن حالات میں جنگ کی اجازت دی ہے ذیل کی آیات سے ظاہر ہے۔

قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (سورۂ بقر رکوع ۲۴)

مسلمانو! جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کے رستہ یعنی دین کی حمایت میں اُن سے لڑو اور زیادتی نہ کرو۔ اللہ کسی طرح زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۝ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ۝ (سورۂ حج رکوع ۶)

اجازت دیجاتی ہے اُن لوگوں کو جن سے جنگ کیجا رہی ہے کہ وہ بھی جنگ کریں اس لئے کہ وہ مظلوم ہیں اور یاد رکھیں کہ اللہ اُن کی نصرت پر قادر ہے۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ

تم کیوں جنگ نہیں کرتے اُن لوگوں سے جنہوں نے توڑ دیا اپنی قسموں کو عہد کرنے کے بعد اور پختہ ارادہ کرلیا رسول

بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ (سورہ توبہ رکوع ۲) کے نکال دینے کا اور انہیں لوگوں نے پہلی دفعہ تم سے جنگ کرنے میں ابتدا کی۔

قرآن مجید نے مسلمانوں کو صرف اُنہی لوگوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت دی ہے جو بلاوجہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوں اور اپنی قسموں اور عہدناموں کو توڑ کر فتنہ و فساد برپا کرنے لگیں اور مسلمانوں کو چین سے نہ بیٹھنے دیں بلکہ اُن کے قتل کرنے میں علانیہ طور پر ابتدا کر چکے ہوں

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ (سورہ توبہ رکوع ۱)

اگر تجھ سے اے رسول کوئی شخص مشرکوں میں سے پناہ کا خواستگار ہو تو اُس کو پناہ دیدو اور اُس وقت تک اُس کو اپنی پناہ میں رکھو کہ وہ اطمینان سے خدا کے کلام کو سُن سمجھ لے اور پھر اُس کو اُس کے امن کی جگہ پر واپس پہنچا دو یہ رعایت اُن لوگوں کے حق میں اس وجہ سے کرنی ضرور ہے کہ یہ لوگ اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔

ظاہر ہے کہ اگر قرآن مجید میں جبر و تعدی کی تعلیم ہوتی تو یہ حکم نہ ہوتا کہ جو کافر قرآن مجید کو سننا چاہے اور سُننے کے بعد مسلمان نہ ہو تو اُس کو اُس کے امن کی جگہ پر پہنچا دو بلکہ یہ حکم ہوتا کہ جب ایسا کافر قابو میں آجائے تو اُس کو فوراً مسلمان بنالو۔

کفار مکہ تیرہ سال تک آنحضرت صلعم کو انواع و اقسام کی تکلیفیں پہنچانے کے بعد آپؐ کے قتل کی تیاری متفقہ طور پر کر چکے اور اس اقدام قتل کے جرم میں وہ سب کے سب مستحق قتل ہو چکے تھے۔ علاوہ ازیں اِس عرصہ میں وہ بہت سے بے گناہ اور امن پسند مسلمانوں کو صرف اس لئے کہ وہ مسلمان کیوں ہو گئے۔ انواع و اقسام کی اذیتیں پہنچا کر نہایت سنگدلی کے ساتھ قتل کر چکے تھے لہذا اُن سب کی گردنوں پر ان شہید ہونے والے مسلمانوں کا قصاص تھا پس مسلمانوں کا فرض تھا کہ اپنے بھائیوں کا قصاص لینے اور اُن ظالم قاتلوں کو اُن کی کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے آمادہ ہوں۔ کفار مکہ کا واجب القتل ہونا اس طرح بھی ثابت ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے مکہ فتح کر لیا تو تمام کفار گرفتار ہو کر آپؐ کے سامنے پیش ہوئے اور اُنھوں نے دریافت کرنے پر خود اپنے مُنہ سے اقرار کیا کہ ہم اپنے سخت جرایم کے سبب واجب القتل ہیں اور اپنے آپ کو آپؐ کے رحم پر چھوڑتے ہیں آنحضرت صلعم نے سب کو بخشش دیا لیکن اِس بخشش اور معافی میں یہ شرط نہیں لگائی کہ تم کو ضرور

مسلمان ہونا پڑیگا۔ کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کسی قوم یا ملک کا ایک شخص کسی دوسری قوم یا ملک میں بے گناہ قتل ہو جاتا ہے تو دونوں قوموں اور ملکوں میں جنگ عظیم کے شعلے مشتعل ہو جاتے اور ہزاروں لاکھوں آدمی مارے جاتے ہیں مگر ان لڑائیوں اور معرکہ آرائیوں کو کوئی شخص قابل الزام اور موجب اعتراض نہیں ٹھہراتا۔ لیکن آنحضرت صلعم کی مدافعانہ اور خود حفاظتی کی لڑائیوں پر بلا شرم و لحاظ اعتراض کے لئے زبانیں بے لگام کر دی جاتی ہیں۔ اور نہیں غور کیا جاتا کہ آنحضرت صلعم کے صحابہ کرامؓ نے بُت پرستی اور ملک عرب کی قدیمی مروجہ مشرکانہ مراسم سے کس قدر بیزاری کا اظہار فرمایا اور شرک کی مخالفت میں کیسی کیسی تکلیفیں اُٹھائیں۔ کیا یہ تبدیلی اور شرک سے ایسی بیزاری اُن لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو سکتی تھی جو زبردستی مسلمان بنائے گئے ہوں!؟ کوئی عقلمند تجویز نہیں کر سکتا کہ جس مذہب کو زبردستی یا کسی لالچ سے قبول کرایا گیا ہو اُس مذہب کی حمایت میں ایسی ایسی تکلیفیں اور اذیتیں انسان برداشت کر سکتا ہے جیسی کہ مسلمانوں اور نو مسلموں نے ہمیشہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں اسلام کے لئے برداشت کی ہیں۔ جن صحابہ کرامؓ اور باشندگان ملک عرب کی نسبت اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ زبردستی مسلمان بنائے گئے تھے۔ اُنہی کی تبلیغ قرآن اور اشاعت اسلام کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا میں چالیس پچاس کروڑ مسلمان موجود نظر آتے ہیں۔ زبردستی مسلمان بنائے ہوئے لوگوں کے دلوں میں تو اشاعت اسلام کا یہ جوش و جذبہ ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

ہاں قرآن شریف میں یہ حکم موجود ہے کہ

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ (سورۂ توبہ رکوع ۴)	وہ اہل کتاب جو نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور نہ خدا اور اُس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ دیانت اور سچائی کی راہ کو اختیار کرتے ہیں اُن سے تم لڑو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں۔

یہ آیت ہے جس سے نادان معترضوں کو دھوکا لگا ہے کہ قرآن شریف میں لوگوں کو مسلمان بنانے کے لئے لڑائی کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس آیت میں اور اس سے آگے کی آیات

میں بھی مسلمان بنانے کا کوئی حکم یا ذکر نہیں ہے۔ اگلے رکوع کے پڑھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اُن اہل کتاب کا ذکر ہے جو علانیہ طور پر جرائم پیشہ ہو گئے تھے جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝ (سورۂ مائدہ رکوع ۹)

اور اے پیغمبر تم ان میں سے بہتیروں کو دیکھو گے کہ گناہ کی بات یعنی جھوٹ اور ظلم اور مالِ حرام کے کھانے پر گرنے پڑتے ہیں البتہ بہت ہی بُرے ہیں وہ کام جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔ ان کو ان کے ربی یعنی مشائخ اور علماء جھوٹ بولنے اور مال حرام کے کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے البتہ بہت ہی بُری ہے وہ درگزر جو ان کے مشائخ اور علماء کرتے رہے ہیں۔

پھر ان کی بدزبانیوں، گستاخیوں اور اوباشانہ طرزِ عمل کا ذکر کرکے فرماتا ہے کہ

كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ (مائدہ رکوع ۹)

جب کبھی یہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں خدا اُس کو بجھا دیتا ہے اور ملک میں فساد پھیلاتے پڑے پھرتے ہیں اور اللہ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا۔

پادری فنڈر اپنی کتاب میزان الحق میں اس امر کی تصدیق کرتا اور کہتا ہے کہ درحقیقت ملک عرب میں جو عیسائی اور یہودی تھے وہ سخت بدچلن ہو گئے تھے اور ملک کے لئے اُن کا وجود خطرناک تھا۔ قرآن کریم میں ان لوگوں کے متعلق ایک جگہ ارشاد ہے کہ۔

إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (سورۂ توبہ رکوع ۵)

اہل کتاب کے اکثر عالم اور مشائخ لوگوں کے مال ناحق ناروا ہڑپ کرتے اور راہِ خدا سے لوگوں کو روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے رہتے اور اُس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو اے پیغمبر اُن کو روزِ قیامت کے عذابِ دردناک کی خوشخبری سنا دو۔

پھر ایک دوسری جگہ آتا ہے کہ

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ

اور اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر اُن کے پاس زر نقد کا ڈھیر بھی امانت رکھوا دو تو جب مانگو تمہارے حوالہ کریں اور اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ زیادہ نہیں ایک بہت چھوٹی سی اشرفی بھی اُن کے پاس امانت رکھوا دو تو وہ تم کو بدون اسکے

قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (آل عمران رکوع ۸)	واپس نہ دیں کہ ہمہ وقت تقاضے کے لئے اُن کے سر پر کھڑے رہو ان لوگوں میں یہ بدمعاملگی اس سے آئی کہ وہ پکارے گھے کہتے ہیں کہ عرب کے جاہلوں کا حق مار لینے میں ہم سے باز پرس نہیں ہوگی اور جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

عرب کے مشرکوں کی طرح یہود و نصاریٰ بھی سخت بدچلن اور جرائم پیشہ ہو چکے تھے۔ تمام ملک مطلق العنان تھا۔ نہ عرب میں کوئی باقاعدہ سلطنت تھی نہ کوئی خاص ملکی قانون تھا جس کی پابندی سب پر لازم ہو ایسی حالت میں آنحضرت صلعم کا ملک عرب میں ایک نبی۔ ایک مصلح ایک بادشاہ ایک مقنن کی حیثیت سے ظہور فرمانا ملک کے لئے رحمت تھا اور آپ کے رحمت ہونے کی تصدیق نہ صرف ملک عرب کے ذرے ذرے بلکہ تمام دنیا نے کردی۔ پس آنحضرت صلعم کا اِن بدچلن۔ جرائم پیشہ لوگوں کو سزا دینا۔ اِن سے اقرار اطاعت لینا۔ ان کو فساد اور جرائم سے باز رکھ کر ایک امن و امان قائم رکھنے والے قانون کے ماتحت بنانا قابل اعتراض کیسے ہو سکتا ہے بلکہ اِن بدچلن اور فسادی لوگوں کو پابند قانون بنا کر رکھنا بحیثیت بادشاہ ہونے کے آنحضرت صلعم کا فرض تھا اگر اس معاملہ میں آپؐ سے غفلت یا کم التفاتی سرزد ہوتی تو آپ کو ملزم ٹھہرایا جا سکتا تھا۔ اِسی لئے خدائے تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا تھا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۔ (بقرہ رکوع ۲۴)	تم خدا کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں یعنی دوسروں سے کچھ غرض نہ رکھو اور زیادتی مت کرو خدائے تعالیٰ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس حکم کو تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلام کی اشاعت اور دین کی تبلیغ کے متعلق تو صاف حکم قرآن مجید میں موجود ہے کہ

وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ (آل عمران رکوع ۲)	اے پیغمبر اہل کتاب اور عرب کے جاہلوں سے کہو کہ کیا تم دین اسلام میں داخل ہوتے ہو۔ پس اگر اسلام قبول کرلیں تو ہدایت پا گئے اور اگر منہ موڑیں تو تمہارا تو صرف اتنا ہی کام ہے کہ حکم الٰہی پہنچا دو

اس آیت میں یہ نہیں لکھا کہ تمہارا یہ بھی کام ہے کہ تم ان سے جنگ کرو پس ظاہر ہے کہ جنگ اُن جرائم پیشہ لوگوں سے کیجاتی تھی جو مسلمانوں کو قتل کرتے تھے یا امن عامہ میں خلل ڈالتے تھے۔ پھر

ایک جگہ حکم ہوتا ہے کہ

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ (سورۂ حج رکوع ۶)

جن مسلمانوں سے کافر لڑتے ہیں اب اُن کو بھی اُن کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے۔ اس واسطے کہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے اور کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے یہ وہ مظلوم لوگ ہیں جو بیچارے صرف اتنی بات کے کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ناحق ناروا اپنے گھروں سے نکال دیے گئے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹواتا رہتا تو نصاریٰ کے صومعے اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے اور جو اللہ کے کام میں مدد کریگا اللہ بھی ضرور اُسکی مدد کریگا کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ زبردست اور سب پر غالب ہے

قرآن مجید نہ صرف مسجدوں کی حفاظت کو ضروری سمجھتا ہے بلکہ وہ دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کو بھی ظالموں کے ہاتھ سے بچانے کی تاکید فرماتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے عبادت گاہوں کے منہدم کرنیوالوں اور مذہبی آزادی کے دشمنوں سے جنگ کرنے کی اجازت محض اس لئے دی ہے کہ مذہب کے سمجھنے اور قبول کرنے میں کسی قسم کے جبر و اکراہ اور جور و تعدی کو دخل نہ رہے۔ اسلام چونکہ عین فطرت انسانی کے موافق اور دلائل حقہ و براہین نیرہ سے موئید مذہب ہے۔ لہٰذا اُسکی اشاعت اُسی وقت زیادہ ہو سکتی ہے جبکہ ہر قسم کا امن و امان دنیا میں قائم ہو اور اسلام کے سمجھنے اور اُس سے واقف ہونے کا موقع لوگوں کو میسر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سب سے زیادہ فتنہ و فساد اور بدامنی کا دشمن اور امن و امان کا خواہاں ہے لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا اور اسی لئے اگر ضرورت ہو تو وہ امن و امان کے قائم کرنے کی غرض سے جنگ کرنے اور تلوار سے کام لینے کو بھی جائز بلکہ ضروری سمجھتا ہے۔ اِس تلوار والے اعتراض کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے غالباً ایک طالبِ حق کے لئے کافی ہے تاہم بعض غیر مسلم محققین کے خیالات اور فیصلے بھی سُن لو۔

ڈاکٹر گستاولی بان فرانسیسی اپنی کتاب تمدن عرب میں لکھتا ہے کہ

جس وقت ہم فتوحات عرب پر نظر ڈالیں گے اور اُن کی کامیابی کے اسباب کو اُبھار کر دکھائیں گے تو معلوم ہوگا کہ اشاعتِ مذہب میں تلوار سے مطلق کام نہیں

لیا گیا کیونکہ مسلمان ہمیشہ مفتوح اقوام کو اپنے مذاہب کی پابندی میں آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ اگر اقوام عیسوی نے اپنے فاتحین کے دین کو قبول کر لیا اور بالآخر ان کی زبان کو بھی اختیار کیا تو یہ محض اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے اپنے جدید حاکموں کو ان قدیم حاکموں سے جن کی حکومت میں وہ اس وقت تک تھے بہت زیادہ منصف پایا اور نیز ان کے مذہب کو اپنے مذہب سے بہت زیادہ سچا اور سادہ پایا۔ یہ امر تاریخ سے ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی مذہب بزور شمشیر نہیں پھیل سکتا۔ جس وقت عیسویوں نے اندلس کو عربوں سے فتح کر لیا اس وقت اس مفتوح قوم نے جان دینا قبول کیا لیکن مذہب کا بدلنا قبول نہیں کیا۔ فی الواقع دین اسلام بعوض اس کے کہ بزور شمشیر پھیلایا گیا ہو محض بہ ترغیب اور بزور تقریر شائع کیا گیا ہے اور یہی ترغیب تھی جس نے اقوام ترک و مغل کو بھی جنہوں نے آگے چل کر عربوں کو مغلوب کیا دین اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر دیا۔ چین میں بھی اشاعتِ اسلام کچھ کم نہیں ہوئی ہماری کتاب کے ایک دوسرے حصہ میں معلوم ہوگا کہ اس ملک میں بھی اسلام کس قدر جلد پھیلا اگرچہ عربوں نے چین میں گز بھر زمین پر بھی قبضہ نہیں کیا تاہم اس وقت چین میں کروڑوں مسلمان ہیں۔"

رابرٹس اپنی تاریخ چارلس پنجم میں لکھتا ہے کہ۔

"وہ مسلمان ہی تھے جن میں اشاعت مذہب کے جوش کے ساتھ رواداری ملی ہوئی تھی ایک طرف تو وہ اپنے پیغمبر کے دین کو پھیلاتے تھے دوسری طرف ان اشخاص کو جو اُسے قبول نہیں کرتے اپنے اصلی ادیان پر قایم رہنے دیتے تھے۔"

میشو رہبان اپنی کتاب سفر مشرق میں لکھتا ہے کہ

"عیسائیوں کے لئے نہایت افسوس کی بات ہے کہ مذہبی رواداری جو مختلف اقوام میں ایک بڑا قانون مروت ہے عیسائیوں کو مسلمانوں نے سکھایا۔ یہ بھی ایک ثواب کا کام ہے کہ انسان دوسرے کے مذہب کی عزت کرے اور کسی کو مذہب کے قبول کرنے پر مجبور نہ کرے۔"

تاریخ جنگ صلیبی میں میشو لکھتا ہے کہ۔

جس وقت حضرت عمر نے بیت المقدس کو فتح کیا تو انہوں نے عیسائیوں کو

مطلق نہیں ستایا۔ برخلاف اس کے جب صلیبیوں نے اسی شہر مقدس کو لیا تو اُنہوں نے نہایت بے رحمی سے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور یہودیوں کو جلا دیا۔"

اسی فتح بیت المقدس کے متعلق ڈاکٹر گستاولی بان لکھتا ہے کہ

"بیت المقدس کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ کا اخلاق ہم پر ثابت کرتا ہے کہ ملک گیران اسلام مفتوح اقوام کے ساتھ کیسا نرم سلوک کرتے تھے اور یہ سلوک اُس مدارات کے مقابل میں جو صلیبیوں نے اسی شہر کے باشندوں سے کئی صدی بعد کی نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ اِس شہر مقدس میں بہت تھوڑے اشخاص کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور آپ نے سفرونیس بطریق سے درخواست کی کہ مقامات مقدسہ کی زیارت میں آپ کے ہمراہ چلے۔ اُسی وقت حضرت عمرؓ نے منادی کرادی کہ میں ذمہ وار ہوں کہ باشندگان شہر کے مال اور اُن کی عبادتگاہوں کی حرمت کیجائیگی اور مسلمان عیسائی گرجوں میں نماز پڑھنے کے مجاز نہ ہونگے۔ جو سلوک عمرؓ و بن عاص نے مصریوں کے ساتھ کیا وہ اس سے کم نہ تھا اُس نے باشندگانِ مصر سے وعدہ کیا کہ اُنھیں پوری مذہبی آزادی۔ پورا انصاف بلا رو رعایت اور جائداد کی ملکیت کے پورے حقوق دیے جائیں گے اور اُن ظالمانہ اور غیر محدود مطالبوں کے عوض میں جو شاہنشاہ یونانی اُن سے وصول کیا کرتے تھے صرف ایک جزیہ لیا جائیگا جس کی مقدار دس روپیہ سالانہ تھی۔ رعایائے صوبجات نے اِن شرائط کو اس قدر غنیمت سمجھا کہ وہ فوراً عہد و پیمان میں شریک ہوگئے اور جزیہ کی رقم اُنہوں نے پیشگی ادا کردی۔ عمالِ اسلام اپنے عہد پر اس درجہ مستحکم رہے اور اُنہوں نے اُن لوگوں کے ساتھ جو ہر روز شاہنشاہِ قسطنطنیہ کے عاملوں کے ہاتھ سے انواع واقسام کے مظالم سہا کرتے تھے اس طرح کا عمدہ برتاؤ کیا کہ سارے ملک نے بہ کشادہ پیشانی دینِ اسلام اور عربی زبان کو قبول کرلیا میں بار بار کہونگا کہ یہ نتیجہ ہے جو ہرگز بزورِ شمشیر نہیں حاصل ہوسکتا۔"

جون ڈیون پورٹ صاحب لکھتے ہیں کہ

"یہ خیال کہ قرآنی مذہب تلوار کے ذریعہ سے شائع ہوا تھا بالکل غلط ہے کیونکہ ہر

ایک غیر متعصب آدمی ادنی فکر سے معلوم کر سکتا ہے کہ آنحضرت (صلعم) کا مذہب ایسا تھا کہ جس میں انسان کی قربانی اور خونریزی کی جگہ نماز اور زکوۃ قایم کی گئی تھی اور اور ہمیشہ کے جھگڑوں اور قضیوں کی جگہ باہمی اخلاص و محبت کی بنیاد ڈالی گئی تھی اور یہی باعث ترقی کا ہوا تھا حقیقت میں یہ مذہب اہل مشرق کے واسطے سراپا برکت تھا اور آنحضرت (صلعم) نے ہرگز اس قدر خونریزی نہیں کی جس قدر موسیٰ علیہ السلام نے بت پرستی کی بیخکنی کے لئے کی تھی"۔

مشہور مورخ ایڈورڈ گبن لکھتا ہے کہ

"قدرت کے قانون میں ہر شخص اسلحہ کے ذریعہ اپنی ذات و ملکیت کی حفاظت کا حق رکھتا ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کو دفع کر سکتا یا اُن سے زیادتی کا بدلہ لے سکتا ہے اور اپنے انتقام و معاوضہ کو ایک مناسب حد تک وسیع کر سکتا ہے۔ محمد صاحب (صلعم) کو اُن کے ہموطنوں کی ناانصافی نے اُس وقت محروم و جلاوطن کیا جبکہ وہ اپنے خیراندیش مذہب اور صلح آمیز رسالت پر عامل تھے"

نکاح ثانی اور طلاق

انسان اور نوع انسان کی حفاظت و قیام کا مسئلہ بنی نوع انسان کے لئے ایک نہایت ضروری اور اہم مسئلہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر ایک الہامی مذہب اور آسمانی کتاب نے جہاں ایک طرف انسان کو معرفت الٰہی کی باتیں اور عبادات کے طریقے بتائے ہیں دوسری طرف شفقت علیٰ خلق اللہ اور رفاہ نوع انسانی کے کاموں کو بھی رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ٹھہرایا اور نوع انسان کے برباد کرنے اور نقصان پہنچانے والی باتوں کو جرم قرار دیا ہے۔ پس قیام و بقائے نوع انسان کا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ ضروری ذریعہ جبکہ عورت و مرد کا تعلق و ازدواج ہے تو ہر ایک مذہب میں ازدواج کے متعلق احکام و قواعد کا ہونا بھی ضروری ہے۔ کتب سابقہ اور انبیائے سابقہ کی تعلیمات میں مسئلہ ازدواج کے متعلق آئین و قوانین ضرور موجود ہونگے۔ لیکن چونکہ پرانی مذہبی کتابیں منسوخ ہو کر مسخ ہو چکی ہیں اور تحریف و تبدیل نے کسی کو بھی اصلی حالت میں نہیں چھوڑا اس لئے بعض میں قواعد ازدواج موجود ملتے ہیں اور بعض میں نہیں۔ بعض میں وہ کسی قدر معقول حالت میں نظر آتے ہیں اور بعض میں بہت ہی غیر معقول و غیر مفید صورت میں۔ قرآن کریم چونکہ بنی نوع انسان کے لئے آخری اور مکمل ہدایت نامہ ہے لہذا اس کے اندر قواعد ازدواج بھی نہایت معقول

مفید اور مکمل حالت میں موجود ہیں۔ اس حقیقت کی تغلیط اور اس سچے دعوے کی تردید میں معترضین کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ

قرآن شریف نے بیوہ عورتوں کو نکاح ثانی کی اجازت دی ہے جو غیر ضروری ہی نہیں بلکہ مضر ہے پھر ایک مرد کو کئی بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے۔ یہ اجازت بھی غیر معقول اور عورتوں پر ظلم ہے۔ نیز قرآن مجید نے خاوند بیوی کو قطع تعلقات کی بھی اجازت دے دی ہے یہ بھی نوع انسان کے لئے مضر اور سراسر ظلم ہے۔"

یہ اعتراضات نہ صرف انہیں مختصر الفاظ میں بلکہ اس سے بہت زیادہ تفصیل اور دھوم دھام کے ساتھ مختلف پیرایوں میں پیش ہوا کرتے ہیں مگر سب کا خلاصہ اور مفاد یہی ہے جو اوپر درج ہوا ہے۔ اس اعتراض پر نظر کرنے سے پیشتر اس حقیقت کا ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ عورت اور مرد کے تعلقات ایک فطری اور پیدائشی تقاضا ہے۔ نکاح کے ذریعہ ان فطری تقاضوں سے انسان مفید نتائج حاصل کر سکتا ہے۔ مثلاً قوائے شہوانی کے اقتضا کا طرفین سے بلا مزاحمت پورا ہونا۔ یار غمگسار کے شریک حال رہنے کی راحت کا میسر ہونا۔ امور خانہ داری کی اصلاح اور حفظ مال و پرورش اولاد میں ایک دوسرے کی امداد و اعانت کرنا وغیرہ۔ دنیا کی تمام قوموں اور تمام مذہبوں میں نکاح کے کچھ نہ کچھ آئین و قوانین مروج و متعین ہیں۔ پس کسی ایک قوم یا ایک مذہب کے قوانین ازدواج کو اچھا یا برا کہنے کے لئے ہم مجبور ہیں کہ دوسری قوموں اور دوسرے مذہبوں کے قوانین کو بھی زیر نظر لائیں۔ کسی مذہب کے قوانین ازدواج پر غور کرنے کا مسئلہ دنیا میں ہمیشہ اعتباری طور پر ہی زیر بحث آ سکا ہے اور آئندہ بھی یہ مسئلہ ہمیشہ اعتباری ہی رہیگا۔ نیز معاشرت انسانی سے تعلق رکھنے والے تمام مسائل کی یہی حالت ہے کہ کسی ایک مذہب کے معاشرتی قانون کو اچھا یا برا کہنے کے لئے اس کے بالمقابل دوسرے مذہب کے قانون کا برا یا اچھا ہونا ضروری ہے۔ جو معاشرتی مراسم تمام بنی نوع انسان میں مشترک ہیں ان کے زیر بحث لانے اور ان کو اچھا یا برا کہنے کی طرف کبھی کسی کو توجہ نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں معترضین جبکہ کسی خاص مذہب کے پیرو ہوں اور اسلام پر معترض ہوتے ہوئے پورے جوش و خروش کا اظہار کریں تو ان کو سمجھانے۔ اسلامی قوانین کی خوبیوں سے آگاہ کرنے اور کم از کم بیجا ضد سے ہٹا کر عدل و انصاف کی طرف متوجہ کرنے کے لئے بھی ضرورت ہے کہ معترضین کے مذہبی قوانین پر سرسری نظر ڈال لینے میں تامل نہ کیا جائے۔

بقائے نوع کا انسان فطری طور پر خواہشمند ہے لیکن خدائے تعالیٰ نے انسان کی اس خواہش سے بڑھ کر بھی ایک اور انتظام فرما دیا ہے یعنی انسان اگر اولاد کا خواہاں نہ ہو تب بھی وہ مجبور ہو کر اپنے جذبۂ شہوت کو پورا کرے اور اس کے نتیجہ میں اولاد بھی پیدا ہو جائے۔ انسانی فطرت میں پیدا کئے ہوئے جذبۂ شہوت کی ایسی ہی مثال ہے جیسے غذا کی اشتہا کہ انسان کو بھوک لگتی ہے وہ کھانا کھاتا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں بدل ما یتحلل ہوتا اور انسان تندرست رہتا ہے۔ اگر کوئی مذہب یہ حکم دے کہ خواہ کتنی ہی بھوک لگے ہمیشہ کھانا نہ کھانا ہی زیادہ اچھا ہے تو اس مذہب کی نسبت کہا جائیگا کہ وہ انسانوں کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح کوئی مذہب یہ حکم دے کہ ہمیشہ تجرد ہی کی حالت میں رہنا اور جذبۂ شہوت کو کسی حالت میں بھی کبھی پورا نہ کرنا زیادہ اچھی بات ہے تو اس کی نسبت کہا جائیگا کہ وہ نسل انسانی کو دنیا سے معدوم کرنے کا خواہاں ہے۔ اسلام نے اس معاملہ میں فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ اور لَا رَهْبَانِيَةَ فِي الْاِسْلَامِ کا حکم دے کر صاف طور پر بتا دیا ہے کہ وہ نسل انسانی کے باقی رکھنے کا خواہاں اور نسل انسانی کے معدوم کرنے کی کوششوں کا مخالف ہے۔

اگر کسی شخص کو بھوک لگی ہوئی ہو اور وہ اپنی اشتہا فرو کرنے کے لئے کوئی زہریلی چیز کھالے تو اگرچہ اس کی اشتہا فرو ہو جائیگی لیکن اس کے نتیجہ میں صحت جسمانی کا مقصد اصلی حاصل نہ ہوگا اسی لئے انسان ایسی غذائیں انتخاب کرنے پر مجبور ہے کہ بھوک کی تکلیف بھی دور ہو اور پرورش جسم کا مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ یہی حالت شہوت جماع کی ہے کہ اگر انسان اس کو کسی قانون اور ضابطہ کی پابندی سے آزاد اور خلیع الرسن ہو کر پورا کریگا تو بقائے نوع کے مقصد اصلی سے بھی محروم رہیگا اور شاید اپنی ہلاکت کے بھی بہت سے سامان فراہم کرلیگا۔ قرآن کریم فرماتا ہے نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ (سورۂ نساء رکوع ۲۸) یہی لطیف استعارہ پنڈت دیانند صاحب سرستی نے بھی اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں استعمال کیا ہے جہاں وہ فرماتے ہیں کہ

"جو شخص سب سے اعلیٰ انسانی درخت کے بیج کو بُرے کھیت میں کھوتا ہے وہ بھاری بیوقوف کہلاتا ہے"۔

پھر قرآن کریم عورتوں کے متعلق فرماتا ہے کہ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقر رکوع ۲۳) یعنی جس طرح لباس انسان کی سردی و گرمی سے حفاظت کرتا ہے اسی طرح بیوی خاوند کو دنیا کے سرد و گرم سے بچانیوالی اور خاوند بیوی کو دنیا کے سرد و گرم سے بچانیوالا ہے یعنی دونوں ایک دوسرے کے محافظ ہیں۔ اسی حفاظت کو مدنظر رکھ کر قرآن مجید نے حکم دیا ہے کہ۔

وَاَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَالصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَاِمَآئِکُمۡ ؕ اِنۡ یَّکُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ یُغۡنِهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ۝ (سورۂ نور رکوع ۴)	اور اپنی رانڈوں کے نکاح کر دو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے اُن کے جو نیک بخت ہوں اگر یہ لوگ محتاج ہونگے تو اللہ اپنے فضل سے اُن کو غنی کر دیگا اور اللہ گنجایش والا اور سب کے حال سے واقف ہے۔

رانڈوں کا نکاح نہ کرنا عورت پر اس لئے بڑا ظلم تھا کہ اُس کے فطری قویٰ کا تقاضا ہوتا ہے کہ اُس کی شادی ہو۔ دوسرے نسل انسانی کو نقصان پہنچانا تھا کہ ایک اولاد پیدا کرنے کے قابل عورت کو بلا کسی معقول سبب کے اولاد پیدا کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ قرآن مجید نے مندرجۂ بالا حکم دے کر نسل انسانی کی ایک اہم ضرورت کو پورا کر دیا اور عورتوں کو مصیبت سے بچا لیا۔ لیکن سوامی دیانند صاحب سرستی بانیٔ آریہ سماج اس پر معترض ہیں اور فرماتے ہیں کہ رانڈ عورت کو دوسرا نکاح ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ سوامی جی کے روحانی اُستاد منوجی مہاراج منوسمرتی کے پانچویں ادھیا میں فرماتے ہیں کہ۔

"عورت اپنے خاوند کی وفات کے بعد دوسرے شوہر کا نام بھی نہ لے۔ جو عورت اولاد ہونے کی طمع میں دوسرے شوہر سے جماع کرتی ہے وہ دنیا میں بدنام ہوتی ہے اور عاقبت میں پتی لوک کو نہیں پاتی"۔

سوامی دیانند صاحب سرستی بیوہ عورت کی نسبت فرماتے ہیں کہ "وہ اگر حالتِ تجرد میں رہیگی تو کوئی بھی خرابی پیدا نہ ہوگی۔ اسی طرح رنڈوا مرد حالتِ تجرد میں بسر کرے اور اگر خاندان اور نسل کے باقی رکھنے کی خواہش ہو تو اپنی ذات والے کا لڑکا گود لے لیں گے"۔ (دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۳۰)۔ سوامی جی مرد و عورت کے اُس فطری تقاضائے شہوت کو بالکل بے حقیقت سمجھتے ہیں اور اُن کے نزدیک بنی نوع انسان میں سے ہر متنفس بڑی آسانی بلکہ بڑی خوشی سے اپنے قوائے فطری کو مغلوب اور فنا کر سکتا ہے۔ بقائے نسل کا اُن کو البتہ کسی قدر خیال ضرور آگیا ہے اور اُنہوں نے اُس کی ایک ترکیب بتا دی ہے کہ کسی دوسرے کے لڑکے کو اپنا لڑکا بنا لو۔ اُن کے نزدیک وہ سارے کے سارے فطری تعلقات جو نطفہ کی وجہ سے باپ بیٹے کے درمیان ہو سکتے ہیں اور وہ تمام خصوصیات جو نطفہ کے ذریعہ ماں باپ بہن بھائی وغیرہ کو ایک خاندان میں منسلک و مشترک کرتی ہیں۔ صرف زبانی اور خیالی جمع خرچ سے پیدا ہو سکتی ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے اور شاید کوئی بھی سمجھدار آدمی نہ سمجھ سکے

کہ ایک شخص دوسرے کے نطفہ سے پیدا شدہ بیٹے کو کس طرح اپنا حقیقی بیٹا یقین کر سکتا اور کس طرح کوئی شخص ایک ایسے شخص کو (خواہ کتنا ہی بڑا محسن کیوں نہ ہو) اپنا باپ یقین کر سکتا ہے جس کے نطفہ سے وہ پیدا نہ ہوا ہو۔

سوامی جی کے مندرجۂ بالا ارشادات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید اُن کو اولاد پیدا کرنے اور زنا شوئی کے تعلقات رکھنے سے سخت نفرت ہے لیکن یہ خیال فوراً ہی غلط ثابت ہو جاتا ہے جبکہ مذکورۂ بالا ارشاد کے ساتھ ہی ہم یہ ارشاد بھی پاتے ہیں کہ

"اور اگر برہمچریہ (تجرد کی حالت) نہ رکھ سکیں تو نیوگ کرکے اولاد پیدا کرلیں۔"

(ستیارتھ صفحہ ۱۳۰)

پھر یہی نہیں بلکہ دوسری جگہ اسی کتاب ستیارتھ پرکاش میں وہ فرماتے ہیں کہ

"اگر حاملہ عورت سے ایک سال صحبت نہ کرنے کے عرصہ میں مرد سے یا دائم المرض مرد کی عورت سے نہ رہا جائے تو کسی سے نیوگ کرکے اُس کے لئے اولاد پیدا کردے۔" (ستیارتھ صفحہ ۱۳۹)

رانڈ اور رنڈوے کو تو اولاد کے حصول کی ترکیب سوامی جی بتا ہی چکے ہیں کہ دوسرے کی اولاد گود لے لیجائے پس ظاہر ہے کہ "برہمچریہ نہ رکھ سکیں" اور "نہ رہا جائے" کا صاف مطلب یہی ہے کہ اگر قوائے شہوانی تقاضا کریں تو نیوگ کے ذریعہ اُس تقاضے کو پورا کر لیا جائے۔ نتیجہ میں اولاد بھی حاصل ہو جائے تو زہے قسمت۔ میں قارئین کرام سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ ایک مرتبہ سوامی جی کے مندرجہ بالا ارشادات کو پھر پڑھ لیں اور غور کریں کہ آیا نیوگ کی اجازت محض اولاد پیدا کرنے کے لئے ہی اُن کو دینی پڑی ہے۔ یا جذبات شہوانی کے فرو کرنے کے لئے پھر لطف یہ کہ عورت کے حاملہ ہو جانے کی حالت میں عورت کے وضع حمل وغیرہ سے فارغ اور قابلِ جماع ہونے تک سال بھر سے زیادہ مرد کو ضبط اور صبر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس فرصت میں وہ نیوگ کے شغل میں مصروف ہو سکتا ہے عورت و مرد کے قوائے شہوانی کی رعایت مد نظر رکھنے میں اس جگہ سوامی جی نے جس قسم کی سیر چشمی کا اظہار فرمایا ہے افسوس ہے کہ اُس کو قابلِ داد نہیں قرار دیا جا سکتا اور اس تضاد میں توافق بھی نہیں پیدا کیا جا سکتا کہ ایک طرف وہ برہمچریہ کو بہت ہی معمولی سی بات سمجھتے ہیں اور اُس میں کوئی بھی خرابی نہیں دیکھتے دوسری طرف یہ سیر چشمی اور رعایت جس کا ابھی ذکر ہوا۔

نکاح ثانی سے سوامی جی کو سخت نفرت ہے اور وہ اُس کو کسی حالت میں بھی جائز قرار نہیں دے سکتے۔ نکاح ثانی کی چار خرابیاں سوامی جی نے بتائی ہیں جو ستیارتھ پرکاش سے حرف بحرف نقل کیجاتی ہیں۔

"سوال۔ پنرو واہ (نکاح ثانی) میں کیا نقص ہے!

جواب۔ پہلا عورت و مرد میں محبت کا کم ہونا کیونکہ جب چاہے تب مرد کو عورت اور عورت کو مرد چھوڑ کر دوسرے کے ساتھ تعلق کرلیں گے۔ دوسرا جب عورت اپنے خاوند کے مرنے پر یا مرد اپنی عورت کے مرنے کے پیچھے دوسرا بیاہ کرنا چاہیں تب پہلی عورت کی یا پہلے خاوند کی جائداد کو اُڑا لیجانا اور اُن کے کنبہ والوں کا اُن سے جھگڑا کرنا۔

تیسرا۔ بہت سے اچھے خاندانوں کا نام ونشان بھی مٹ کر اُن کی جائداد کا برباد ہوجانا۔

چوتھا۔ پتی برت اور استری برت دھرموں کا برباد ہونا اِس قسم کے نقصوں کے سبب دوجوں میں پنربواہ (نکاح ثانی) یا ایک سے زیادہ بواہ کبھی نہ ہونے چاہئیں" (منقول از ستیارتھ پرکاش مطبوعہ یونین اسٹیم پریس لاہور صفحہ ۱۳۰)

مندرجۂ بالا عبارت میں چوتھی خرابی کے لفظ پتی برت پر نشان لگایا گیا ہے اور حاشیہ میں اِس لفظ کی تشریح اس طرح کی گئی ہے۔

"پتی برت سے خاوند کی حلف اور استری برت سے زوجہ کی حلف مُراد ہے مکرر بواہ سے یہ حلف ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ دونوں نے بیاہ کے وقت پرمیشور کو حاضر و ناظر جان کر قسمیہ عہد کیا تھا کہ اپنی حین حیات تک دوسرے کے ساتھ بیاہ نہ کرینگے (ستیارتھ حاشیہ صفحہ ۱۳۰)

معلوم ہوا کہ مندرجۂ بالا چار خرابیاں اگر واقع نہوں تو پھر سوامی دیانند صاحب کو بھی نکاح ثانی پر کوئی اعتراض نہیں۔ یہی چار خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے وہ عقد ثانی کو بہت بُرا جانتے اور ہرگز نہیں مانتے ہیں لہذا ہم کو سوامی جی کی ارشاد فرمودہ چاروں خرابیوں کو غور و تامل کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔

(۱) صرف اس بات کا علم ہونے سے کہ عقد ثانی جائز ہے خاوند بیوی میں محبت کا کم ہونا اور یہ

معلوم ہونے سے کہ عقد ثانی جائز نہیں ہے۔ محبت کا زیادہ ہونا بڑی ہی عجیب بات معلوم ہوتی ہے اور یہ بات اسی شخص کی زبان سے نکل سکتی ہے جو محبت کے معنی اور اس کی حقیقت سے قطعاً ناآشنا ہو۔ محبت ہمیشہ حسن یا احسان سے پیدا ہوتی ہے حسن سے صرف حسن صورت نہیں بلکہ حسن سیرت وغیرہ ہر قسم کی خوبیاں مراد ہیں۔ اسی طرح احسان کا مفہوم بھی عام ہے۔ مجبوری اور زبردستی سے محبت ہرگز پیدا نہیں ہو سکتی۔ تجربہ اس بات کا شاہد ہے کہ مسلمان میاں بیوی میں ہندو میاں بیوی سے کم محبت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس اعتبار سے مسلمانوں کی معاشرتی حالت ہندوؤں سے بدرجہا بہتر و خوشگوار ہے۔ کیونکہ مسلمان میاں بیوی اس بات کو جانتے ہوئے کہ ہمارے تعلقات اگر بےحد خراب ہو گئے تو ہم میں جدائی ممکن ہے بداخلاق و بدوضع ہونے پر بھی ایک دوسرے کی رعایت ملحوظ رکھتے اور خود ہی اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں لیکن ہندو زوجین اگر ایک دوسرے کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں تو ان میں جو ظالم ہوتا ہے اس کو مظلوم کے ساتھ رعایت ملحوظ رکھنے کی طرف کوئی ایسی چیز متوجہ نہیں کر سکتی اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منافرت ترقی کر کے عداوت و دشمنی تک پہنچ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں میں مخرب اخلاق واقعات نسبتاً زیادہ پیش آتے رہتے ہیں جو عقد ثانی کے ناجائز ہونے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ عقد ثانی کا فقط علم ہونے سے مرد و عورت خواہ مخواہ اپنے تعلقات ترک نہیں کر سکتے بلکہ ان میں سے ہر ایک نباہ کی پوری کوشش کرتا ہے۔ البتہ ہر ایک کو یہ تسلی ہوتی ہے کہ مجبوری پر ہم آزاد بھی ہو سکتے ہیں اور سخت مجبوری کی حالت میں وہ ایسا کر بھی لیتے ہیں اور ایسا کرنا ہی ان کے لئے مفید ہوتا ہے اور ایسے واقعات شاذونادر ہی کبھی سننے میں آتے ہیں اس طرح ان کی معاشرت نہایت اعتدالی حالت میں گذرتی ہے۔ بخلاف ہندوؤں کے کہ میاں بیوی اگر ایک دوسرے سے ہل مل گئے تو خیر ورنہ ان بن کی صورت میں ایسی مایوسانہ مجبوریوں میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی موت سے بدتر ہو جاتی ہے بعض اوقات خودکشی اور حرامکاری کی طرف متوجہ ہو کر نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ خاندان بھر کو تباہ اور بدنام کر دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اس طرف دوبارہ توجہ دلانی ضروری ہے کہ عقد ثانی کے ناجائز ہونے اور ناقابل برداشت باتیں پیش آنے پر بھی ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ مجبورانہ طور پر بندھے رہنے کا تصور محبت کو بہت ہی کم کر سکتا ہے۔ بڑھا نہیں سکتا۔

(۲) سوامی جی نے دوسری خرابی رشتہ داروں کے جھگڑا کرنے اور جائداد کے چلے جانے

کی بیان کی ہے جس کے سُننے سے بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ اور اُن کی فہم فراست کا مرتبہ قائم کرنے والے کو شش و پنج میں مبتلا کر دیتی ہے۔ خاوند کی جائداد کا کل یا جزو غرض جس قدر حصّہ بیوی کو پہنچنا چاہیے اور جس کی وہ جائز طور پر مالک ہوگی اُس کو اپنے اختیار سے لیجائیگی کسی رشتہ دار کا کیا حق ہے کہ وہ اُس سے جھگڑا کرے اور اُس کی جائداد پر اُس کو قبضہ نہ کرنے دے اور اگر اُس کا کوئی حق اُس جائداد میں نہیں ہے بلکہ رشتہ داروں کا حق ہے تو اُس پر رشتہ دار قبضہ کرینگے عورت کیوں اُس کو لیجانے لگی اور اُس پر ناجائز قبضہ کرنے لگی ہے۔ اسی طرح عورت کے مرنے پر رنڈوے مرد کی حالت ہوگی بہرحال جو کوئی بھی عدل و انصاف کے خلاف ناجائز طور پر کسی کی جائداد کو اپنے قبضہ میں لائے گا وہی مجرم اور جھگڑا کرنے والا سمجھا جائیگا اور ناجائز جھگڑا کرنے والوں یعنی مجرموں کو اپنے جرم کے بدنتایج برداشت کرنے پڑیں گے اِس کی کیا ضرورت ہے کہ جھگڑا کرنے والوں اور مجرموں کی خاطر ایک بے گناہ کو ستی کیا جائے اور بیچاری عورت کا گلا دبایا جائے کہ وہ ساری عمر رنڈاپے کی مصیبتوں میں مبتلا رہے آپ اپنی جائداد کو سنبھالیے مگر بیچاری عورت کی تو گلو خلاصی کیجیے۔ اِسی طرح بیچارے رنڈوے مرد کو عمر بھر کے لئے بیوی جیسے انیس و غمگسار سے محروم نہ رکھیے۔

(۳) تیسری خرابی اور دوسری خرابی ایک ہی ہیں۔ سوامی جی نے شاید نمبروں کی تعداد بڑھانے کے لئے دوسری خرابی کو کسی قدر الفاظ بدل کر تیسری خرابی قرار دیدیا ہے۔ اچھے خاندانوں کی جائداد اور بُرے خاندانوں کا افلاس و تہیدستی بنی نوع انسان کے لئے مذہبی قانون پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتے۔ اگر جائداد والوں کی جائداد کسی عورت کی گردن پر چھری رکھوا سکتی ہے تو مفلسوں کی بے سروسامانی کیوں عورت کو اُس کے جائز حقوق نہیں دلوا سکتی سوامی جی کو جائداد سے اگر ایسی ہی شدید محبت تھی کہ وہ جائداد کی حفاظت کے مقابلہ میں نوع انسان کے فطری حقوق کو بھی نظرانداز کر سکتے تھے تب بھی اُن کو سوچنا چاہیے تھا کہ ایک خاندان سے جس طرح جائداد دوسرے خاندان میں منتقل ہو سکتی ہے۔ اِسی طرح دوسرے خاندان کی جائداد اس خاندان میں آسکتی ہے۔ قوم یا ملک کو تو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور عدل و انصاف قائم ہو کر ظلم و ستم بھی دور ہوتا ہے۔

(۴) چوتھی خرابی جو سوامی جی نے بیان فرمائی ہے وہ درحقیقت ایک مغالطہ ہے جو سوامی جی نے دینا چاہا ہے یا شاید خود اُن کو مغالطہ لگ گیا ہے۔ کیونکہ سوامی جی نے جس بات کو بطور

دلیل پیش کیا ہے وہی تو اُن کا دعویٰ ہے۔ دعوے کو بجائے دلیل پیش کرنا عقلمند لوگوں کی مجلس میں بیحد معیوب سمجھا جاتا ہے۔ سوامی جی کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ عورت اور مرد نے شادی کے وقت ایک دوسرے سے وعدہ کیا اور حلف اُٹھایا تھا کہ ہم آپس میں وفادار رہیں گے اور دوسری شادی نہ کرینگے نکاح ثانی سے وہ وعدہ ٹوٹ جاتا ہے لہذا نکاح ثانی ناجائز ہوا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہی مسئلہ تو مابہ النزاع ہے۔ بیوہ ہونے کی حالت میں عورت اور رنڈوا ہونے کی حالت میں مرد دوسری شادی ہرگز نہ کرسکیگا۔ ایسا سخت اور ناجائز معاہدہ کیوں کیا جاتا اور اس طرح نوع انسان کے فطری حقوق کو کیوں پامال کیا جاتا ہے؟ اسی کا تو اُن کو جواب دینا تھا جس کو وہ بطور دلیل پیش کر رہے ہیں۔ پھر اس صاف اور سیدھی بات پر بھی اُن کو غور کرنا چاہئے تھا کہ دو سلطنتیں آپس میں ایک دوسرے کی ہمدردی اور محبت کا معاہدہ کرتی ہیں۔ اتفاق سے ایک سلطنت اپنے معاہدہ کے خلاف دوستی و ہمدردی کی جگہ دشمنی و عداوت کا اظہار کرتی اور دوسری سلطنت پر فوج کشی کر دیتی ہے تو کیا اُس دوسری سلطنت کے لئے وہ معاہدہ فسخ نہیں ہوا اور کیا اُس دوسری سلطنت کا فرض ہے کہ وہ اُس دوستی و ہمدردی کے معاہدہ کی وجہ سے حملہ آور فوج کے ہاتھوں پامال ہوتی رہے اور قتل و غارت کرنیوالے حملہ آوروں کو اپنا دوست اور ہمدرد ہی سمجھتی رہے۔ شاید سوامی جی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ دو فریق جب آپس میں کوئی معاہدہ کرتے ہیں تو چاہے صاف الفاظ میں مذکور نہو مگر مصالحت باہمی کی شرط بہرحال اُس میں مقدر و مضمر ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو اُس معاہدہ کو ہرگز معاہدہ نہیں کہا جائیگا۔ خاوند بیوی اگر ایک دوسرے کے وفادار رہنے کا معاہدہ کرتے ہیں تو جب کبھی اِن دونوں میں سے کوئی ایک اس معاہدہ کو توڑنا چاہیگا تو دوسرے کے لئے وہ خود بخود ٹوٹ جائیگا۔ مثلاً ایک خاوند اپنی بیوی کو بلاوجہ زدوکوب کرتا۔ کھانے کو نہیں دیتا۔ بیحیائی کے کام کراتا۔ انواع و اقسام طریقوں سے رات دن ستاتا اور اپنی ظالمانہ و سنگدلانہ حرکات سے مطلق باز نہیں آنا چاہتا ہے تو اُس کی بیوی کو عقل سلیم کیسے مجبور کرسکتی ہے کہ وہ اُس حلفِ وفاداری کی پابندی جس کو اُس کا خاوند توڑ چکا ہے اپنے لئے ضروری سمجھے اور ایسے بدعہد و ظالم خاوند کے ساتھ جس کی اصلاح محال ہے رہ کر تختہ مشق بنی رہے۔ یا کسی کی بیوی فاحشہ ہو جائے اور اُس کی حرامکاری و غداری سے واقف ہونے کے بعد بھی وہ خاوند اُس کو اپنی بیوی کی حیثیت سے رکھے اور اپنی جان اور مال کو ہمہ اوقات خطرہ کی حالت میں پاکر بھی اُس عورت کو طلاق نہ دیسکے

اور دوسری عورت سے شادی کر کے آرام تن حاصل نہ کر سکے۔

سوامی دیانند صاحب کے ہر چہار دلائل (جو انہوں نے نکاح ثانی کی مخالفت میں بیان کئے تھے) اور اُن کی حقیقت قارئین کرام ملاحظہ فرما چکے اب ہم کو یہ بھی دیکھ لینا چاہیئے کہ انہوں نے نکاح ثانی کی جگہ جو چیز تجویز کی ہے اُس کی حیثیت کیا ہے۔ سوامی جی نے نکاح ثانی کی جگہ نیوگ تجویز کیا ہے اور اُن کے نزدیک نیوگ میں کسی قسم کی کوئی بھی خرابی واقع نہیں ہوتی۔ نکاح ثانی کی ممانعت اور نیوگ کا حکم جو سوامی جی نے ویدوں سے نکال کر بیان کیا ہے اس طرح ہے۔

"اے بیاہے ہوئے مرد عورت تو تم دونوں رات کو کہاں ٹھہرے تھے اور دن کو کہاں بسر کیا تھا تم نے کھانا وغیرہ کہاں کھایا تھا تمہارا وطن کہاں ہے جس طرح بیوہ عورت اپنے دیور کے ساتھ شب باش ہوتی ہے یا جس طرح بیاہا ہوا مرد اپنی بیاہتا عورت کے ساتھ اولاد کے لئے یکجا شب باش ہوتا ہے اُسی طرح تم کہاں شب باش ہوئے تھے" (رگوید اشٹک ۷۔ ادھیائے ۸۔ ورگ ۱۸ منتر ۲)

"اے مرد یہ بیوہ عورت اپنے خاوند کے مر جانے پر خاوند سے حاصل ہونیوالے سکھ کی خواہش کرتی ہوئی تجھے اپنا خاوند قبول کرتی ہے اور نیوگ کے قاعدے کے تیرے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو اس کو قبول کر اور اُس سے اولاد پیدا کر۔ یہ بیوہ عورت ویدوں میں بیان کئے ہوئے قدیم دھرم کو پالتی ہوئی بطریق نیوگ خاوند کرنا چاہتی ہے اس لئے تو بھی اسے قبول کر اور اس بیوہ عورت سے اس وقت یا اس دنیا میں اولاد پیدا کر اور اس کو مال و دولت یا نطفہ عطا کر گویا بطریق گربھادھان اس سے ہم صحبت ہو" (اتھرووید۔ کانڈ ۱۸۔ انوواک ۳ ورگ ۱۔ منتر ۲)

"اے بیوہ عورت اپنے مرے ہوئے اصلی خاوند کو چھوڑ کر زندہ دیور کو قبول کر اُس کے ساتھ رہ کر اولاد پیدا کر وہ اولاد جو اس طرح پیدا ہوگی تیرے اصلی خاوند کی ہوگی جس کو تو نے بیاہ میں اپنا ہاتھ دیا تھا اگر نیوگ کئے ہوئے خاوند (نیوگی) کے لئے اولاد پیدا کرنے کی غرض سے نیوگ کیا ہے تو اس صورت میں یہ اولاد اُسکی ہوگی اور اگر اپنے لئے کیا ہے تو وہ اولاد تجھ بیوہ کی ہوگی۔ اے بیوہ عورت تو اپنے اصلی خاوند

کے مرنے پر کسی ایسے مرد کو بطریق نیوگ خاوند قبول کر جس کی بیاہتا عورت مرگئی ہو اور اس طرح اولاد پیدا کر کے سکھ حاصل کر (رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۱۸ منتر ۸)

"اے نطفہ عطا کرنیوالے اصلی خاوند تو اس بیاہتا عورت کو ہمبستری سے با امید کر اور اُس کو صاحب اولاد اور ہر قسم کے اعلیٰ سے اعلیٰ سکھ سے بہرہ ور کر۔ اِس بیاہتا عورت سے دس اولاد پیدا کر اُس سے زیادہ ہرگز پیدا نہ کر اسی طرح اے عورت تو اپنے بیاہے ہوئے خاوند سمیت گیارہویں خاوند تک نیوگ کر"

(رگوید۔ اشٹک ۸۔ ادھیائے ۳۔ ورگ ۲۸ منتر ۵)

اے عورت تیرا پہلا جو بیاہا ہوا خاوند ہے وہ کنوارے پن کی صفت سے موصوف ہونے کے سبب سوم نامزد ہوتا ہے اور جو تیرا دوسرا نیوگ کا خاوند ہے اور جس کو تو بیوہ ہونے پر قبول کرتی ہے اُس کی اصطلاح گندھرو ہے۔ کیونکہ وہ بھوگ (مجامعت) کیے ہوئے اور اُس سے واقف ہوتا ہے اور جس سے تو تیسری بار نیوگ کرتی ہے اُس کی اصطلاح اگنی ہے۔ کیونکہ جب وہ تجھ دو مردوں کی صحبت بھگتی ہوئی کے ساتھ نیوگ کرتا ہے تو اُس کے جسم کی دھات اس طرح جل جاتی ہے جس طرح آگ میں ایندھن۔ اے عورت چوتھے سے لے کر دسویں تک جس قدر تیرے خاوند ہیں اُن کی طاقت اور نطفہ معمولی ہوتا ہے۔ اس لیے وہ منش نامزد ہوتے ہیں۔ اسی طرح عورتوں کو بھی سوم یا گندھرو یا اگنائی۔ منشیہ اصطلاحیں ہوتی ہیں۔ (رگوید۔ اشٹک ۸۔ ادھیائے ۳۔ ورگ ۲۷۔ منتر ۵)

مندرجہ بالا تمام منتر سوامی دیانند صاحب کی مشہور کتاب "رگوید آدی بھاشیہ بھومکا" سے نقل کیے گئے ہیں۔ جو انھوں نے نیوگ کے بیان میں ویدوں سے انتخاب کر کے لکھے ہیں اِن منتروں کا جو ترجمہ سائن اچارج اور مہی دھر وغیرہ نے کیا ہے وہ اس ترجمہ سے جو سوامی جی نے کیا ہے مختلف اور زیادہ حیاسوز ہے لیکن ہم کو اس وقت صرف سوامی جی کی رائے پر غور کرنا ہے لہذا اُنہی کی کتاب سے ترجمہ نقل کرنا ضروری تھا۔ ویدوں کے ان منقولہ منتروں سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے اُس پر قارئین کرام خود غور فرمالیں گے اس موقع پر صرف اس قدر توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی نے مندرجہ بالا منتروں میں

پہلے منتر سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نکاح ثانی ناجائز ہے (دیکھو صفحہ ۱۳۵ بھومکا مطبوعہ مفید عام لاہور) اس پہلے منتر (یعنی رگوید اشٹک ۷۔ ادھیائے ۸۔ ورگ ۱۸ منتر ۲) کو پھر ایک مرتبہ ملاحظہ فرمائیے اور اس نتیجہ کے نکالنے کی کوشش کیجئے جو سوامی جی نے نکالا ہے۔ دوسرے منتر یعنی اتھروید والے منتر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بیوہ عورت خاوند سے حاصل ہونے والے سُکھ کی خواہاں اور نیوگ کے طریقہ سے کسی مرد کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ اتھروید نیوگی سے سفارش کرتا ہے کہ اس کی خواہش کو پورا کر اور اولاد بھی پیدا کر۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اتھروید خود قدیم نہیں ہے کیونکہ وہ ویدوں میں بتائے ہوئے قدیم دھرم کی طرف بعد کے زمانہ میں اشارہ کر رہا ہے۔ تیسرے منتر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بیوہ عورت تین قسم کی اولاد پیدا کر سکتی ہے۔ ایک اپنے مرے ہوئے خاوند کے لئے ایک نیوگی کے لئے اور ایک اپنے لئے۔ اِن ہر سہ اقسام کی اولاد میں مابہ الامتیاز بجزاس کے اور کچھ نہیں کہ نیوگ کی کارروائی کرتے وقت نیت کرلیجائے کہ اس کے نتیجہ میں جو بچہ پیدا ہوگا وہ کس کے حصہ کا ہوگا (جیسا کہ سوامی جی نے تشریح فرمادی ہے اور وہ آگے آتی ہے) چوتھے منتر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک عورت بیوہ ہونے کے بعد دس مردوں سے باوقات مختلف یکے بادیگرے نیوگ کرا سکتی ہے۔ پانچویں منتر سے نیوگ کرنے والے مردوں کے خطابات معلوم ہوتے ہیں اور ہر ایک خطاب کی حکمت بھی ظاہر ہو جاتی ہے اور بعض ایسے معارف وحقائق سے آگاہی ہوتی ہے جو اور کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتے تھے مثلاً جو عورت دو مردوں کی صحبت بھگت چکی ہو اُس سے جو تیسرا مرد ہمبستر ہوتا ہے اُس کے جسم کی دھا تو اس طرح جل جاتی ہے جیسے آگ میں ایندھن (چوتھے پانچویں چھٹے وغیرہ کا تو اور بھی زیادہ بُرا حال ہونا چاہئے تھا) مگر چوتھے۔ پانچویں۔ چھٹے۔ ساتویں۔ آٹھویں نویں۔ دسویں۔ گیارہویں کو ایک ہی مد میں رکھا اور منش خطاب دیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تین مختلف مردوں سے ہمبستر ہونے کے بعد عورت معمولی حالت میں آتی اور ہمبستر ہونیوالے مردوں یعنی بیرج داتاؤں کے لئے بے ضرر ہوتی ہے۔

یہ تو ویدوں کے وہ منتر تھے جو سوامی جی نے بھومکا میں انتخاب کر کے نقل کئے تھے لیکن ابھی ہم کو یہ دیکھنا باقی ہے کہ اُنھوں نے ستیارتھ پرکاش میں جہاں نکاح ثانی کی جگہ نیوگ کو تجویز کیا ہے وہاں نیوگ کی پوری تعریف اور مکمل ماہیت کیا بیان کی ہے۔ ستیارتھ پرکاش کے مستند اردو ترجمہ کے (جس کو آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب نے آریہ پستکالہ لاہور کے لئے یونین اسٹیم پریس لاہور میں چھپوایا ہے) صفحہ ۱۳۰ سے صفحہ ۱۳۹ تک نیوگ کا بیان ہے انہیں صفحات سے غیر ضروری

باتوں کو چھوڑ کر نیوگ کے متعلق ضروری باتیں لکھی جاتی ہیں۔ یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ ستیارتھ
پرکاش سے ذیل کا اقتباس نہایت احتیاط اور نیک نیتی کے ساتھ کیا گیا ہے اور مدعا صرف
یہ ہے کہ سوامی دیانند صاحب سرستی نے ستیارتھ پرکاش کے ذریعہ نکاح ثانی کی جگہ جو چیز تجویز
کی ہے اُس چیز یعنی نیوگ کی حقیقت و ماہیت سے اس کتاب کے پڑھنے والے واقف ہو کر صحیح فیصلہ
کر سکیں کہ دونوں میں کونسی چیز معقول اور کونسی غیر معقول ہے۔ ستیارتھ پرکاش میں تقسیم مضامین
دوسری طرح ہے اور اکثر سوال وجواب کے طور پر مطالب کو بیان کیا گیا ہے۔ میں نے اختصار
کو مدنظر رکھ کر صرف نفس مضمون لے لیا ہے اور ہر مضمون پر سلسلہ وار جُدا جُدا نمبر ڈال دیئے ہیں
تاکہ مطلب کے ذہن نشین ہونے میں آسانی ہو۔ ستیارتھ پرکاش کی عبارت میں بعض الفاظ کسی
قدر ثقیل اور اصطلاحیں کسی قدر بعید الفہم معلوم ہوئیں لہذا میں نے اُن الفاظ اور اُن اصطلاحوں
کو اُردو زبان کی شان قایم رکھنے اور مضمون کے قریب الفہم بنانے کے لئے عام فہم اُردو الفاظ
میں تبدیل کر دیا ہے۔ مثلاً ستیارتھ پرکاش میں نیوگ کرنیوالے مرد کو بیرج داتا اور نیوگ کرانے
والی عورت کو نیکتا لکھا ہے۔ میں نے بیرج داتا اور نیکتا کی جگہ لفظ نیوگ کی رعایت سے نیوگی
اور نیوگن لکھ دیا ہے۔ اِسی طرح رتو دان اور گربھا دہان کی جگہ میں نے لفظ ہمبستری اور
برہمچریہ کی جگہ حالتِ تجرد لکھ دیا ہے۔ نیوگ کے جواز کی نسبت جہاں سوامی جی نے سناتن دھرم
والوں کی بزرگ عورتوں کے نام لکھے ہیں کہ فلاں فلاں عورت نے زمانہ قدیم میں نیوگ کرایا ہے
میں نے اُس حصّہ کو چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح لفظ دیور کے معنی بتائے ہیں یا بیوہ اور کنواری عورت
کا فرق نیوگ کے متعلق بتایا ہے اِس قسم کی باتوں کو غیر ضروری سمجھ کر نقل نہیں کیا گیا۔ اِسی طرح
کہیں کہیں صرف نفس مضمون کو ذرا بھی نقصان پہنچائے بغیر اپنے صاف اور قریب الفہم الفاظ میں
نقل کر دیا ہے۔ ہر نمبر پر ستیارتھ کے صفحہ کا حوالہ درج کر دیا ہے۔ ہر شخص ستیارتھ پرکاش کا مذکورہُ
بالا اڈیشن سامنے رکھ کر ذیل کے ہر ایک نمبر کی جانچ پڑتال کر سکتا ہے اور اس کو معلوم ہو سکتا ہے
کہ میں نے مندرجہ ذیل اقتباس میں کوئی بھی بیجا تصرف نہیں کیا اور نفس مضمون کو رتی برابر
بھی نقصان نہیں پہنچا۔ ساتھ ہی میں اپنی کتاب کے مطالعہ کرنے والوں سے نہایت ادب
کے ساتھ معافی کا خواستگار ہوں کہ اُن کے سامنے ایسا مضمون پیش کیا گیا ہے جس کو وہ شاید
غیر مہذب قرار دیں لیکن میں مجبور تھا کیونکہ آئے دن آریہ سماجی لیکچراروں کی طرف سے
عقد ثانی پر تمسخرانہ انداز میں جلسوں کے اندر اعتراض کئے جاتے اور آریہ سماجی اصحاب ہی

بار بار مسلمانوں کو نکاح ثانی کے متعلق چھیڑتے رہتے ہیں۔ پس معترضین کی ایک بڑی تعداد کو اسی طرح سمجھایا اور حقیقت آشنا بنایا جا سکتا ہے کہ آریہ سماج اور اسلام دونوں کی تعلیم پہلو بہ پہلو سامنے رکھ دی جائے اور مخالف و موافق دونوں کو صحیح طور پر غور کرنے کا موقع میسر آجائے اس لئے بھی اس جگہ نیوگ کے متعلق تذکرہ کرنا ضروری معلوم ہوا کہ آریہ سماج کی طرف سے نہ صرف عقد ثانی بلکہ طلاق اور تعدد ازدواج پر بھی سخت اور نامناسب لب ولہجہ میں اعتراضات ہوئے ہیں اور ان تینوں ضرورتوں کے لئے بانی آریہ سماج نے ایک ہی تدبیر یعنی نیوگ کو تجویز کیا ہے۔ اب نیوگ کے متعلق ستیارتھ پرکاش کا اقتباس ملاحظہ ہو۔ وہو ہذا۔

(۱) نیوگ کی حالت میں عورت اپنے فوت شدہ خاوند ہی کے گھر میں رہے (یعنی نیوگی کو نیوگ کرنے کے لئے نیوگن کے قیام گاہ پر آنا چاہئے نیوگن اس کے یہاں نہیں جائیگی) (صفحہ ۱۳۰)

(۲) نیوگ کرانے والی بیوہ عورت نے اگر اپنی ۶ عمل کو نیوگ کرایا ہے تو نیوگ سے پیدا شدہ لڑکے اس کے متوفی خاوند کے بیٹے سمجھے جائیں گے اُن کا خاندان یا گوت اسی فوت شدہ خاوند کا گوت اور خاندان ہوگا اور وہ اسی فوت شدہ کی جائداد کے وارث ہونگے۔ نیوگی سے کسی قسم کا کوئی تعلق اُن کو نہ ہوگا۔ (صفحہ ۱۳۱)

(۳) اگر نیوگی نے بیوہ عورت سے خود بچے حاصل کرنے کے لئے نیوگ کیا ہے تو بچے نیوگی کے سمجھے جائیں گے اور اُن بچوں کا خاندان نیوگی کا خاندان سمجھا جائیگا اور نیوگی ہی کی جائداد کے وارث ہونگے۔ نیوگن یعنی اپنی ماں کی جائداد سے اُن کو کوئی تعلق نہ ہوگا (صفحہ ۱۳۱)

(۴) نیوگی اور نیوگن کا تعلق صرف نیوگ کے عمل تک ہی ہوتا ہے اس کے بعد اُن دونوں میں کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایک دوسرے کے کاروبار۔ طرز رہائش۔ نفع نقصان۔ کارہائے خانہ داری وغیرہ میں کسی قسم کا کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ یعنی بالکل غیروں کی طرح بے تعلق ہوتے ہیں کسی کا کسی پر کوئی حق قایم نہیں ہوتا۔ اور ہمبستری کے محدود وقت کے علاوہ ایک دوسرے سے مل بھی نہیں سکتے (صفحہ ۱۳۱)

(۵) ایک نیوگن اپنے لئے ایک بیرج داتا سے صرف دو بچے پیدا کر سکتی ہے اور اُس کو اس طرح دس بچے حاصل کرنے کی اجازت ہے لہذا اُس کو ہر دو بچوں کے بعد نیا بیرج داتا انتخاب کرنا چاہئے۔ (صفحہ ۱۳۲)

(۶) اگر بیرج داتا خود بھی بچوں کا خواہاں ہو تو نیوگن دو اپنے لئے اور دو اُس کے لئے کل چار

نچے ایک ہی بیرج داتا یا نیوگی کے ذریعہ پیدا کر سکتی ہے (صفحہ ۱۳۲)

(۷) جب نیوگی اور نیوگن آپس میں نیوگ پر رضامند ہو جائیں تو اپنے خاندان کے مردوں اور عورتوں کے سامنے ظاہر کریں کہ ہم دونوں اولاد پیدا کرنے کے لئے نیوگ کرتے ہیں۔ جب نیوگ کا مدعا پورا ہو جائیگا تو ہمارا تعلق قطع ہو جائیگا (صفحہ ۱۳۳)

(۸) مہینہ میں ایک دفعہ ہمبستری کا کام کریں اور جب حمل رہجائے تو سال بھر تک جدا رہیں۔ (صفحہ ۱۳۳)

(۹) جس طرح عورت ایک مرد کے سوا دوسرے مرد سے شادی نہیں کر سکتی اسی طرح مرد ایک عورت کے سوا دوسری عورت سے شادی نہیں کر سکتا یعنی دونوں کے لئے نیوگ یکساں ہے (صفحہ ۱۳۴)

(۱۰) جیسے گیارہویں مرد تک عورت نیوگ کر سکتی ہے ویسے ہی مرد بھی گیارہویں عورت تک نیوگ کر سکتا ہے۔ (صفحہ ۱۳۶)

(۱۱) شادی شدہ مرد و عورت کو دس بچوں سے زیادہ نہیں پیدا کرنے چاہئیں اگر دس بچے پیدا ہو جانے کے بعد بھی وہ ہمبستری کرینگے تو پتت یعنی گرے ہوئے سمجھے جائیں گے۔ اسی طرح اگر نیوگ والے مرد و عورت دو یا چار بچے پیدا کرنیکے بعد بھی ہمبستری کرینگے یعنی عورت نئے مرد کو اور مرد نئی عورت کو تبدیل نہ کرینگے تو دھرم سے گرے ہوئے سمجھے جائیں گے (صفحہ ۱۳۷)

(۱۲) نیوگ بیوہ عورت ہی کا نہیں بلکہ سہاگن (خاوند والی عورت) کا بھی ہو سکتا ہے جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو تو خود عورت کو اجازت دے کہ اے نیکبخت تو کسی دوسرے مرد سے نیوگ کرا کر اولاد پیدا کر۔ عورت کو چاہیئے کہ وہ نیوگ کرائے مگر اس بیاہے عالی حوصلہ خاوند کی خدمت گذاری میں قصور نہ کرے (صفحہ ۱۳۷)

(۱۳) اگر بیاہا خاوند دھرم کی غرض سے غیر ملک میں گیا ہو تو بیاہی عورت آٹھ برس انتظار کرنے کے بعد کسی بیرج داتا سے نیوگ کرا کر اولاد پیدا کرے۔ جب وہ خاوند واپس آئے تو بیرج داتا (نیوگی) سے قطع تعلق کر کے پھر اصلی خاوند کے ساتھ بدستور رہنے لگے (صفحہ ۱۳۸)

(۱۴) اگر بیاہا خاوند علم و نیکنامی حاصل کرنے کے لئے غیر ملک میں گیا ہو تو بیاہی عورت چھ برس تک انتظار کرے پھر کسی بیرج داتا سے نیوگ کرا کر اولاد پیدا کرے۔ اور اصلی خاوند کی واپسی پر بیرج داتا سے جدا ہو جائے۔ (صفحہ ۱۳۸)

(۱۵) اگر بیاہا خاوند دولت وغیرہ کے لئے غیر ملک میں گیا ہو تو اُس کی بیاہی عورت صرف تین برس انتظار کرے۔ پھر کسی بیرج داتا سے نیوگ کرا کر اولاد پیدا کرے۔ جب اصلی خاوند واپس آئے تو بیرج داتا سے جدا ہو کر اُس کے پاس رہنے لگے۔ (صفحہ ۱۳۸)

(۱۶) اگر مرد نہایت تکلیف دہندہ ہو تو عورت کو چاہئے کہ اُس کو چھوڑ کر دوسرے مرد سے نیوگ کرا کر اولاد پیدا کرکے اُسی بیاہے خاوند کی وارث اولاد پیدا کرے۔ (صفحہ ۱۳۸)

(۱۷) اگر عورت کو حمل نہ ٹھہرے تو بیاہ سے آٹھویں برس اور اگر اولاد ہو ہو کر مر جائے تو دسویں برس اور لڑکیاں ہی پیدا ہوں لڑکا پیدا نہ ہو تو گیارہویں برس۔ اور اگر عورت بد زبان ہو تو جلدی ہی اُس عورت کو چھوڑ کر مرد کو چاہئے کہ دوسری عورت سے نیوگ کرکے اولاد پیدا کرلے (صفحہ ۱۳۸)

(۱۸) اگر حاملہ عورت سے ایک سال صحبت نہ کرنے کے عرصہ میں مرد سے یا دائم المرض مرد کی عورت سے نہ رہا جائے تو کسی سے نیوگ کرکے اُس کے لئے اولاد پیدا کردے (صفحہ ۱۳۹)

مندرجہ بالا تصریحات کسی حاشیہ یا ریویو کی محتاج نہیں ہیں نہ مندرجۂ بالا اقتباس سے یہ مدعا کہ آریہ سماجیوں کو کوئی رنج پہنچایا جائے۔ قارئین کرام سے توقع ہے کہ وہ ایک مرتبہ مندرجہ بالا نمبروں پر پھر نظر ڈال کر غور فرمالیں گے کہ اِس تعلیم سے کیا کیا نتائج پیدا ہو سکتے ہیں اور بنی نوع انسان اس تعلیم پر عامل ہونے کے لئے کہاں تک آمادہ کئے جاسکتے ہیں اور خود آریہ سماج اس تعلیم کو کہاں تک اپنا دستور العمل بنا سکی ہے اس بات کے معلوم ہونے سے سخت حیرت ہوتی ہے کہ آریہ سماج اپنی مندرجہ بالا تعلیم کے ہوتے اور قرآن مجید کی تعلیم پر اعتراض کرتی ہوئے بھی اپنی تعلیم اور سوامی دیانند صاحب کی ہدایت کے خلاف قرآن مجید ہی کی تعلیم پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہوئی ہے اور کثرت سے آریہ سماجی رانڈوں اور آریہ سماجی رنڈووں کا عقد ثانی ہو چکا ہے۔ مشہور مورخ الفنسٹن اپنی تاریخ ہند میں ویدک اصول ازدواج پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ۔

"بیاہ سے جو قوانین تعلق رکھتے ہیں اگرچہ بعض حصوں میں وحشیانہ دور کے سخت نشانات رکھتے ہیں۔ پھر بھی ایک نہایت کمزور ترین پارٹی کے لئے ناموزوں نہیں ہیں"

آریہ سماجیوں کی طرح عیسائیوں کی طرف سے بھی اسلام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اُس نے

طلاق کو جائز رکھا ہے۔ انجیل متی باب ۱۹ میں لکھا ہے کہ

"جو کوئی اپنی بیوی کو زناکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے۔ شاگردوں سے اُس نے کہا کہ اگر مرد کا بیوی کے ساتھ ایسا ہی حال ہے تو بیاہ کرنے سے کچھ فائدہ نہیں اُس نے اُن سے کہا کہ سب اس بات کو قبول نہیں کر سکتے مگر وہی جنہیں یہ قدرت دی گئی ہے کیونکہ بعض خوجے ایسے ہیں جو ماں کے پیٹ ہی سے ایسے پیدا ہوئے اور بعض خوجے ایسے ہیں جنہیں آدمیوں نے خوجہ بنایا اور بعض خوجے ایسے ہیں جنہوں نے آسمان کی بادشاہت کے لئے اپنے آپ کو خوجہ بنایا جو قبول کر سکتا ہے وہ قبول کرے۔"

آریہ سماج نے کسی حالت میں بھی طلاق کو جائز نہیں رکھا لیکن انجیل کے مندرجہ بالا بیان سے ثابت ہے کہ عیسائیت نے زناکاری کو مستثنیٰ کر دیا ہے یعنی عورت اگر زانیہ ہو جائے تو اُس کو طلاق دیدینی جائز ہے اور کسی حالت میں طلاق جائز نہیں۔ رہبانیت کو آریہ سماج اور عیسائیت دونو مذہب پسند کرتے ہیں۔ اسلام رہبانیت کو ناپسند کرتا اور طلاق کے معاملہ میں بھی بنی نوع انسان کو کسی تکلیف مالا یطاق میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا تعلیم اسلامی کی معقولیت کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ جس طرح آریہ سماجی تعلیم اس معاملہ میں آریہ سماجیوں کا دستور العمل نہیں بن سکی اسی طرح عیسائی بھی انجیل کی تعلیم پر عملدرآمد نہیں کر سکے اور یورپ کی عیسائی حکومتوں نے طلاق کے قوانین پاس کر کے خود انجیلی تعلیم کا ناقابل عمل ہونا ثابت کر دیا ہے نہ صرف انجیلی تعلیم کے ناقابل عمل ہوئی بلکہ اسلامی تعلیم کے معقول اور قابل تعلیم ہونے پر بھی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ آریا سماج نے کسی حالت میں بھی طلاق کو جائز نہیں رکھا اور اگر عورت بدزبان ہو تو دوسری عورت سے نیوگ کر لینے کا مشورہ دیا ہے۔ اب سوچنے اور غور کرنے کے قابل بات یہ ہے کہ جب عورت کے بدزبان ہونے سے مرد کو اور مرد کے بدزبان ہونے سے عورت کو اختیار دے دیا گیا ہے کہ وہ بول چال اور زناشوئی کے مخصوص تعلقات کو ترک کر کے دوسرے مرد اور دوسری عورت سے نیوگ کا عمل شروع کر دیں تو اس حالت میں معاشرت اور گھر کے حالات کی کیسی خطرناک صورت ہو جائیگی۔ فرض کرو ایک عورت بدزبان ہے اُس کے خاوند نے اُس سے ہمبستری چھوڑ دی اور دوسری عورت سے نیوگ کا عمل شروع کر دیا۔ اب یہ عورت

اگر اس بے تعلقی کے عالم میں زانیہ بنجائے تو اس میں دو عیب پیدا ہو گئے ایک بدزبان دوسرے زانیہ
پھر زانیہ ہونے کی حالت میں اُس کو اس برائے نام خاوند سے ہمدردی بھی نہیں ہو سکتی بلکہ وہ اپنے
اُسی یار کی ہمدرد ہوگی جس سے زنا کا تعلق ہے اندریں صورت یہ عورت جو بدزبان بھی ہے زانیہ بھی ہے
اور گھر کے مال و دولت کی بھی محافظ نہیں۔ مرد سے ہمدردی بھی نہیں رکھتی بلکہ اُس کی دشمن بن گئی ہے
پھر بھی آریہ سماجی تعلیم کی موافق وہ مرد ایسی نامعقول اور خطرناک عورت سے اپنا پیچھا نہیں چھوڑ سکتا بلکہ
اُس عورت کو مجبوراً وہ اپنے ہی گھر میں رکھیگا۔ اُسی کی کمائی سے وہ کھائے پیے گی اُسی کے بنائے
ہوئے کپڑے پہنے گی۔ اُسی کے گھر کی تمام اشیاء استعمال کریگی اور اُسی کی چھاتی پر مونگ دلیگی۔ اکثر
ایسی حالت سننے میں آجاتی ہیں کہ شادی شدہ عورتیں اپنے خاوند کی مرضی کے خلاف دوسرے
مردوں سے ناجائز تعلقات پیدا کرلیتی ہیں اور خاوند کو ان باتوں کی خبر بھی ہو جاتی ہے وہ منع کرتا
اور اپنی بیوی کو بدچلنی سے باز رکھنا چاہتا ہے مگر وہ نہیں مانتی اور سرتابی و بغاوت کا اظہار کرتی ہے
ایسی حالت میں آریا سماج کی تعلیم کے موافق ہر قسم کی بے غیرتی اور بے عزتی برداشت کرنے پر
خاوند مجبور ہے لیکن اُس عورت سے جو فاحشہ ہو گئی ہے قطع تعلق نہیں کر سکتا۔ علاوہ بدچلنی کے
اور سیکڑوں اسباب ایسے ہو سکتے ہیں جن کے سبب خاوند بیوی میں نفرت و عداوت پیدا ہو جاتی
ہے اور دمبدم یہ نفرت اور عداوت ترقی کرتی اور ناقابل اصلاح درجہ تک پہنچ کر دونوں کی
زندگی کو موت سے بدتر بنا دیتی ہے۔ ایسی حالت میں بھی اُن دونوں کو ایک دوسرے سے
قطع تعلق کر لینے کی اجازت نہ دینا اور طلاق کو ہر حالت میں قطعاً ناجائز ٹھہرانا بہت بڑا ظلم ہے
ایسی صورتوں میں اُن دونوں کے لئے سب سے زیادہ راحت رساں طلاق ہی ہو سکتی ہے
اسلام نے خاص طور پر ایسی شرطیں لگا دی ہیں کہ انسان طلاق پر آسانی آمادہ نہیں ہو سکتا۔
مہر زوجہ بھی طلاق کی ایک روک ہے۔ طلاق شرعی تین ہیں۔ ہر ایک طلاق ایک حیض کے بعد
ہونی چاہئے۔ یہ تین مہینہ کی میعاد بھی طلاق کے لئے روک ہے۔ اتنی مدت تک اختیار رجوع
کو باقی رکھنا اور بھی باعثِ اس کا ہو گیا کہ کسی عجلت۔ اشتعال۔ دھوکہ اور نادانی کو طلاق کے
معاملہ میں دخل ہی نہیں مل سکتا۔ طلاق پر دو گواہ ضروری ہیں اور یہ بھی اہل غیرت کے لئے
جو غیر پر اپنا پردہ کھولنا نہیں چاہتے طلاق کی روک ہے قرآن مجید میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے
اپنے صحابی زید سے فرمایا۔

اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ	اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور اُسے طلاق دینے میں

اللّٰہَ (سورۂ احزاب رکوع ۵)	خدا سے ڈر۔

لیکن سارے قرآن مجید میں مطلق ذکر نہیں کہ کسی کو طلاق دینے کا حکم دیا گیا ہو۔ قرآن مجید نے لازم ٹھہرایا ہے کہ ناچاقی و بدسلوکی کی حالت میں ایک .... شخص شوہر کے کنبہ کا اور ایک شخص بیوی کے کنبہ کا بطور ثالث مقرر ہوں اور یہ دونوں مل کر میاں بیوی کی شکایات سن کر اُن میں اصلاح کرادیں۔ یہ تدبیر بھی طلاق کی روک کے لئے ہے۔ انتہائی اور لاعلاج مجبوری کے عالم میں البتہ طلاق سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے ایک طرف تو الطلاق ابغض المباحات (یعنی مباح چیزوں میں طلاق مکروہ ترین چیز ہے) فرما کر طلاق دینے یا طلاق لینے کی جرأت و ہمت مرد و عورت سے سلب کرلی ہے دوسری طرف

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ (سورہ بقر رکوع ۳۱)	اگر تم بحالت مجبوری عورتوں کو طلاق دیدو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔

کا حکم سُنا کر مجبوری کی حالتوں میں مناسب طور پر طلاق کی اجازت بھی دیدی ہے۔ اسلام نے یہودیوں اور مشرکین عرب کی بے روک ٹوک طلاق پر بہت سی قیود بڑھادی ہیں۔ مسلمانوں میں طلاق کا استعمال شاذ و نادر ہی ہوتا ہے لیکن یورپ میں جو طلاق کے عدم جواز پر مفتخر ہے کوئی شہر اور کوئی محلہ ایسا نہ ملیگا جہاں طلاق کی دو چار مثالیں نہ مل سکیں۔ آج دنیا میں صرف یورپ ہی وہ براعظم ہے جہاں طلاق منظور کرنے والی جداگانہ مخصوص عدالتیں قایم ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے

وَالّٰتِي تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُّرِيْدَا إِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝ (سورۂ نسار رکوع ٦)	اور تم کو جن بیبیوں کی سرکشی کا اندیشہ ہو اُن کو پہلی دفعہ سمجھادو۔ پھر اُن کے ساتھ ہمبستری موقوف کرو اور اس پر بھی نہ مانیں تو اُن کو سزادو پھر اگر تمہاری بات ماننے لگیں تو تم بھی اُن پر ناحق کے چھدے رکھنے کے پہلو نہ ڈھونڈتے پھرو اللہ سب پر غالب اور بڑا زبردست ہے۔ اور اگر تم کو میاں بی بی میں کھٹ پٹ کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ مرد کے کنبہ میں سے مقرر کرو ایک پنچ عورت کے کنبہ میں سے اگر پنچوں کا دلی ارادہ میاں بی بی میں اصلاح کرادینے کا ہوگا تو اللہ اُن کے سمجھانے بجھانے سے دونوں میں موافقت کرادیگا اللہ سب کے ارادوں سے واقف اور خبردار ہے
إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ	جب تم اپنی بیبیوں کو طلاق دینی چاہو تو اُن کی عدت کے شروع

لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

(سورۃ الطلاق رکوع ۱)

میں طلاق دو اور طلاق کے بعد ہی سے عدت گننے لگو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو۔ عدت میں اُن کو اُن کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں مگر یہ کہ کھلم کھلا کوئی بیحیائی کا کام کر بیٹھیں تو اُن کو نکال دینے کا مضائقہ نہیں اور یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں اور جس شخص نے اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے قدم باہر رکھا تو اُس نے آپ ہی اپنے اوپر ظلم کیا اے شخص جو بی بی کو طلاق دیتا ہے تو نہیں جانتا شاید اللہ طلاق کے بعد ملاپ کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ پھر جب عورتیں اپنی عدت پوری کرنے پر آئیں تو یا تو رجوع کر کے سیدھی طرح اُن کو اپنی زوجیت میں رکھے رہو یا سیدھی طرح انکو رخصت کرو اور جو کچھ بھی کرو اپنے لوگوں میں دو معتبر آدمیوں کو گواہ کر لو۔ اور گواہو! گواہی کی ضرورت آپڑے تو اللہ کا پاس کر کے ٹھیک ٹھیک گواہی دینا یہ نصیحت کی باتیں اُن لوگوں کو سمجھائی جاتی ہیں جن کو اللہ اور یوم آخر کا یقین ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۤءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ

(سورہ بقر رکوع ۲۹)

اور جب تم نے عورتوں کو دوبارہ طلاق دے دی اور اُن کی عدت پوری ہونے کو آئی تو دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لو یا تو رجوع کر کے دستور کے مطابق اُن کو زوجیت میں رکھو یا تیسری طلاق دے کر اُن کو اچھی طرح رخصت کر دو اور ایذا دہی کے لئے اُن کو اپنی زوجیت میں نہ رکھنا کہ بعد کو اُن پر لگو زیادتی کرنے اور جو ایسا کریگا وہ کچھ اپنا ہی کھوئیگا۔

سلم الاسلام کے مصنف نے خوب لکھا ہے کہ "قرآن مجید انسان کی مجلسی اور مذہبی مشکلات کو حل کرنے کے لئے کسی دوسری کتاب یا کسی دوسرے قانون کا محتاج نہیں ہے بلکہ دیگر مذاہب بھی باوجود اپنی دینی کتب کے قرآن مجید کے بیان کردہ مسائل سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں اس کی ایک مثال لیجیے۔ قرآن مجید فرماتا ہے کہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ

وَاَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَۃِ وَاُمَّھٰتُ نِسَآئِکُمْ وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِکُمْ مِّنْ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِھِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَکُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِھِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ (سورۂ نساء رکوع ۴) یعنی تمہارے لئے مفصلہ ذیل عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے۔ (۱) تمہاری مائیں (۲) تمہاری بیٹیاں (۳) تمہاری بہنیں (۴) تمہاری پھوپھیاں۔ (۵) تمہاری خالائیں (۶) بھتیجیاں (۷) بھانجیاں (۸) تمہاری رضاعی مائیں (۹) اور تمہاری دودھ شریکی بہنیں (۱۰) تمہاری ساسیں (۱۱) اور جن بیبیوں کے ساتھ تم صحبت کر چکے ہو اُن کے پہلے خاوندوں کی لڑکیاں جو تمہاری گود میں پرورش پا رہی ہیں۔ اگر تم نے اِن بیبیوں کے ساتھ صحبت نہیں کی تو امر دیگر ہے (۱۲) تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں (۱۳) اور ایک ہی وقت میں دو بہنوں سے شادی کرنا بھی تمہارے لئے حرام ہے

اگر وید یا اناجیل اربعہ سے اس سوال کا جواب مانگا جائے کہ کن کن عورتوں سے شادی کرنا حرام ہے تو وہ اِس کا کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔ وید و اناجیل کو یا تو قرآن مجید سے اپنی اِس مشکل کو حل کروانا ہوگا یا اُن کو اپنے سے باہر جا کر کسی دوسری کتاب سے مدد لینی پڑیگی جس طرح مسیحی لوگوں کو اپنی شادی یا طلاق کے لئے گورنمنٹ سے قانون بنوانا پڑا ہے اسی طرح ہندوؤں کو بیوگان کی شادی کے لئے گورنمنٹ سے قانون پاس کروانا پڑا۔ برہموؤں کو سول میرج ایکٹ سے مدد لینی پڑی سکھوں کو آنند میرج ایکٹ بنوانا پڑا۔ مگر قرآن مجید اس قسم کے کسی مسئلہ کے حل کے لئے دنیا کی کسی گورنمنٹ کے دروازہ پر قانون بنوانے کے لئے نہیں جاتا۔ اس لئے کہ وہ اپنی ذات میں ایک مکمل قانون ہے اور وہ بیرونی مدد کا محتاج نہیں ہے۔ جن کتابوں کی تعلیم روزمرہ کی زندگی میں کام آنے والی نہ ہو۔ یا لوگ اُن کی تعلیم پر عمل نہ کرتے یا نہ کرسکتے ہوں۔ قرآن مجید نے ایسے مذہب اور ایسی مذہبی کتاب اور اُس کے ماننے والوں کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا (سورہ جمعہ رکوع ۱) یعنی ہر ایک ایسی کتاب جس کو لوگ سروں پر تو اُٹھائے پھرتے ہوں مگر وہ نہ تو اُس کے احکام پر عمل کرتے ہوں نہ اس کے احکام دستور العمل بنائے جانے کے لائق ہوں وہ کتاب اُٹھانیوالوں کو کوئی فائدہ نہیں دیسکتی بلکہ اُن لوگوں پر چارپایہ بروکتابے چند کی مثال صادق آتی ہے۔

تعدد ازدواج

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک بیوی سے اولاد نہیں ہوتی یا اگر ہوتی ہے تو زندہ نہیں رہتی یا صرف لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں ان مجبوریوں کے لئے آریا سماج نے

نیوگ کا نسخہ تجویز کیا ہے کہ مرد کسی دوسری عورت کو تلاش کر کے چار تک بچے پیدا کرے وہ اس عورت کے پاس رہیں گے اور دو اپنے حصہ کے لے آئے پھر کسی اور عورت کو تلاش کر کے دو بچے اس سے حاصل کرے اسی طرح دس تک بچے مختلف عورتوں سے جنوا کر اور دو دو تین تین برس تک انہی عورتوں سے مفت میں پرورش بھی کرا کر لے آئے۔ پھر ان عورتوں کو اس مرد اور اپنے پرورش کئے اور جنے ہوئے بچوں سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اس شخص کی بیاہتا بیوی ان باہر کے آئے ہوئے بچوں کو اپنا بچہ سمجھیگی اور وہ بچے اس کو اپنی ماں یقین کرینگے۔ مگر اسلام تجویز کرتا ہے کہ وہ مرد اگر چاہے تو کسی دوسری عورت سے بھی شادی کر سکتا ہے اور اس دوسری بیوی کے بھی وہی حقوق ہونگے جو پہلی کے ہیں لیکن وہ یہ نہیں کر سکتا کہ دوسری عورتوں سے عارضی تعلقات پیدا کرے۔ کیونکہ یہ تو بڑی بیحیائی کی بات ہے۔ اسلام نے ایک مرد کو ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی اجازت دی ہے۔ اس سے زیادہ کی نہیں۔ معترضین بالخصوص آریہ سماجی لوگ اعتراض کرتے ہیں۔

"ایک سے زیادہ چار تک بیویوں کی اجازت سے عورتوں پر ظلم ہوتا ہے۔ عیش پسندی کی ترغیب ہوتی ہے۔ اعتدال اسی میں ہے کہ ایک مرد کے لئے ایک ہی عورت ہو"

یہ اعتراض بھی عقد ثانی اور طلاق والے اعتراض کی طرح محض جہالت سے پیدا ہوا ہے۔ اسلام نے جہاں چار تک اجازت دی ہے وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا ہے کہ۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (سورۂ نساء رکوع ۱)	اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ کئی بیویوں میں برابری کے ساتھ برتاؤ نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی ہونی چاہئے۔

یعنی ایک سے چار تک بیویوں کی محض اجازت ہے اور وہ بھی شرط کے ساتھ۔ حکم نہیں ہے۔ اور ہر شخص کے لئے اجازت بھی نہیں ہے لیکن اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ فارغ البال تندرست اور خوشحال لوگوں کو بعض اوقات اولاد کے نہ ہونے یا دوسرے اسباب کی بنا پر ایک سے زیادہ بیویوں کی جائز ضرورت ہوتی ہے۔ جن لوگوں کے قویٰ بھی زبردست ہیں، روپیہ پیسہ بھی بافراط موجود ہے جائداد (جس کی حفاظت کا سوامی جی کو سب سے زیادہ خیال ہے) بھی کافی ہے۔ ایسی حالت میں ان کا کئی شادیاں کر لینے سے ان کو یا انکی بیویوں کو کسی قسم کی تکلیف بھی نہیں ہوتی جیسا کہ تجربہ شاہد ہے کسی قسم کی بیحیائی میں بھی مبتلا نہیں ہونا پڑتا۔ ایسے

شخصوں کو اگر دوسری شادی سے روکا جائے تو وہ زناکاری اور بدچلنی میں مبتلا ہو کر اپنی صحت خاندان کی عزت اور مال و دولت کو برباد کر دیتے ہیں۔ تعدد ازواج سے اُن کی ہر طرح حفاظت ہو جاتی ہے۔ اسلام نے یہ نہیں کہا کہ ہر شخص جس کو نان نفقہ کی استطاعت ہو یا نہ ہو۔ اُس کے قویٰ اجازت دیں یا نہ دیں۔ عدل و مساوات قایم رکھ سکے یا نہ رکھ سکے وہ ضرور ہی چار شادیاں کرے۔ چنانچہ مسلمانوں کا تعامل اس پر شاہد ہے جس اسلامی بستی میں چاہو تحقیق کر لو عام طور پر مسلمان ایک ہی بیوی پر قانع رہتے ہیں بہت ہی کم ایسے ہونگے جو ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے ہوں گے۔ اسلام سے پیشتر دنیا کے ہر ملک اور ہر خطہ میں کثرتِ ازواج کی رسم خوب زور شور سے رائج تھی اور ایک ایک شخص بعض اوقات سو سو تک عورتوں سے شادیاں کر لیتا تھا۔ اسلام نے سب سے پہلے اس رسم کو مٹایا اور بیویوں کی تعداد کو گھٹا کر چار تک محدود کیا۔ اسلام نے یہ نہیں کیا کہ پہلے ایک مرد ایک ہی بیوی سے شادی کرتا تھا اور اُس نے اُس کے اختیار کو وسیع کر کے چار تک کے لئے حکم دیا ہو۔ بلکہ لوگ دس دس بیس بیس اور سو سو تک بیویاں رکھتے تھے اسلام نے اُن کے اس اختیار کو گھٹایا اور کم کر کے چار تک جائز رکھا۔ یہ بات بھی سوچنے کے قابل ہے کہ ایک مرد ایک سال میں دس یا بیس عورتوں سے ہمبستر ہو کر دس یا بیس بچے پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن ایک عورت دس یا بیس مردوں سے ہمبستر ہو کر ایک سال میں ایک سے زیادہ بچے پیدا نہیں کر سکتی۔ اندریں صورت اگر کسی قوم کو اپنی تعداد بڑھانی منظور ہو یا عام طور پر بنی نوع انسان کی افزایشِ نسل مدنظر ہو تو سب سے بہتر تدبیر یہی ہو سکتی ہے کہ ایک ایک مرد کئی کئی شادیاں کرے اور اس طرح بہت سی اولاد پیدا ہو۔ دنیا میں ہمیشہ عورتوں کی تعداد مردوں سے بڑھی ہوئی پائی گئی ہے اور مردم شماری کے نقشوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے قابل کنواری یا بیوہ عورتوں کی تعداد قابلِ شادی مردوں سے ضرور زیادہ ہوتی ہے۔ ایک ایک مرد کے لئے ایک ایک عورت تجویز ہو کر جو باقی عورتیں بچیں گی اُن کے لئے سوائے اس کے اور کوئی صورت تجویز نہیں کیجا سکتی کہ مردوں میں جو صاحب استطاعت اور ضرورتمند ہوں اُن کو اجازت دیجائے کہ وہ ایک ایک سے زیادہ بیویاں رکھ کر عورتوں کی اُس بیشی کو پورا کر دیں نیوگ کے ذریعہ اس کا کوئی علاج ممکن نہیں۔ فرض کرو کسی شہر یا قوم میں سو بیوہ عورتیں اور سو رنڈوے مرد ہیں۔ اس حالت میں سو رنڈوے اُن سو بیوہ عورتوں سے اسلامی تعلیم کے موافق اگر شادیاں کر لیں تو کوئی ہرج واقع نہیں ہو سکتا۔ لیکن سوامی دیانند صاحب فرماتے ہیں کہ اس

حالت میں بھی ایک ایک رنڈوا کئی کئی بیواؤں سے اور ایک ایک بیوہ کئی کئی رنڈوؤں سے ہمبستر ہوتے ہوئے پھر اگریں رنڈوے رنڈوے ہی رہیں اور بیوائیں بیوہ ہی رہیں۔ اور کئی کئی مردوں اور کئی کئی عورتوں کے نطفوں سے پیدا شدہ بچے ایک شخص کی اولاد سمجھی جائیں۔ غرض کہ خاندانوں کا اس عجیب و غریب طریقے سے ایسا معجون مرکب تیار ہو جس کے اجزا کو الگ الگ شناخت کرنا غیر ممکن ہو جائے۔ اسلامی تعلیم تو اُن بیواؤں کے نان نفقہ کا معقول بندوبست بھی کر دیتی ہے لیکن سوامی جی ان بیواؤں کو کئی کئی مردوں کے بستر پر پہنچوا کر بھی بے والی دبے سرپرست ہی رکھتے ہیں سوچنے والے سوچیں اور غور کرنیوالے غور کریں کہ زنا کی گرم بازاری اور شہوت بہیمیہ کا جوش کس حالت میں پیدا ہو سکتا اور کس حالت میں زناکاری کا سدباب ہو سکتا ہے۔ بہرحال ہم کو تسلیم کر لینا چاہیئے کہ سوامی دیانند صاحب نے بھی ایک ترکیب بتا دی ہے۔ اب فرض کرو کہ کسی قوم یا شہر میں سو رنڈوے اور ڈیڑھ سو رانڈیں موجود ہیں اس حالت میں کہ پچاس بیوہ عورتیں زیادہ ہیں سوامی جی کوئی تدبیر نہیں بتاتے کیونکہ سو رنڈوے سو ہی بیواؤں سے نیوگ کر سکتے ہیں جس طرح ایک عورت گیارہ مردوں سے ہمبستر ہو سکتی ہے اسی طرح ایک مرد گیارہ عورتوں سے ہمبستر ہو سکتا ہے یعنی دونوں کے حقوق اِس معاملہ میں مساوی ہیں۔ سوامی جی کے اصول کے موافق یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ سو رنڈوے ڈیڑھ سو بیواؤں کو استعمال کر سکیں۔ مگر اسلام نے تعدد ازدواج کو جائز قرار دیکر ایک معقول تجویز بتا دی ہے۔ اب رہی تیسری حالت کہ بیوہ عورتیں کم ہوں اور رنڈوے مرد زیادہ ہوں تو یہ صورت اول تو دنیا میں پیش نہیں آتی اور اگر آئے تو اسلام نے کم استطاعت اور مفلس مردوں کے لیے جو بیوی کے نان و نفقہ کا بار برداشت نہ کر سکتے ہوں یا اپنی ناداری اور افلاس کے سبب کسی عورت کو اپنے ساتھ شادی پر رضامند نہ کر سکتے ہوں نفلی روزے رکھنا تجویز کر کے نہایت ہی معقول اور منصفانہ بندوبست فرما دیا ہے۔ اس طرح ایک طرف حالت تجرد میں رہنے والے مردوں سے کسی قسم کی بیحیائی اور بدچلنی کا ارتکاب نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف عورتیں افزائش نسل انسانی کے لئے بہترین اور موزوں گھروں میں جگہ پائیں گی۔ مگر ایسی حالت پیدا ہو جانے پر دوسرے مذاہب مجبور ہیں اور خاموش۔

اسلامی تعلیم کی خوبی کا اقرار ساری دنیا نے عملی طور پر کیا ہے اور قوموں نے اپنی بقا و حفاظت کے لئے عموماً تعدد ازدواج ہی کا سہارا لیا ہے۔ اِس سے بڑھ کر اور کسی ثبوت کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب کبھی عظیم الشان لڑائیاں پیش آتی ہیں تو مرد ہی زیادہ مارے جاتے ہیں اور قوم میں

عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے اُس وقت خواہ کسی مذہب نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو اسی
اسلامی اصول کی طرف لوگوں کی نگاہیں اُٹھ جاتی ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے کہ جنگ عظیم کے بعد
جرمنی اور دوسرے یورپی ممالک جن کا مذہب عیسائی ہے (عیسویت بھی تعدد ازدواج کی اجازت
نہیں دیتی) تعدد ازدواج کے جواز پر فتوے تیار کر رہے تھے۔ تعدد ازدواج پر عیش پسندی کا اعتراض
کرنا بھی بڑی بیوقوفی کی بات ہے۔ اگر نیوگ صرف اولاد کے لئے کیا جاتا ہے اور اُس پر عیش پسندی
کا اعتراض وارد نہیں ہوتا تو تعدد ازدواج پر کیسے اعتراض ہو سکتا ہے۔ نیوگ میں تو مرد پر عورت
کے کوئی حقوق بھی قایم نہیں ہوتے لیکن اسلام نے تو مردوں پر عورتوں کے اس قدر حقوق قایم
کر دیے ہیں کہ ایک آزاد نیوگی شادی شدہ مسلمان کو اپنے نزدیک مبتلائے مصیبت تصور کرتا ہوگا
ایسے شخص کا کیا مُنہ ہے کہ وہ کسی مسلمان کے لئے عیش پسندی کے الزام کو زبان تک بھی لائے
بہت سے انگریز محققین نے تعدد ازدواج پر خامہ فرسائیاں کی ہیں اور اسلام کے تعدد ازدواج کو
سراسر حق بجانب اور درست ثابت کیا ہے۔ جون ڈیون پورٹ صاحب نے ایک مستقل باب
اِسی مضمون پر اپنی کتاب میں لکھا اور تمام اقوام۔ سابقہ مذاہب اور عیسائی مشاہیر کے تعدد
ازدواج کو دکھایا ہے لیکن میں اس وقت ڈاکٹر گستاولی بان فرانسیسی کی عبارت کا خلاصہ
اُنہی کے الفاظ میں تمدن عرب سے نقل کرتا ہوں جو یقیناً خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ وھو ہذا۔

"تعدد ازدواج کی نسبت بہت ہی غلط خیالات پھیلے ہوئے ہیں اور اُس کی تصویر
بیحد خلاف واقع دکھلائی جاتی ہے۔ ہم اپنے یورپی تعصبات کو الگ رکھ کر دیکھیں
تو مشرقی تعدد ازدواج کی رسم ایک نہایت ہی عمدہ نظام معاشرت ہے جس نے
ان اقوام کو جن میں یہ جاری ہے اخلاقی ترقی کے اعلیٰ درجہ تک پہنچایا ہے اور
اُن کے تعلقات خانگی کو مستحکم کیا ہے اور اس رسم کا نتیجہ یہ ہے کہ بمقابل یورپ
کے مشرق میں عورتوں کا اعزاز بھی زیادہ ہے یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ تعدد
ازدواج کی رسم اسلام میں بالکل علیحدہ ہے کیونکہ یہ قبل آنحضرت صلعم کے کل اقوام
مشرقی۔ یہودی۔ ایرانی۔ عربوں وغیرہ میں موجود تھی۔ جن اقوام نے مذہب اسلام
کو قبول کیا اُنہیں خاص اس معاملہ میں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس وقت تک
کوئی مذہب دنیا میں ایسا قوی نہیں ہوا ہے جو اس قسم کی رسومات کو جیسے تعدد
ازدواج کی رسم ہے ایجاد یا موقوف کر سکے۔ یہ رسم محض نتیجہ ہے مشرقی آب و ہوا اور

قومی خصائص کا۔ یہ ایسے ظاہری اسباب ہیں جن پر اصرار کرنے کی ضرورت نہیں عورتوں کی خاص فطرت۔ اُمیت کی خاص ضرورت اور اُن کے امراض وغیرہ اُنھیں مجبور کرتے ہیں کہ وہ اکثر اپنے شوہروں سے علیحدہ رہیں اور یہ چندروزہ علیحدگی بھی مشرقی آب و ہوا اور جبلت قومی کی وجہ سے ناممکن تھی۔ پس تعدد ازدواج لازمات سے ہوگیا۔ مغرب میں بھی جہاں آب ہوا اور فطرت دونوں کا تقاضا اس رسم کی طرف اس قدر نہیں ہے ایک ہی شادی کی رسم کا وجود صرف کتابوں ہی میں ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی شخص انکار نہ کریگا کہ یہ رسم ہماری واقعی معاشرت میں نہیں پائی جاتی مجھے نہیں معلوم ہوتا کہ مشرقیوں کا جائز تعدد ازواج کس امر میں مغربیوں کے ناجائز تعدد ازدواج سے کم تر سمجھا جاتا ہے بلکہ میں کہونگا کہ اول کو ہر طرح دوسرے پر ترجیح ہے۔ موسیو لیلے اپنی کتاب "مشرقی اقوام مزدوری پیشہ" میں کاشتکاروں کے تعدد ازدواج کی ضرورت کو دکھاتے ہوے ثابت کرتے ہیں کہ نہ فقط یہ رسم ضرورت کی وجہ سے قایم ہوئی ہے بلکہ خود عورتیں بعوض ناراض ہونے کے اپنے شوہروں کو باصرار دوسری شادی پر آمادہ کرتی ہیں اسی محقق نے یہ بھی دکھایا ہے کہ اس قسم کے تعدد ازدواج سے بیبیوں میں باہم کسی طرح کی رقابت یا عداوت نہیں ہوتی البتہ ہمارے یورپ کے تعصبات کی وجہ سے ہمیں یہ امر محال معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ محض اس وجہ سے ہے کہ ان رسوم کو ہم اپنے ہی خیالات کے مطابق جانچتے ہیں اور اُن اقوام کی نظر سے نہیں دیکھتے جن میں یہ جاری ہیں۔ اسلام نے محض رسم تعدد ازدواج کو جو پہلے سے چلی آتی تھی قبول کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اُس نے مشرقی عورتوں کی حالت پر بہت کچھ مفید اثر ڈالا بعوض اُن کو ذلیل کرنے کے جیسا کہ آج کل بے سمجھے بوجھے کہہ دیا جاتا ہے اُس نے عورتوں کی تمدنی حالت اور اُن کے درجہ کو بہت کچھ ترقی دی۔ مثلاً قرآن کے احکام وراثت جن کا بیان اوپر ہو چکا ہے بمقابل قانون یورپ کے عورتوں کے حق میں بہت زیادہ مفید ہیں۔ قرآن نے بیشک مثل کل قوانین یورپ کے جن میں طلاق جائز کی گئی ہے اُنہیں علیحدہ کرنے کی اجازت دی ہے لیکن ان احکام طلاق میں صریحًا اصرار کیا گیا ہے کہ مطلقہ عورتوں کے ساتھ منصفانہ

برتاؤ کیا جائے۔ عورتوں کی حالت پر اسلام کے اثر کو دریافت کرنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ ہم معلوم کریں کہ قبل از اسلام اُن کی کیا حالت تھی۔ جو برتاؤ عورتوں کے ساتھ قبل از اسلام ہوتا تھا اُس کا پتہ ہمیں قران کے بعض احکام نواہی سے ملتا ہے۔ (دیکھو سورۂ نسار رکوع ۴) اِن احکام نواہی سے معلوم ہوگا کہ جن اقوام کے لئے اِن احکام کی ضرورت پڑی اُن کا اخلاق کیسا تھا۔ لیکن جب یہ امر ہمارے مدنظر ہے کہ زمانۂ قدیم میں کل اقوام سمیاطیقی کے اطوار ایسے ہی تھے تو ہم اعراب جاہلیت کو زیادہ سخت نظروں سے نہیں دیکھ سکتے۔ وہ احکام نواہی جو توراۃ کی کتاب احبار کے اٹھارویں باب کی چھٹی آیت سے اٹھارویں آیت تک درج ہیں بجنسہ اِن احکام کے مماثل ہیں اور اُن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُن سے قبل کی حالت اخلاق نہایت ہی ابتر تھی۔ زمانہ جاہلیت میں عورتیں انسان اور حیوانات کے درمیان ایک قسم کی مخلوق سمجھی جاتی تھیں جن کا مصرف محض ترقی نسل اور مردوں کی خدمت۔ لڑکیوں کا پیدا ہونا ایک بدنصیبی خیال کی جاتی تھی اور اُن کو زندہ دفن کردینے کی رسم بہت ہی عام تھی۔ یہ دفن کردینے کا حق اُسی طرح حاصل تھا جیسے کتیا کے جھول کو پانی میں ڈبو دینے کا۔ موسیو کوسان دی پرسوال نے آنحضرت (صلعم) اور قیس شیخ بنی تمیم کے مکالمہ کو نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کا خیال لڑکیوں کے بارہ میں کیسا تھا۔ آنحضرت (صلعم) اُس وقت ایک لڑکی کو زانو پر بٹھائے کھلا رہے تھے۔ قیس نے پوچھا کہ "یہ کس جانور کا بچہ ہے جسے آپ کھلا رہے ہیں" آنحضرت (صلعم) نے جواب دیا "یہ میرا بچہ ہے"۔ قیس نے کہا "باللہ العظیم میرے بہت ایسی لڑکیاں ہوئیں لیکن میں نے اُن سب کو زندہ دفن کردیا اور کسی کو بھی نہ کھلایا"۔ آنحضرت (صلعم) نے فرمایا "اے بدبخت معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل میں کسی قسم کی محبت انسانی نہیں پیدا کی تو اک نعمت عظمیٰ سے جو انسان کو دی گئی ہے محروم ہے"۔ اگر ہم معلوم کرنا چاہیں کہ اسلام نے عورتوں پر کیا اثر ڈالا تو ہمیں تمدنِ اسلامی کے زمانہ میں اُن کی حالت کو دیکھنا چاہیئے۔ تمدن اسلام میں عورتوں کو بالکل وہی مرتبہ دیا گیا جو انہیں بہت دنوں بعد یورپ میں حاصل ہونیوالا تھا۔ یعنی بعد اُسکے کہ اندلس کے عربوں کا سپاہیانہ برتاؤ

یورپ میں جاری ہوا ہم دیکھ چکے ہیں کہ اہل یورپ میں سپاہیانہ اخلاق جس کا ایک بڑا جزو عورتوں کا برتاؤ تھا عربوں سے آیا اور وہ عیسائی مذہب نہ تھا جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے بلکہ اسلام تھا جس نے عورتوں کو اُن کی اُس وقت کی گری ہوئی حالت سے ترقی دی۔ تمدن عرب کے زمانہ عروج میں عورتوں کا اعزاز اس سے بھی ثابت ہے کہ اُن میں بکثرت پڑھی لکھی اور علوم ادب میں ماہر عورتیں پائی جاتی تھیں۔ یونانی عموماً عورتوں کو ایک کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے جن کا مصرف صرف خانہ داری اور ترقی نسل تھا اگر کسی عورت کا بچہ خلاف فطرت پیدا ہوتا تو اُس عورت کو مار ڈالتے تھے۔ موسیو تراپ لنگ لکھتے ہیں کہ "اسپارٹا میں اُس بدنصیب عورت کو جس سے کسی قوی سپاہی کے پیدا ہونے کی اُمید نہ ہوتی تھی مار ڈالتے تھے" وہی مصنف لکھتا ہے کہ "جس وقت کسی عورت کا بچہ ہو چکتا تھا تو فوائد ملک کی غرض سے اُسے دوسرے شخص کی نسل لینے کے لئے اُس کے خاوند سے عاریۃً لے لیتے تھے" یونانی اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ تمدن کے زمانہ میں بھی بجز طوائف کے کسی عورت کی قدر نہیں کرتے تھے اور اسی وجہ سے بجز ان طوائفوں کے اور عورتوں میں کسی قسم کی تعلیم و تربیت نہ تھی۔ زمانۂ قدیم کے کل قوموں نے عورتوں کے ساتھ ایسی ہی سختی کی ہے۔ ہندوؤں کا قانون کہتا ہے "تقدیر۔ طوفان۔ موت جہنم زہر۔ زہریلے سانپ۔ ان میں سے کوئی اس قدر خراب نہیں ہے جتنی عورت" کتاب مقدس (بائبل) بھی کچھ اس سے کم سخت نہیں ہے اس میں بھی لکھا ہے کہ "عورت موت سے زیادہ تلخ ہے"۔ عہد قدیم کے باب واعظ میں لکھا ہے "جو کوئی خدا کا پیارا ہے وہ اپنے کو عورت سے بچائیگا ہزار آدمیوں میں میں نے ایک خدا کا پیارا پایا ہے۔ لیکن تمام عالم کی عورتوں میں ایک عورت بھی ایسی نہیں پائی جو خدا کی پیاری ہوتی"۔ مختلف اقوام کی امثال بھی عورتوں پر کچھ زیادہ مہربان نہیں ہیں چینیوں میں مثل ہے "اپنی بی بی کی بات تو سُننی چاہئے لیکن اُس پر ہرگز یقین نہ کرنا چاہئے"۔ روسی مثل ہے "دس عورتوں میں ایک روح ہوتی ہے" اطالیوں کا قول ہے "گھوڑا اچھا ہو یا بُرا اُسے مہمیز کی ضرورت ہے عورت اچھی ہو یا بُری اُسے مار کی ضرورت ہے" اسپینی زبان میں مثل ہے "بُری عورت سے بچنا چاہئے مگر

اچھی صورت پر کبھی بھروسا نہ کرنا چاہیے" ہنود۔ یونانی۔ رومی اور اقوام حال کے کل قوانین نے عورت کو لونڈی یا طفل نابالغ تصور کیا ہے۔ منو کا قانون کہتا ہی کہ "عورت صغر سنی میں باپ کی مطیع ہے جوانی میں شوہر کی اور شوہر کے بعد اپنے بیٹوں کی اور اگر بیٹے نہ ہوں تو اپنے اقربا کی کیونکہ کوئی عورت ہرگز اس لایق نہیں کہ خود مختار طور پر زندگی زندگی بسر کر سکے"۔ روم میں مرد کی حکومت اپنی بی بی پر جابرانہ تھی اور شوہر کو پورا حق اُس کی جان پر بھی حاصل تھا۔ یونان کے قانون میں عورتوں کو کسی قسم کا حق حاصل نہ تھا یہاں تک کہ حق وارثت بھی نہیں دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر ایزام بیر لکھتے ہیں "یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مشرقیوں میں عورتوں کی بداطواری یا بے وفائی سے اس قدر خانہ بربادی ہوتی ہے جیسے یورپ میں جہاں طرز معاشرت کا اثر عورتوں پر تعدد ازدواج سے بمدارج بدتر ہے" میں اس قدر اور کہنا چاہتا ہوں کہ اُن اقوام میں جن میں ایک شادی کی رسم ہے منکوحہ عورتوں کی بیوفائی برابر زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ مثلاً جو تختہ جات مشتہر کیے گئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ فرانس میں سنہ ۱۸۸۰ء میں زناکاری کے ایسے مقدمات جن کا پتہ لگا ہے (جن کا پتہ نہیں لگا اُن کا ذکر نہیں) بمقابل سنہ ۱۸۲۶ء کے تعداد میں نوگنی تھے" (ختم ہوا اقتباس تمدنِ عرب مصنفہ ڈاکٹر گستاولی بان فرانسیسی کا)

تعدد ازدواج کے متعلق غالباً اب کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ صرف اِسی قدر دوبارہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قران شریف نے انسانی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے تعدد ازدواج کو جائز رکھا ہے۔ منجملہ اُن ضرورتوں کے ایک یہ بھی ہے کہ اکثر صورتوں میں تعدد ازدواج سے نسل باقی رہجاتی ہے۔ افزایش نسل کے لیے تعدد ازدواج ہی بہترین اور معقول تدبیر ہے نہ نیوگ کہ ایک عورت دوسرے دس مردوں سے مُنہ کالا کرائے یا ایک مرد دوسری دس عورتوں سے مُنہ کالا کرے اور پھر جو بچے پیدا ہوں وہ مرغیوں کے بچوں کی طرح نصفا نصف بانٹ لئے جائیں۔ ممکن ہے کہ آریہ سماجی اِس نیوگ والی تجویز کو زیادہ پسند کرتے ہوں لیکن اُن کے خلاف اور ہمارے موافق سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنی قوم وبرادری میں آج تک نیوگ کی اس رسم کو مروج نہیں کر سکے اور اُن کی قوم کا مجموعی طرز عمل بتا رہا ہے کہ خود آریا سماجیوں کی فطرت نیوگ کی رسم کو دونوں ہاتھوں سے دھکے دے رہی ہے۔ یہ دوسری بات

ہے کہ چوری چوری کہیں اس قسم کے حادثے وقوع پذیر ہوئے ہوں اور ہمارے کانوں تک اُن کی شہرت نہ پہنچی ہو۔ یوں تو زنا کے واقعات بھی دنیا میں ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن زنا کو کسی شریف اور مشہور قوم میں رسم و رواج کی حیثیت اور علانیہ عملدرآمد میں داخل ہونے کا مرتبہ حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح نیوگ آریوں یا ہندوؤں کے کسی شہر کسی قصبہ کسی گاؤں اور کسی قوم و نسل میں علانیہ مروج نہیں سنا گیا۔ بخلاف اس کے تعدد ازواج مسلمانوں کے ہر ملک۔ ہر قوم اور ہر زمانہ میں برابر پایا جاتا رہا ہے اور پایا جاتا ہے۔ کوئی خرابی اور کوئی مضرت اُس کی نہ کبھی پائی گئی نہ ثابت کیجا سکی۔

آنحضرت صلعم کی ذات مبارک پر حملۂ بیجا کا جواب

نوع انسان کی عجائب پرستی اور ضعیف الاعتقادی نے ہر نبی کی نسبت اُس نبی کے بعد ہمیشہ غیر معمولی اور خارق عادت تصورات قایم کرلئے۔ بعض اوقات گذر جانیوالے نبیوں کی نسبت اُن کے پیرووں نے یہاں تک خوش اعتقادی اور مبالغہ سے کام لیا کہ اُن کو خدا کا بیٹا اور خدا تک مان لینے میں تامل نہیں کیا۔ ہندوستان میں کرشن و رامچندر کو لوگوں نے خدا مانا تو ایران میں زرتشت کو مظہر یزداں جانا۔ یہودیوں نے رات بھر یعقوب علیہ السلام کو خدا سے بلا استعارہ کشتی لڑوائی تو ہمارے زمانہ کے بعض مشرکانہ عقائد رکھنے والوں نے کسی پیر یا ولی کی انگلی سے ملک الموت کی ایک آنکھ پھوڑوائی۔ عیسائیوں نے مسیح ابن مریم کو بلا استعارہ خدا کا اکلوتا بیٹا بنادیا تو ہندوؤں نے اپنے بہت سے بزرگوں کو پرمیشور کا اوتار قرار دیا۔ فطرت انسانی کی اسی کمزوری کا علاج کرنے کے لئے یکے بادیگرے انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے رہے۔ بالآخر جب خاتم النبیین اور ہادیٔ کامل علیہ الصلوۃ والسلام خدا کی طرف سے کامل و مکمل ہدایت نامہ لے کر آیا تو کفار مکہ نے جن کے ذہن میں اُسی قدیمی ضعیف الاعتقادی اور عجائب پرستی کی وجہ سے نبی یا رسول کا بہت ہی عجیب و غریب اور غیر معمولی مفہوم موجود تھا اعتراض کیا کہ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ (سورۂ فرقان رکوع ۱) یعنی یہ رسول تو کھانا کھاتا اور بازاروں میں پھرتا ہے۔ اُن کے نزدیک کھانا کھانا شان نبوت کے منافی تھا وہ سمجھتے تھے کہ رسول یا نبی کو کھانے پینے کی احتیاج نہیں ہونی چاہئے اور اُس کو گوشہ نشین بھی ہونا چاہئے نہ یہ کہ وہ بازاروں میں بھی چلے پھرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم پر اعتراض کرنیوالوں میں اُن ابتدائی احمق معترضوں کے مثیل آج تک بھی موجود ہیں اور اپنی حماقتوں کے اظہار و افشا میں اُن کو کوئی تامل نہیں چنانچہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ۔

"آنحضرت صلعم (نعوذ باللہ) شہوت پرست تھے کیونکہ اُن کی بہت سی بیویاں تھیں۔"

اس اعتراض کے پیش کرنیوالوں نے غالباً کسی ہادی اور رسول کی نسبت یہ تصور قائم کر رکھا ہے کہ وہ دنیا سے بے تعلق اور لنگوٹ بند سادھو کی شکل میں کسی بیابان کے اندر دھونی رمائے بیٹھا ہو نہ اُسکو بیوی سے تعلق ہو نہ بچوں سے۔ لیکن وہ نہیں جانتے کہ ایسا ہادی اس دنیا میں رہنے سہنے اور بیوی بچے رکھنے والے انسانوں کے لئے ہرگز رہبر کامل نہیں ہو سکتا۔ نوع انسان کو ضرورت ہے کہ خداشناسی اور رضائے الٰہی کی راہیں بتانے اور صراط مستقیم پر چلانے والا ہادی انسانی زندگی کے ہر معقول اور ضروری شعبے میں ایک نمونہ پیش کرے۔ وہ شخص جس نے کبھی شادی ہی نہیں کی اور خود ہی خانہ داری کے کاموں سے ناآشنا رہے محض ہے بھلا دوسروں کو خانہ داری اور خاوند بیوی کے معاشرتی تعلقات کی نسبت کیا ہدایت دے سکتا ہے؟ اور اُسکے مشورے گھرباری لوگوں کے لئے کہاں مفید ہو سکتے ہیں (یہ بحث کسی گذشتہ باب میں بالتفصیل آچکی ہے) ایسا شخص جو کسی معاملہ میں خود صاحب تجربہ نہو اور کوئی نمونہ پیش نہ کر سکتا ہو جب کوئی ہدایت یا مشورہ دیگا غالب گمان یہ ہے کہ دھوکھا کھائیگا اور اپنے پیرؤں کو غلط راستے پر چلا کر نقصان پہونچائیگا یہی وجہ ہے کہ بخلاف حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے (کہ وہ متاہل تھے) حضرت عیسیٰ علیہ السّلام (جنھوں نے ساری عمر شادی نہیں کی) اپنے پیرووں کو معاشرت خانگی اور زن وشوہر کے تعلقات کی نسبت کوئی مفید اور قابل عمل ہدایت نہیں کر سکے۔ توریت نے طلاق اور نکاح ثانی کو جائز رکھا تھا لیکن موجودہ انجیل اُس کو منسوخ قرار دیکر عیسائیوں سے اپنے حکم کی کماحقہ تعمیل نہیں کرا سکی اور انواع واقسام کی مشکلات میں اُن کو مبتلا کر دیا۔ اسی طرح سوامی دیانند صاحب سرستی نے انسانی زندگی کے اس معاشرتی حصہ میں قدم نہیں رکھا اور سنا ہے کہ ساری عمر اُنھوں نے حالت تجرد میں بسر کی لیکن سناتن دھرمیوں اور ہندوؤں کے دوسرے فرقوں کے خلاف اُنھوں نے ویدوں سے نیوگ کی رسم نکال کر جاری کرنی چاہی نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کو اس معاملہ میں سخت ناکامی ہوئی۔ اسی طرح اُنھوں نے ستیارتھ پرکاش میں مرد وعورت کی ہم بستری کے وقت کی حرکات وافعال کے نقشے بھی الفاظ میں کھینچے لیکن یہ ایک ایسے سنیاسی کے بتانے کی باتیں ہرگز نہ تھیں جو گرہست آشرم سے ناآشنا رہا ہو اور نہ ایک مذہبی کتاب کو ایسی ننگی باتوں اور ایسے ننگے الفاظ کا مقام بننا چاہیئے تھا۔ چنانچہ ہم نے

دیکھا ہے کہ ایک آریہ سماجی ستیارتھ پرکاش کے اُس صفحہ کو جب دیکھتا ہے تو لوگوں کے سامنے اُس کی گردن اونچی نہیں ہوسکتی اور اُس کا ضمیر خود ہی اُسکو شرمندہ کرتا اور اندر ہی اندر ذبح کئے ڈالتا ہے۔ اگرچہ ہمنے ایسے آریہ سماجی بھی دیکھے ہیں جنھوں نے اپنے ضمیر کی آواز کو بالکل دبا دیا ہے اور وہ بڑی جرأت اور آزادانہ لہجہ میں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ ہاں ہم نیوگ کو بالکل درست اور قابل تعمیل مانتے اور سوامی جی کے مقرر کردہ اصولوں کی موافق اپنی بیویوں کے دوسرے مردوں سے اگر ضرورت ہو تو نیوگ کرا لینے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ریل گاڑی میں سفر کرتے ہوئے اسٹیشن انبالہ کے قریب ایک آریہ نے مجھ سے کہا کہ "اگر میں تجارت کی غرض سے امریکہ چلا جاؤں اور وہاں سے چار برس کے بعد واپس آؤں اور دیکھوں کہ میری بیوی نے نیوگ کرا کر ایک لڑکا پیدا کر لیا ہے تو میں اپنی بیوی سے بہت ہی خوش ہونگا اور اُس لڑکے کو اپنا ہی لڑکا یقین کروں گا۔" میں اُس شخص کی اس جرأت پر ہمیشہ حیران رہا کرتا تھا لیکن ابھی چند روز ہوئے کہ میری وہ حیرت دور ہوگئی جبکہ میں نے کسی اخبار میں پڑھا کہ چودھری رام بھجدت مشہور آریہ سماجی لیڈر نے کسی عدالت میں گواہی دیتے ہوئے یہ کہا کہ میں سوامی دیانند کی اس تعلیم کو کہ عورت جس کا خاوند پردیس میں گیا ہو تین برس انتظار کر کے نیوگ کرالے قابل عمل یا صحیح نہیں سمجھتا۔

اس وقت مجھکو یہ بتانا مدنظر ہے کہ آنحضرت صلعم کو نعوذ باللہ شہوت پرست کہنا معترضین کی سخت حماقت اور بیجا تعصب اور ناانصافی پر مبنی ہے اگر نعوذ باللہ آپ شہوت پرست ہوتے تو کفار مکہ خود ہی ملک عرب کی خوبصورت سے خوبصورت اور مالدار سے مالدار عورت یا عورتیں آپکے نکاح میں دینے کو موجود تھے۔ مال و دولت بھی دیتے تھے اور اپنا بادشاہ بھی تسلیم کرنے پر آمادہ تھے۔ ایک عیش پسند اور شہوت پرست انسان کو خوبصورت عورت مال و دولت۔ اور حکومت کے سوا اتباؤ اور کس چیز کی ضرورت باقی رہ گئی تھی۔ فوراً رضامند ہو جاتے اور بت پرستی کی مذمت ترک کر دیتے کیونکہ کفار مکہ ان سب چیزوں کے معاوضہ میں صرف یہی چاہتے تھے کہ ہمارے بتوں کو بُرا نہ کہو اور بت پرستی کی مذمت نہ کرو مگر آنحضرت صلعم نے اُن کی اس تجویز کو نہایت ہی حقارت کے ساتھ رد کر دیا اور ہر قسم کی خطرناک سے خطرناک مصیبتوں میں اپنے آپ کو مبتلا کیا۔ اگر آپ شہوت پرست ہوتے تو پچیس سال کی عمر تک بلا شادی کے نہ رہتے کیونکہ ملک عرب کی گرم آب و ہوا میں

پچیس سال سے نصف مدت کی عمر میں لڑکا بالغ ہوجاتا ہے۔ آپ شہر مکہ کے سب سے زیادہ شریف و معزز قبیلہ کے ایک خوش اطوار نوجوان تھے آپ کے لئے مکہ میں لڑکیوں کی کمی نہ تھی۔ پھر اگر آپؐ شہوت پرست ہوتے تو پچیس سال کی عمر میں پہلی شادی ایک چالیس سالہ بیوہ سے نہ کرتے بلکہ کسی نوجوان باکرہ کی تلاش کرتے اور یہ کوئی دشوار اور مشکل کام نہ تھا۔ پھر اگر آپؐ شہوت پرست ہوتے تو پچیس سال کی عمر سے لے کر پچاس سال کی عمر تک اُس ایک ہی کبیر السن عورت پر قناعت نہ کرتے کیونکہ ملک عرب میں عام طور پر کئی کئی بیویاں رکھنے کا عام رواج تھا۔ چنانچہ حضرت عروہؓ جب مسلمان ہوئے تو اُنکی اُس وقت دس بیویاں تھیں آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ تم زیادہ سے زیادہ چار بیویاں رکھ کر باقی چھ کو طلاق دیدو۔ حضرت عروہؓ نے اس حکم کی فوراً تعمیل کی۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ پچاس سال کی عمر تک انسان کے اندر جذبات شہوانی کا زیادہ جوش ہوسکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ پچاس سال کی عمر تک ہی جوانی کا زمانہ سمجھا جاسکتا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ترپن ۵۳ سال کی عمر تک آپؐ کے گھر میں ایک ہی بیوی ہے۔ پس اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہوسکتی ہے کہ ایسے شخص پر شہوت پرستی کا الزام لگایا جائے اور کثرتِ زوجات کے اصلی اور معقول سبب کی طرف سے آنکھیں بند کرلیجائیں آنحضرت صلعم نے اپنی عمر کے آخر حصہ میں متعدد نکاح کئے اِن نکاحوں کے اسباب مندرجہ ذیل نمبروں میں تلاش کرو۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے بانیانِ مذاہب نے عموماً کئی کئی اور زیادہ زیادہ تعداد میں شادیاں کی ہیں۔ ہندوستان کے مشہور مذہبی پیشوا کرشن مہاراج کی بھی بہت سی بیویاں تھیں۔ مہاراجہ رامچندر کے باپ کی کئی بیویاں تھیں۔ اِن تمام پیشوایاں مذاہب کو شہوت پرست قرار دینا بہت بڑی زیادتی اور ناانصافی ہے۔ بات یہ ہی کہ بعض نبی بطور مجدد کے تشریف لاتے تھے یعنی وہ پہلی شریعت کو منسوخ نہیں کرتے بلکہ اُس کو قایم رکھ کر اُس میں حسب ضرورت تجدید فرمادیتے تھے جیسے حضرت مسیح علیہ السلام کہ اُنہوں نے شریعتِ موسوی کو منسوخ نہیں فرمایا چونکہ ایسے نبیوں کو پوری شریعت کے لئے نہیں بلکہ ایک محدود حصہ کے لئے نمونہ پیش کرنا ہوتا ہے لہذا اُن میں شادی کا نہ ہونا اور اُن کا حالتِ تجرد میں رہنا بھی ممکن ہے جیسا کہ انجیل سے حضرت مسیح علیہ السلام کا شادی کرنا ثابت نہیں۔ لیکن جو نبی یا رسول صاحبِ شریعت ہوکر اور پوری شریعت لے کر آتے اور پہلی شریعت کو منسوخ فرماتے رہے ہیں اُن کے لئے شادی کرنا اور ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا ضروری تھا کیونکہ شریعت

اُس مجموعۂ قوانین اور اُس متبرک آئین کا نام ہے جو انسانی زندگی کے ہر ضروری شعبہ کے لئے دستور العمل بن سکے۔ زن و شوئی کے تعلقات اور امورات خانہ داری میں نسل انسانی شروع ہی سے مصروف رہی ہے۔ لہذا اس اہم ضرورت کو کوئی جدید نازل ہونے والی شریعت نظر انداز نہیں کر سکتی تھی ہر ایک صاحب شریعت ہادی ایسا نہیں ہو سکتا کہ اُس نے شادی نہ کی ہو شریعت میں بعض احکام مخصوص طور پر عورتوں ہی سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں اور مرد اُنکی صاف طور پر تبلیغ نہیں کر سکتے نہ سمجھا سکتے ہیں اُن احکام کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ اُس نبی کی بیویاں ہی ہو سکتی ہیں۔ چونکہ اُن احکام کا یاد اور محفوظ رکھنا تنہا ایک عورت کا کام نہیں ہو سکتا تھا لہذا ایسے ہر ایک نبی کو کئی کئی شادیاں کرنی پڑی ہیں۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی کامل و مکمل شریعت لے کر آئے جس نے تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ قرار دیا لہذا تبلیغ شریعت اور حفاظت احکام دین کے لیے ضرورت تھی کہ آپ بہت سی شادیاں کریں۔ کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ شریعت اسلام کا ایک خاص حصّہ ازواج مطہرات ہی کے ذریعہ ہم تک پہنچ سکا ہے اور آنحضرت صلعم کی زندگی کا وہ متبرک حصّہ جس کو ہم اپنی گھریلو زندگی میں دستور العمل بنا سکتے ہیں۔ ازواج مطہرات ہی کے سبب محفوظ رہ سکا ہے اور جس طرح ہم صحابہ کرامؓ کی روایت کی ہوئی حدیثوں میں مختلف سلاسل روایات کا مقابلہ کر کے یقینی اور قطعی علم حاصل کر سکتے ہیں اسی طرح نسائی معاملات کے متعلق ازواج مطہرات کی بیان فرمائی ہوئی روایتوں میں بھی ہم کو اُسی قسم کے علم و یقین تک پہنچنے کا موقع میسر آسکتا ہے۔ اگر آپ کی ایک ہی زوجہ مطہرہ ہوتیں تو ہمارے علم کو شک سے پاک ہو کر یقین کا درجہ حاصل نہ ہو سکتا۔ شریعت کی بعض باتیں آپ کھول کر عورتوں سے بیان نہیں فرما سکتے تھے چنانچہ احادیث میں کئی واقعات ایسے پائے جاتے ہیں کہ کسی عورت نے کوئی مسئلہ آپ سے دریافت کیا اور آپ نے کسی بی بی کو حکم دیا کہ تم سمجھا دو

(۲) جب کفار نے مسلمانوں کو مدینہ میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور بار بار کی چڑھائیاں اور لڑائیاں شروع کر دیں تو ان لڑائیوں میں مسلمان جو پہلے ہی تعداد میں کم تھے اور بھی کم ہونے لگے جنگ بدر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاجزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیوہ ہو گئیں حضرت عمرؓ نے اوّل حضرت ابو بکرؓ سے پھر حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ وہ اُن کی بیوہ صاجزادی سے نکاح کر لیں مگر دونوں بزرگوں نے شاید اس وجہ سے کہ حضرت حفصہؓ کے مزاج میں کسی قدر تیزی تھی انکار کر دیا۔ آخر آنحضرت صلعم نے خود اُن سے نکاح کر لیا۔ حضرت زینبؓ

کے بھائی چاہتے تھے کہ اپنی بہن کی شادی آپؐ سے کریں لیکن آپ نے اُس کو پسند نہ کیا اور اُن کا نکاح خود حضرت زیدؓ سے کر دیا۔ لیکن ان دونوں میاں بیوی میں نہ بنی نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت زیدؓ نے اُن کو طلاق دیدی۔ مطلقہ عورت سے عام طور پر نکاح کرنا پرانی رسم کے موافق کچھ اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا آپؐ نے اس رسم کے مٹانے اور حضرت زینبؓ کی دلدہی کے لئے اُن سے خود نکاح کر لینا مناسب سمجھا۔ حضرت سودہؓ ایک سن رسیدہ بی بی تھیں اُن کے خاوند سکران جب فوت ہو گئے تو وہ نہایت تنگی کی حالت میں رہ گئیں۔ اس عسرت کی حالت میں اُنہوں نے خود آنحضرت صلعم سے نکاح کی درخواست کی اور آپ نے اِس درخواست کو رد نہ کیا۔ سنہ ۵ھ میں غزوہ بنی المصطلق پیش آیا اور بہت سے مرد و عورت قید ہوئے اِن قیدیوں کے اندر ایک رئیس عرب حارث کی بیٹی جویریہ نام بھی قید میں آئیں۔ حارث اپنی بیٹی کا فدیہ لے کر آیا یہاں آکر خود معہ دو بیٹوں کے مسلمان ہو گیا اور اپنی بیٹی جویریہ کو جو بیوہ تھیں خود آنحضرت صلعم کے نکاح میں دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے تمام بنی المصطلق کے قیدیوں کو بلا فدیہ لیے آزاد کر دیا اور اس طرح ایک طاقتور قبیلہ کی ہمدردی مسلمانوں کو اس نکاح کی وجہ سے حاصل ہو گئی۔ غرض اسی طرح سوائے ایک حضرت عائشہؓ کے آپؐ نے تمام شادیاں بیوہ عورتوں سے کیں۔ ایک شہوت پرست انسان جس کو باکرہ عورتیں بکثرت مل سکتی ہوں بیوہ اور زیادہ عمر کی عورتوں سے شادیاں نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض عورتوں کے خاوند لڑائیوں میں مارے گئے اور وہ بیوہ ہو کر کوئی ذریعہ معاش اپنی گذران کے لئے نہیں رکھتی تھیں۔ آپؐ نے ایسی عورتو کو اس حالت میں چھوڑ دینا مناسب نہ سمجھا کیونکہ اس طرح قوم میں بدچلنی اور خطرناک اخلاقی امراض کے پیدا ہو جانے کا خطرہ تھا لہذا آپؐ نے خود بھی اُن سے شادیاں کر کے اُنکی سرپرستی فرمائی اور مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ بھی ایسی حالت میں بیواؤں سے شادیاں کرنے کو عیب نہ جانیں۔ بعض عورتوں سے شادیاں کرنے میں قوم کی قوم اسلام کی ہمدرد بن گئی۔ بعض شادیوں کے ذریعہ کسی بری رسم اور بیجا رواج کا استیصال ہوا۔ اِن شادیوں کو نفس پرستی اور شہوت پرستی قرار دینا سخت غلطی اور واقعات سے لاعلمی کا اظہار کرنا ہے۔

(۳) مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے چند سال بعد ایسے حالات و واقعات پیش آئے اور صحابہ کرام کو تجارتوں میں ایسے منافع ہوئے کہ عام طور پر مسلمانوں کی مالی حالت بہت کچھ سنبھل گئی جنگ بدر میں قیدیوں کا فدیہ اور مال غنیمت ہاتھ آیا۔ پھر یہودیوں سے کچھ جائدادیں حاصل ہوئیں غرض آسایش کے سامانوں میں ترقی شروع ہوئی مگر آنحضرت صلعم اور آپؐ کے اہل بیت کی

زندگی میں کوئی تغیر نہ ہوا۔ وہی پرانی حالت بدستور قایم رہی یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضہ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے یہاں تشریف لائے اور گھر کی بے سروسامانی دیکھ کر رو پڑے آنحضرت صلعم نے رونے کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ قیصر وکسریٰ کے محلوں میں تو وہ سامانِ عیش مہیا ہے اور آپ ایسی عسرت اور تکلیف کی حالت میں بسر کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا میری مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی مسافر دھوپ اور گرمی کی شدت میں چلتے چلتے کسی درخت کے نیچے تھوڑی سی دیر کے لئے ٹھہر جائے۔ آپ کی نظر دنیا کی حقیر چیزوں سے بہت بلند تھی۔ دنیا کی کوئی خواہش کبھی آپ پر غالب نہیں آئی۔ آپ کی بیبیوں نے جب دیکھا کہ تمام مسلمانوں کو آسایش کے سامان میسر ہیں تو ہم بھی بحصہ رسدی کیوں فائدہ نہ اٹھائیں چنانچہ انہوں نے مشورہ کر کے آنحضرت صلعم کی خدمت میں درخواست کی مگر حکم الٰہی یوں آیا کہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ (سورۂ احزاب رکوع ۴)	اے پیغمبر اپنی بیبیوں سے کہدو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کے سازوسامان کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر خوش اسلوبی سے رخصت کر دوں۔

نبی کریم کو اپنی بیبیوں کا کس قدر پاس و لحاظ تھا خود آپ کے اس ارشاد سے ہویدا ہے کہ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ یعنی تم میں سب سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنی بی بی سے اچھا ہے لیکن جب وہی بیبیاں ایک جائز مطالبہ کرتی ہیں کہ دوسروں کی طرح ہمیں بھی مال و دولت زیادہ حصہ ملے تو جواب ملتا ہے کہ بہت اچھا مال لے کر رخصت ہو جاؤ۔ کیا یہ الفاظ اس شخص کے منہ سے نکل سکتے ہیں .... اور یہ خیال اس شخص کے دل میں آسکتا ہے جو شہوت پرست ہو؟ ایک نفس پرست بلکہ ایک معمولی دنیادار بھی اپنی عورت کو زیادہ آسایش کی حالت میں دیکھنا پسند کرتا ہے مگر یہاں حکم ہوتا ہے کہ اگر زیب و زینت چاہتی ہو تو محمد صلعم کے گھر سے چلی جاؤ۔ وہ سب بیبیوں کو ایک ہی وقت میں رخصت کرنے کے لئے تیار ہے۔ معلوم ہوا کہ جذبۂ شہوت اس کے کسی گوشۂ قلب میں نہیں ہے اور ان بیبیوں کے اپنی زوجیت میں لانے سے کچھ اور ہی مدعا ہے۔ اس مدعا کو قرآن مجید خود ظاہر فرما دیتا ہے۔

وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ	اور اے نبی کی بیبیو اگر تم خدا اور اس کے رسول اور عاقبت کے گھر کی خواہاں ہو تو تم میں سے جو نیکوکار ہیں ان کے لئے

لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ يٰ
نِسَاۗءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا
الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۝ وَكَانَ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ
لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ
اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا
رِزْقًا كَرِيْمًا ۝ يٰنِسَاۗءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ
كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاۗءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا
تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ
قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝
وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ
الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ
وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ
الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ
تَطْهِيْرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ
بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ

خدا نے بڑے بڑے اجر تیار کر رکھے ہیں۔ پیغمبر خدا کی بیبیو تم
میں سے جو کوئی کسی کھلی ہوئی ناشائستہ حرکت کی مرتکب
ہوگی اُس کو دوہری سزا دیجائیگی اور اللہ کے نزدیک یہ ایک
سہل سی بات ہے اور جو تم سے اللہ اور اُس کے رسول کی
فرمانبرداری اور نیک عمل کریگی اُس کو ہم اُس کا اجر بھی دوہرا
دینگے اور ہم نے آخرت میں اُس کے لئے عزت کی روزی بھی
تیار کر رکھی ہے پیغمبر کی بیبیو! تم کچھ عام عورتوں کی طرح تو ہو نہیں
پس اگر تم کو پرہیزگاری منظور ہے تو دبی زبان سے کسی کے
ساتھ بات نہ کیا کرو کہ ایسا کروگی تو جس کے دل میں کسی طرح کا
کھوٹ ہے وہ خدا جانے تم سے کس طرح کی توقعات پیدا کریگا
اور بات بھی کرو تو بے لاگ لپیٹ جیسا کہ پاک صاف لوگوں کا
دستور ہے اور اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو اور اگلے زمانہ جاہلیت
کے سے بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور
اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔ اے پیغمبر کے گھر
والو خدا کو تو بس یہی منظور ہے کہ تم سے ہر طرح کی گندگی کو دور
کرے اور تم کو ایسا پاک صاف بنائے جیسا پاک صاف
بنانے کا حق ہے۔ اور تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں
اور دانائی کی باتیں پڑھ پڑھ کر سُنائی جاتی ہیں اُن کو یاد رکھو۔

(سورہ احزاب رکوع ۴)

یعنی تمہاری غرض نبی کریمؐ کی زوجیت میں آنے سے یہ نہیں کہ زندگی کے چند دن آرام سے
بسر کرو اور معمولی آسایش کے سامان تم کو میسر آجائیں اگر حضرت صلعم کی غرض تم کو زوجیت میں لانے
سے محض دنیا کی زندگی تک ہی محدود ہوتی تو پھر تمہارے اِس گھر میں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں
تم کو رخصت کر دینے کا حکم دیا جاتا ہے لیکن اگر غرض کچھ اور ہے یعنی اللہ و رسول کی باتوں کی اشاعت
کرنا اور اپنی ہمجنسوں کو آخرت کے گھر کی طرف متوجہ کرنا تو پھر تم دنیا کی آسایشوں پر لات مار کر اصل
غرض کی طرف متوجہ رہو۔ تمہارا اجر بھی بڑا ہے اس لئے تم ہمہ تن قرآن کو یاد رکھنے اور ان حکمت کی

باتوں کے محفوظ کرنے میں مصروف ہو جاؤ جن کا تمہارے گھروں میں چرچا ہے۔

(۴) حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح پر خصوصیت سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ "حضرت زینب رضؓ آنحضرت صلعم کو اس قدر پسند آئیں کہ حضرت زیدؓ کو جن کی وہ بیوی تھیں مجبوراً طلاق دینی پڑی" اس اعتراض کو طاقتور بنانے کے لئے معترضین بناوٹی واہیات روایات پیش کرتے اور اپنی خبث طینتی کا اظہار ہونے سے ذرا نہیں شرماتے۔ اپنے حسد و عناد کے سبب وہ عقل و درایت کی طرف مطلق متوجہ ہونا نہیں چاہتے حالانکہ اس طرح عدل و انصاف اور شرافت و معقولیت کا خون کرنے کے بعد ہر شخص جس بزرگ جس نبی اور جس پیشوائے دین پر جس قسم کا چاہے الزام لگا سکتا ہے بہر حال ہمارے مخاطب ہر قوم و ملت کے معقول پسند افراد ہیں اور انہی کے مطالعہ کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ لہذا ان کی تسکین خاطر کے واسطے ذیل کی چند سطریں اس مذکورہ اعتراض کے متعلق سیرۃ خیر البشر سے نقل کی جاتی ہیں۔

"اگر آپ نے اس قدر بیوہ عورتوں سے شادی کی اور ان کو اپنی حفاظت میں لیا تو آپؐ نے یہ بھی چاہا کہ مطلقہ عورت کے نام سے جو ذلت وابستہ ہے اس کو بھی دور کر دیا جائے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ طلاق ناپسندیدگی کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس لئے مطلقہ عورت کسی قدر بدنام ہو جاتی ہے۔ پھر جہاں انسان کا کوئی عزیز یا دوست ہی اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو وہاں اور بھی زیادہ مشکلات ہوتی ہیں۔ اب حضرت زیدؓ کا جو تعلق محمد رسول اللہ صلعم سے تھا وہ ظاہر ہے کہ لوگ ان کو آپؐ کا بیٹا کہتے تھے کیونکہ آپ ان سے حد درجہ کی محبت کرتے تھے۔ آپ نے خود ہی اپنی ایک عزیز اعلیٰ خاندان کی خاتون زینبؓ سے حضرت زیدؓ کی شادی کر دی لیکن میاں بی بی میں نہ بنی اور اس کی وجہ زینب کی تیز مزاجی تھی۔ زیدؓ نے طلاق دینے کا ارادہ کیا۔ آنحضرت صلعم نے انہیں روکا جیسا کہ قرآن شریف میں صراحت سے مذکور ہے۔ مگر زیدؓ حضرت زینب کی تیز مزاجی کو برداشت نہ کر سکے اور آخر کار انہوں نے مجبور ہو کر طلاق دیدی اس طلاق میں صراحت سے زینب پر تیز مزاجی کا الزام تھا۔ پس آپ کا زینبؓ کو نکاح میں لینا یہ ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ اگر عورت کا ایک خاوند کے ساتھ نباہ نہ ہو تو اس کی وجہ سے اس کے نام پر کوئی ذلت کا داغ نہیں آنا چاہئے۔ آپؐ نے یہ عزت افزائی کی کہ ایسی مطلقہ کو فوراً اپنے نکاح میں لے لیا۔ اگر زید خود طلاق دینا نہ چاہتے اور ان کو مجبور کر کے طلاق دلائی جاتی تو ایسی صورت میں وہ مسلمان نہیں رہ سکتے تھے چہ جائیکہ وہ ایسے جاں نثار رہے کہ آپؐ نے اپنی افواج کی کمانڈ ان کے ہاتھ میں دی۔ پھر زینبؓ آپؐ

کی پھوپی کی بیٹی تھیں اور بچپن سے آپ اُن کو جانتے تھے اُن کے حالات سے واقف تھے خود آپؐ نے ہی اُن کا نکاح زیدؓ سے کیا تھا حالانکہ زینب کے بھائی اُس وقت بھی چاہتے تھے کہ نبی کریم صلعم خود اپنی زوجیت میں اُنہیں لے لیں وہ کونسی بات تھی کہ ایک خاتون سے آپؐ اُس کے کنوارپن کی حالت میں نکاح نہیں کرتے حالانکہ وہ خود اور اُس کا بھائی خواہشمند ہیں اور پھر جب وہی عورت اپنی تیز مزاجی کی وجہ سے مطلقہ ہو جاتی ہے تو اُس سے نکاح کر لیتے ہیں بلکہ یہ نکاح اِن حالات میں کس قدر صفائی سے فیصلہ کرتا ہے کہ خواہشات نفسانی کو ایک ذرہ بھی دخل آپ کے خیالات میں نہ تھا اگر نفسانی خواہش ہوتی تو جب زینبؓ کنواری تھیں تب ان سے نکاح کرتے نہ یہ کہ جب بدنام ہو کر مطلقہ ہو گئیں۔ پہلی صورت میں انکار کرنا اور دوسری صورت میں ان سے نکاح کر لینا صاف بتاتا ہے کہ آپؐ کا مطلب صرف یہ تھا کہ مطلقہ عورت کے نام سے لوگ نفرت نہ کیا کریں۔ کیونکہ طلاق حالاتِ انسانی میں پیش آہی جاتی ہے۔ بیواؤں اور مطلقہ عورت سے خود نکاح کر کے آپ نے دنیا میں ایک عظیم الشان اصلاح کی بنیاد رکھی"۔

یہ باب کسی قدر طویل ہو گیا اگرچہ گفتنی باتیں اور بھی باقی رہ گئی ہیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ اسلام سے واقف ہونے اور اسلام کے متعلق کوئی صحیح رائے قایم کرنے کے لئے یہاں تک جو کچھ لکھا جا چکا ہے کافی ہے۔ اب آئندہ ابواب میں ہم کو ویدک دھرم یا آریہ سماج۔ اُس کے بعد عیسویت۔ اُس کے بعد دیگر مذاہب پر تحقیقی نظر ڈالنی ہے۔ و باللہ التوفیق۔

فصل الخطاب

تحقیق المذاہب کی دوسری جلد جس کا نام فصل الخطاب ہے جلد طبع ہونیوالی ہے اس کتاب میں آریہ مذہب کی حقیقت و ماہیت - ویدوں کی حیثیت و اصلیت - الہمین و مصنفین وید - پنڈت دیانند سرستی - آریہ مذہب کے اعمال و احکام و اخلاق و عبادات - روح و مادہ کی قدامت - تناسخ وغیرہ تمام اُن مسائل پر جو آج تک آریوں اور مسلمانوں کے درمیان مباحثوں اور مناظروں کی ہنگامہ آرائیوں کا باعث بنتے رہے ہیں اس خوبی و سنجیدگی و متانت کے ساتھ بحث کی گئی ہے کہ اوّل سے آخر تک ایک لفظ بھی ایسا نہیں لکھا گیا جو کسی کو ناگوار و گراں محسوس ہو یا جس کی بجا طور پر کوئی شخص شکایت کر سکے یہ کتاب اس خیال سے نہیں لکھی گئی کہ آریہ مذہب کی خواہ مخواہ تنقیص و تغلیط ہی کیجائے بلکہ اُس کا منشا یہ ہے کہ لوگوں کی سمجھ میں آجائے کہ آریہ مذہب کیا ہے اور کیسا مذہب ہے آریہ مذہب کی مستند اور مسلم کتابوں سے جہاں کہیں جملے نقل کئے گئے ہیں وہاں پورے پورے حوالے مع صفحات لکھ دیے گئے ہیں - ہر مسئلہ پر عالمانہ اور محققانہ نظر ڈالی گئی ہے اور اُن تمام مسائل کو جن کی نسبت مشہور کیا جاتا ہے کہ آج تک طے نہیں ہوئے - اس کتاب نے بحمد اللہ تعالیٰ اس طرح طے کر دیا ہے کہ کسی منصف مزاج اور صداقت پسند انسان کو تو اب کسی مزید تحقیق و تفتیش کی انشاء اللہ تعالیٰ مطلق ضرورت پیش نہ آئیگی تحقیق المذاہب کی اس پہلی جلد یعنی حجۃ الاسلام کے مطالعہ سے بھی کچھ کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ دوسری جلد یعنی فصل الخطاب کیسی کتاب ہوگی - جو صاحب اُس کو خریدنا چاہیں اِس اعلان کو ملاحظہ فرماتے ہی ایک کارڈ کے ذریعہ اپنا مفصل پتہ لکھ کر بھیجدیں تاکہ درج رجسٹر کر لیا جائے - تیاری کے بعد اُن کے پاس کتاب بذریعہ وی پی پیکٹ بھیجدی جائیگی - قیمت اس کی بعد تیاری کے متعین ہوگی مگر اُمید ہے کہ دو روپے کے قریب ہوگی - خط اس پتہ سے بھیجئے -

مینجر عبرت - نجیب آباد

آئینۂ حقیقت نما

مندرجۂ عنوان نام کی کتاب مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے تعلقات کی محمد بن قاسم اور فتح سندھ سے لے کر غدر ۱۸۵۷ء کی مکمل و مستند و مشرح تاریخ بیان کی گئی ہے۔ مسلمانوں نے ہندوستان کو کیوں اور کس طرح فتح کیا۔ فتح کرنے اور اپنی حکومت جمانے کے بعد مسلمانوں نے ہندؤں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا؟ اس سوال کے جواب میں ہندوستان کے کسی بادشاہ۔ کسی دربار۔ کسی صوبے۔ کسی عامل کو نہیں چھوڑا گیا جس کے حالات و واقعات پر نظر نہ ڈالی گئی ہو۔ اگرچہ اس کتاب کا موضوع تاریخ کے صرف ایک پہلو یعنی ہندو مسلم تعلقات پر تیز روشنی ڈالنا اور حقیقت اصلیہ کو بے نقاب کر دینا ہے۔ مگر اس کو ہندوستان کی مکمل تاریخ سمجھنا چاہیے۔ غالباً اس اہتمام اور اس احتیاط کے ساتھ اب تک کوئی کتاب اس موضوع پر تصنیف نہیں ہوئی ہے۔ یہ کتاب غالباً ہندوستان کے سیاسی معاملات پر بہت گہرا اثر ڈالیگی۔ اس وقت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فصل الخطاب پہلے شائع ہوگی یا آئینۂ حقیقت نما۔ مگر یہ دونوں کتابیں انشاء اللہ یکے بعد دیگرے بہت جلد شائع ہونیوالی ہیں۔ قیمت غالباً چار روپیہ فیجلد ہوگی۔ خریداری کی درخواستیں مطلوب ہیں۔

منیجر عبرت۔ نجیب آباد

عبرت کی ایک سالانہ جلد

ہندوستان کے مشہور تاریخی رسالہ عبرت کی پرانی جلدیں اب موجود نہیں رہیں صرف سنہ ۱۹۲۲ء کی مکمل جلدیں بہت تھوڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اس جلد کے بارہ سالوں میں نہایت قیمتی عالمانہ اور تاریخی مضامین ہیں۔ تاریخ ملابار۔ تاریخ اندلس۔ تاریخ نواب امیر خاں بانی ریاست ٹونک۔ گائے کی تاریخ۔ تاریخ جنگ انگورہ۔ اسپارٹا کا مقنن اعظم لائی کرگس۔ تاریخ احمد آباد گجرات وغیرہ بہت سے نہایت اہم اور ضروری مضامین اس جلد میں موجود ہیں۔ پانچ روپیے علاوہ محصول ڈاک اس کی قیمت ہے۔ بلا تامل طلب فرمائیے۔

منیجر عبرت۔ نجیب آباد